چار عبداللہ رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ

فیاض چشتی دام برکاتہم عالیہ

فاضل درس نظامی

شاکر پبلی کیشنز لاہور

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی کرو گے فلاح پاؤ گے (مشکوٰۃ)

عبادلہ

چار عبداللہ رضی اللہ عنہم

ترتیب وتدوین

علامہ مفتی محمد فیاض چشتی

شاکر پبلی کیشنز
اردو بازار لاہور
فون:042-37240084

عبادلہ چار عبداللہ رضی اللہ عنہم

باہتمام ——— ملک محمد شاکر

سن اشاعت ——— 2017ء

طابع ——— اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

قیمت ——— -/350 روپے

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔ ادارہ

فہرست

کرتے ہیں رب کی عبادت بے ریا عبادلہ
سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیں جلا عبادلہ
امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رب کی عطاء عبادلہ
چشتی ہیں خلق کے راہنما عبادلہ

حمد باری تعالیٰ

یا الٰہی ہر جگہ تیری عطاء کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل، شہِ مشکل کشا کا ساتھ ہو

یا الٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادیٔ دیدارِ حُسنِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
صاحبِ کوثر شہِ جود و سخا کا ساتھ ہو

یا الٰہی گرمیٔ محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی نامۂ اعمال جب کھلنے لگیں
عیب پوشِ خلق ستارِ خطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی رنگ لائیں جب مری بے باکیاں
اُن کی نیچی نیچی نظروں کی حیا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جو دعائے نیک میں تجھ سے کروں
قدسیوں کے لب سے آمیں ربنا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب رضا خوابِ گراں سے سر اُٹھائے
دولتِ بیدارِ عشقِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کونین میں یوں جلوہ نما کوئی نہیں ہے
اللہ کے بعد اُنؐ سے بڑا کوئی نہیں ہے

مانگو تو ذرا اُنؐ کے توسط سے کبھی کچھ
مقبول نہ ہو ایسی دُعا کوئی نہیں ہے

کام آئی سرِ حشر، محمدؐ کی شفاعت
سب کہتے ہیں جا تیری خطا کوئی نہیں ہے

ہر چند نبی عیسیٰؑ و موسیٰؑ بھی ہیں، لیکن
محبوبِ خدا، اُنؐ کے سوا کوئی نہیں ہے

اللہ نے سو حُسن دیئے نوعِ بشر کو
یوں نور کے سانچے میں ڈھلا کوئی نہیں ہے

دل اُنؐ کا ہے، اس دل میں وہیؐ جلوہ فگن ہیں
اب اُنؐ کے علاوہ بخدا کوئی نہیں ہے

اُمت میں ہوں اُنؐ کی جو ہیں رحمتِ عالم
کیوں حشر کا ڈر ہو، میرا کیا کوئی نہیں ہے؟

اس دور پہ اے ختمِ رُسلؐ چشمِ کرم ہو
راہزن ہیں بہت، راہنما کوئی نہیں ہے

پڑھتے رہو دن رات نصیرؔ اُنؐ کا وظیفہ
ایسا عملِ ردِّ بلا کوئی نہیں ہے

مقدمہ

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم امابعد سلام علی من اتبع الھدی وسلام علی من قال یا رسول اللہ ﷺ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۞ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝ وَمَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَآفَّۃً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ مِّنْھُمْ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْآ اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ ۝ صدق اللہ العظیم

سب تعریفیں اس بزرگ و برتر خلاق عالم کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے اور درود لامحدود سید عالم ﷺ کی ذات اقدس ہے جو باعث وجہ تخلیق کائنات ہے اور جس ذات مقدسہ کے وجود مسعود کا صدقہ اور جس کی پیروی کرنے سے جنت کی اعلیٰ نعمتوں کا حصول ممکن ہوتا ہے اور جس کی پیروی راہِ حق کے مسافروں کے باعث تسکین واطمینان ہے۔

صحابہ کرام رضی رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی صحبت کو ایک انمول دولت سمجھتے تھے اور آپ کے فراق کو سب بڑی محرومی تصور کرتے تھے اور مضطرب ہوکر رویا کرتے تھے۔

زیر نظر کتاب میں حضور نبی کریم ﷺ کے چار اصحاب کا تذکرہ مقصود ہے جن کو عبادلہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت عبداللہ ابن زبیر اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم ہیں ان میں سے ہر ایک جدا گانہ حیثیت اور جداگانہ فضیلت کا حامل ہے ان کے تفصیل کو ان کے حالات کے زندگی کے ساتھ آئے گی تاہم حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ دنیائے فقاہت میں عظیم مرتبہ پر فائز

تھے آپ ہی کے اصولوں پر فقہ حنفیہ مرتب کی گئی ہے اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما عبادت و ریاضت میں اپنی مثال آپ تھے جب کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما خلافت کے امور اور ملکی امور میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا حاصل ہے کہ اے اللہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو قرآن کریم کی تفسیر سکھا دے۔ یوں چاروں عبداللہ الگ الگ خوبیوں سے متصف ہیں۔

طبقات ابن سعد میں عاصم بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا ان کے آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہوئے دیکھا۔ یہی وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں جو آثار رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی حد درجہ عشق کرتے تھے۔ کنز العمال کی روایت کے مطابق جہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی وہاں نماز ادا فرماتے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی درخت کے نیچے اترے ہیں تو ابن عمر رضی اللہ عنہ اس کی نگہداشت کرتے اور اس کی جڑوں میں پانی ڈالتے کہ وہ کہیں سوکھ نہ جائے۔ طبقات ابن سعد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے مامن لیلۃ الا و انا ارٰ فیھا حبیبی کوئی رات ایسی نہیں گزرتی جس میں اپنے محبوب کو نہ دیکھتا ہوں! یہ بیان کر کے روتے جاتے۔

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو آنکھیں محض اس لیے عزیز تھیں کہ ان کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوتا تھا' امام بخاریؒ نے الاداب المفرد میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک صحابی کی آنکھیں جاتی رہیں، لوگ عیادت کو آئے' انہوں نے کہا ان آنکھوں سے مقصود تو صرف رسول اللہ کا دیدار تھا۔ شواہد النبوۃ میں علامہ جامی علیہ الرحمن نے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کی خبر موذن رسول حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے سنی تو وہ اس قدر غمزدہ ہوئے کہ نابینا ہونے کی دعا مانگنے لگے کہ میرے حبیب کے بعد یہ دنیا میرے لیے قابل دید نہ رہی انہیں کے درشن کے لیے یہ نین تھے! آپ اسی وقت نابینا ہو گئے، لوگوں نے کہا تم نے یہ دعاء کیوں مانگی؟ فرمایا: لذت نگاہ تو آنکھوں میں

ہے، مگر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب میری آنکھیں کسی کے دیدار کا ذوق نہیں رکھتیں۔

عشق زبانی دعوئی کا نام نہیں بلکہ وہ ایک جذبہ ہے جو عاشق کو اپنے محبوب پر ہر شئے کو نثار کرنے پر ابھارتا ہے۔ عشق رسول ایک ایسی چاشنی ہے جو بھی اسے چکھ لیتا ہے۔ کفار کے روح فرسا مظالم، جلادانہ بے رحمی و سفاکی، دنیا بھر کی اذیتیں اس کے پائے استقامت کو متزلزل نہیں کر سکتے۔ عشق رسول کا مزہ پوچھنا ہو تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے دل سے پوچھئے جنہوں نے عشق کی راہ میں کیسے کیسے صدمات سہے، ریگستان عرب کی سخت تپتی ریت پر انہیں بار بار لٹایا جاتا اور ان کے اس سینہ پر جس میں محبت رسول کے ہزاروں چراغ جل رہے تھے کفار مکہ کی جانب سے وزنی پتھر رکھا جاتا اور ان پر کوڑے برسائے جاتے پھر بھی وہ محبتِ رسولؐ کے دامن کو نہیں چھوڑتے اور زبان حال سے یہ اعلان کرتے جاتے تھے۔

میں مصطفیٰ کے جامِ محبت کا مست ہوں
یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

ظلم پر ظلم سہہ کر یہ بولے بلال، ظالمو یہ تمہارا غلط ہے خیال
دامن مصطفیٰ ہاتھ سے چھوڑ دیں، اتنا کمزور ایمان ہمارا نہیں

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے شریک حال حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کو آگ کے دہکتے ہوئے انگاروں پر پیٹھ کے بل لٹایا جاتا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس دردناک منظر کو دیکھ کر فرماتے ہیں۔۔۔: یا نار کونی برداوسلاما علی عمار کما کنت علی ابراہیم۔

اے آگ عمار پر ایسی ٹھنڈی و سلامتی والی ہو جا جیسا کہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی تھی (صفۃ الصفوۃ طبقات ابن سعد) آگ کے شعلے ماند پڑ جاتے ہیں۔

مکہ کی دھرتی پر اسلام کی پہلی شہیدہ حضرت بی بی سمیہ رضی اللہ عنہا کے خون کا ایک ایک قطرہ عشق حقیقی کی گواہی دے رہا ہے، حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کی جلی ہوئی پیٹھ یہ اعلان کرتی:

اشک غم پیتے رہے دادِ وفا دیتے رہے
ہم چراغوں کی طرح جل کر ضیاء دیتے رہے

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت عشق کی یہ تعریف کرتی ہے کہ عاشق وہ ہے جو ضرورت پڑنے پر راہ عشق میں اپنی جان نچھاور کرنے کو باعث افتخار سمجھے اور محبوب کا نام لیتے لیتے اپنی جان دیدے۔ جب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی پر لٹکا کر لوہے کی کیل ٹھونک دی گئی۔ اس عاشق جاں نثار کے آخری کلمات یہ تھے: یا اللہ! کوئی ایسا شخص ہوتا جو تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا آخری سلام پہنچا دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ تمنا پوری فرمائی، خبیب رضی اللہ عنہ کے مقام سولی سے سینکڑوں میل دُور مدینہ منورہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی جھرمٹ میں اچانک کہتے ہیں وعلیک السلام یا خبیب رضی اللہ عنہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ خدا نے خبیب رضی اللہ عنہ کا سلام مجھے پہنچا دیا ہے۔ اس روایت کو علامہ جامی علیہ الرحمہ نے بھی شواہد النبوۃ میں نقل فرمایا ہے۔

عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ روح پرور مناظر و واقعات ایک مومن کے لئے سامان ہدایت ہیں خصوصاً آج کے اس دور میں جب کہ مال اور متاع دنیا کی محبت عفریت بن کر انسانیت کے قلب و دماغ پر مسلط ہو چکی ہے۔ عاشقانِ رسول کی زندگیاں ہی ایک مومن کی روح و قلب کو تازگی بخشتی ہیں۔ اگر تاریخ عالم میں عشق و محبت کا کوئی حسین باب ہے تو وہ حیاۃ الصحابہ کا باب ہے جنھوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا، مگر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گوہر آبدار کو داغدار ہونے نہ دیا۔ مارے گئے' آگ میں جلائے گئے، قتل کئے گئے' سولی پر لٹائے گئے مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو نہیں چھوڑا، مگر عشق رسول کی دولت کو اپنے دل کی تجوری سے لٹاتا گوارا نہیں کیا۔ ان کی زندگیاں یہ اعلان کر رہی ہیں:

آتش عشق نبیؐ میں جل کے سکھ پانے کا نام
زندگی ہے آپ پر قربان ہوجانے کا نام

صحابہ کرام کی طرز حیات ہم سے مطالبہ کر رہی ہے:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کرے

عشق نبی کا یہ مضمون ہر زمانے میں لکھا جاتا رہا' لکھا جا رہا ہے اور لکھا جاتا رہے گا' مگر آخر کار ہر کاتب کا قلم زبان حال سے کہتا۔

ورق تمام ہوا اور ذکر باقی ہے
سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

سرور کون ومکان سے عشق ومحبت کی داستیں رقم کرنے والے خوش نصیبوں میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی ہیں جنہوں نے فارس سے تلاش حق کے لئے مشکلات جھیلنا شروع کیں جو مدینہ منورہ آکر اپنے محبوب کبریاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ختم ہوئیں زیر نظر کتاب میں اسی مردِ حق کے عشق ومحبت کی داستان رقم کرنے کی سعی کر رہے ہیں تو سب پہلے عشاقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن خوش نصیبوں میں حضور سرور کون ومکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے اپنے قلوب واذہان کو منور فرما کر ایسا رتبہ پایا جو بعد میں کسی کو نہ مل سکا اور نہ مل سکے گا اسی لئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے عشق ومحبت سے بھرپور کارناموں کا تذکرہ کرنے سے قبل صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں عرض کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔

صحابی کی تعریف

(صحابی وہ شخص جس نے بحالتِ ایمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور اسلام پر وفات پائی، اگر چہ درمیاں میں ارتداد پیش آ گیا ہو۔ (النخبة الفکر، ص: صفحة81)

صحابی لفظ واحد ہے، اس کی جمع صحابہ ہے۔ مذکر کے لئے صحابی کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جبکہ مؤنث واحد کے لئے صحابیہ اور جمع کے لئے صحابیات کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

صحابی کی اصطلاحی تعریف

صحابی کے اصل معنی ساتھی اور رفیق کے ہیں؛ لیکن یہ اسلام کی ایک مستقل اور اہم اصطلاح ہے، اصطلاحی طور پر صحابی کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جنہوں نے بحالت ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور ایمان ہی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے ہوں۔ (القاموس الفقہی، باب حرف الصاد: 1 / 207 شیخ سعدی ابوحبیب)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ برگزیدہ جماعت کے ذریعہ اسلام کا تعارف بھی کرا دیا گیا اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور سنت کو عام کیا گیا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو الگ رکھ کر ان کو عام انسانوں کی طرح خاطی و عاصی تصور کر کے غیر معتبر قرار دیا جائے گا تو اسلام کی پوری عمارت ہی منہدم ہو جائے گی نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت معتبر رہے گی نہ قرآن اور اس کی تفسیر اور حدیث کا اعتبار باقی رہے گا کیونکہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ من جانب اللہ ہم کو عطاء کیا ہے وہ ہم تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی معرفت پہنچا ہے خود معلم انسانیت محمد عربی نے اپنے جاں نثار اطاعت شعار صحابہ کی تربیت فرمائی تھی۔ صحابہ کرام نے اوّل اوّل، زبان رسالت سے آیات اللہ کو ادا ہوتے سنا تھا اور کلام رسول کی سماعت کی تھی پھر دونوں کو دیانت و امانت کے ساتھ اسی لب و لہجہ اور مفہوم و معانی کے ساتھ محفوظ رکھا اور بحکم رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو دوسروں تک پہنچایا کیونکہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تبلیغ کا مکلف بنایا تھا.. بَلِّغُوْعَنِّي وَلَوْآيَةً (بخاری و مسلم) میری جانب سے لوگوں کو پہنچا دو اگرچہ ایک آیت ہی ہو۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان دربار نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو درسگاہ نبوت میں حاضری کا مکلف ایک خاص حکم کے ذریعہ بنایا تھا کہ ہر وقت ایک متعدبہ جماعت اللہ کے رسول کی خدمت میں اسلام سیکھنے کیلئے حاضر رہے اس لئے کہ کب کوئی آسمانی حکم اور شریعت کا کوئی قانون عطا کیا جائے، لہٰذا ایک

جماعت کی آپ کی خدمت میں حاضری لازمی تھی اور ان کو بھی حکم تھا کہ جو حضرات خدمت رسالت میں موجود نہیں ہیں ان تک ان نئے احکام اور آیات کو پہنچائیں۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (سورہ توبہ: ۱۲۲)

اور مسلمانوں کو نہیں چاہئے کہ سب کے سب چلے جائیں۔ تو کیوں نہ ہر فرقہ میں سے نکلی ایک جماعت جو مہارت و رسوخ حاصل کرتی دین میں اور تا کہ ڈرائیں اپنی قوم کو جب کہ وہ لوٹ کر آئیں ان کے پاس ہوسکتا ہے کہ وہ ڈریں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ صحابہ کرام سے محبت وعقیدت کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت نہیں ہوسکتی اور صحابہ کرام کی پیروی کئے بغیر آنحضور ﷺ کی پیروی کا تصور محال ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام نے جس انداز میں زندگی گزاری ہے وہ عین اسلام اور اتباع سنت ہے اور ان کے ایمان کے کمال وجمال، عقیدہ کی پختگی، اعمال کی صحت واچھائی اور صلاح وتقویٰ کی عمدگی کی سند خود رب العالمین نے ان کو عطا کی ہے اور معلم انسانیت ﷺ نے اپنے قول پاک سے اپنے جاں نثاروں کی تعریف وتوصیف اور ان کی پیروی کو ہدایت وسعادت قرار دیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی انسان تھے ان سے بھی بہت سے مواقع پر بشری تقاضوں کے تحت لغزشیں ہوئی ہیں لیکن لغزشوں، خطاؤں، گناہوں کو معاف کرنے والی ذات اللہ کی ہے اس نے صحابہ کرام کی اضطراری، اجتہادی خطاؤں کو صرف معاف ہی نہیں کیا بلکہ اس معافی نامہ کو قرآن کریم کی آیات میں نازل فرما کر قیامت تک کیلئے ان نفوس قدسیہ پر تنقید وتبصرہ اور جرح وتعدیل کا دروازہ بند کر دیا اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے ایمان کی صداقت اور اپنی پسندیدگی کی سند بھی بخشی ہے اس کے بعد بھی اگر کوئی فرد یا جماعت صحابہ کرام پر نقد وتبصرہ کی مرتکب ہوتی ہے تو اس کو علماء حق نے نفس پرست اور گمراہ قرار دیا ہے ایسے افراد اور جماعت

سے قطع تعلق ہی میں خیر اور ایمان کی حفاظت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت (خواہ کبار صحابہ ہوں یا صغار صحابہ) عدول ہے اس پر ہمارے ائمہ سلف اور علماء خلف کا یقین و ایمان ہے۔قرآن کریم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق آیات پر ایک نظر ڈالئے پھر ان کے مقام و مرتبہ کی بلندیوں کا اندازہ لگایئے اس کے بعد بھی اگر کسی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص کی جرأت کی ہے تو اس کی بدبختی پر کفِ افسوس ملئے

قرآن مجید میں مقام صحابہ

صحابہ کرام کے مقام اور ان کی حیثیت کو خود اللہ تعالی نے بیان فرمایا ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ صحابہ کرام اللہ کی منتخب کردہ ایک چنندہ جماعت ہیں، ان کی صفات کا تذکرہ گزشتہ نبیوں کی کتابوں میں بھی بیان کیا گیا ہے، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، اللہ نے صحابہ کرام کو جنت کی خوشخبری بھی سنادی:

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ

پھر وارث بنایا ہم نے کتاب کا ان لوگوں کو جن کا ہم نے اپنے بندوں میں سے انتخاب کیا..الخ۔"الکتاب" یعنی قرآن مجید کے پہلے وارث بالیقین صحابہ رسول ہیں، جن کے بارے میں آیتِ مبارکہ گواہی دیتی ہے، وہ اللہ کے منتخب بندے ہیں؛ پھر بعض مقامات پر ان منتخب بندوں کو سلامِ خداوندی سے بھی نوازا گیا، ارشاد ہے:

قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ آللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فرمادیجئے کہ تعریفات سب اللہ کے

لیے ہیں اور سلام ہو ان بندوں پر جن کو اللہ نے منتخب فرمایا۔

حضرت عبداللہ ابنِ عباس اور سفیان ثوری سے روایت ہے کہ اس آیت میں منتخب بندوں سے مراد "صحابہ رسول" ہیں۔(التفسیر المظہری:7/124)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں، تم انہیں دیکھو گے کہ کبھی رکوع میں ہیں، کبھی سجدے میں (غرض) اللہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں، ان کی علامتیں سجدہ کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ ہیں ان کے وہ اوصاف جو تورات میں مذکور ہیں...الخ۔(الفتح:29)

اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ اُن کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اس سے راضی ہیں اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہی بڑی زبردست کامیابی ہے۔(التوبہ:100)

اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت عطا فرمائی اور ایمان کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا، کفر وفسق (گناہِ کبیرہ) عصیان (گناہِ صغیرہ) سے تم کو نفرت عطا کی، ایسے ہی لوگ اللہ کے فضل وانعام سے راہِ راست پر ہیں۔(الحجرات:7)

ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کو اپنے فیضِ غیب سے مضبوطی عطا فرمائی۔(المجادلہ:22)

احادیث پاک میں صحابہ علیہم الرضوان کا مقام

زبانِ رسالت سے صحابہ کے چنندہ ہونے کی خوشخبری دی گئی، جن میں سے چند احادیث کا ترجمہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اخْتَارَ اَصْحَابِیْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ سِوَی النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ

وَقَالَ لِیْ اَصْحَابِیْ کُلُّھُمْ خَیْرٌ۔ (مجمع الزوائد: 10/16)

اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور رسولوں کے بعد ساری دنیا سے میرے صحابہ کو منتخب فرمایا اور فرمایا: میرے سب ہی صحابہ بھلائی والے ہیں۔

"اِنَّ اللّٰہَ اخْتَارَنِیْ وَاخْتَارَ لِیْ اَصْحَابِیْ الخ"۔

(الفتح الکبیر ح: 3224)

اللہ نے میرا انتخاب فرمایا اور میرے لیے میرے صحابہ کا انتخاب فرمایا۔

"خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ۔

(بخاری: ح ۲۶۴۸)

لوگوں میں بہترین میرے قرن والے ہیں؛ پھر وہ جوان کے بعد ہیں، پھر وہ جوان کے بعد ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے: "قرنی" سے مراد صحابہ ہیں، نیز بخاری میں باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (کتاب الفضائل 7/3) میں ہے: بُعِثْتُ فِیْ خَیْرِ الْقُرُوْنِ بَنِیْ آدَمَ۔ ابن آدم کے سب سے بہتر لوگوں کے درمیان مجھے بھیجا گیا ہے۔

اسی لیے حضرت ابن مسعود فرمایا کرتے تھے: صحابہ رسول اس امت کے سب سے افضل افراد تھے، جو دل کے اعتبار سے بہت نیک، علم کے لحاظ سے سب سے پختہ اور تکلفات کے اعتبار سے سب سے زیادہ دور رہنے والے تھے۔ (رزین، مشکوٰۃ: 1/32)

حافظ ابن عبدالبر نے "الاستیعاب" اور علامہ سفارینی نے "شرح الدرۃ المضیئہ" میں لکھا ہے کہ جمہورِ امت کی رائے کے مطابق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ہیں۔

(مقدمۃ الاستیعاب تحت الاصابۃ: 1/2)

صحابہ سے متعلق امت مسلمہ کو ہدایت

قرآن کریم میں اور احادیث میں صحابہ کرام کی مدح وثناء کی گئی اور ان کو جنت کی بشارت دی گئی اور اسی کے ساتھ امت کو ان کے ادب واحترام اور ان کی اقتداء کا حکم بھی دیا گیا ہے، ان میں سے کسی کو برا کہنے پر سخت وعید بھی فرمائی ہے، ان کی محبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت، ان سے بغض کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض قرار دیا گیا ہے، "خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ"۔

(مسلم: ح ۴۶۰۰)

میرے عہد کے مسلمان بہترین مسلمان ہیں پھر ان کے بعد آنے والے پھر ان کے بعد آنے والے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهُ۔

(مسلم: ح ۴۶۱۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کو برا نہ کہو؛ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرو تو وہ ان کے ایک مد بلکہ اس کے نصف خرچ کرنے کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

ایک اور روایت میں آپ نے ارشاد فرمایا:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللهَ اللهَ فِي أَصْحَابِي اللهَ اللهَ فِي أَصْحَابِي لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِي فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ وَمَنْ

أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللهَ وَمَنْ آذَى اللهَ يُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ۔

(ترمذی:ح ۳۷۹۷)

لوگو! میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے بعد ان کو نشانہ نہ بناؤ، جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے درحقیقت مجھ سے بغض رکھا، جس نے ان کو اذیت پہنچائی اس نے مجھ کو اذیت پہنچائی اور جس نے مجھ کو اذیت پہچائی اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی اور جس نے اللہ کو اذیت پہنچائی قریب ہے کہ اللہ تعالی اس کو پکڑ لے۔

سعید بن زید سے مروی ہے: خدا کی قسم ہے کہ صحابہ کرام میں کسی شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جہاد میں شریک ہونا جس میں اس کا چہرہ غبار آلود ہو جائے غیر صحابہ سے ہر شخص کی عمر بھر کی عبادت وعمل سے بہتر ہے اگر چہ اس کو عمر نوح (علیہ السلام) عطا ہو جائے

صحابہ کی تعداد

ابوزرعہ رازی کا قول ہے کہ آپ کی وفات کے وقت جن لوگوں نے آپ کو دیکھا اور آپ سے حدیث سنی ان کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی (تجرید:/3)

جن میں مرد اور عورت دونوں شامل تھے اور ان میں ہر ایک نے آپ سے روایت کی تھی (مقدمہ اصابہ:3)

ابن فتحون نے ذیل استیعاب میں اس قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ ابوزرعہ نے یہ تعداد صرف ان لوگوں کی بتائی ہے جو رواۃ حدیث میں تھے، لیکن ان کے علاوہ صحابہؓ کی جو تعداد ہوگی وہ اس سے کہیں زیادہ ہوگی (مقدمہ اصابہ:3)

بہر حال اکابر صحابہ کے نام ان کی تعداد اور ان کے حالات تو ہم کو صحیح طور پر معلوم ہیں، لیکن ان کے علاوہ ہم اور صحابہ کی صحیح تعداد نہیں بتا سکتے، اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ خود صحابہ کے زمانہ میں مشاغل دینیہ نے صحابہ کو یہ موقع نہ دیا کہ وہ اپنی تعداد کو محفوظ رکھیں (مقدمہ اسد الغابہ:3)

اس کے علاوہ اکثر صحابہ صحرانشین بدوی تھے، اس لیے ایسی حالت میں ان کا گمنام رہنا ضروری تھا۔ (مقدمہ اصابہ:4)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر نبی کو اس کی امت میں سے سات نقیب دیئے گئے تھے اور مجھے چودہ (۱۴) دیئے گئے ہیں جو یہ ہیں: (۱) علی المرتضی (۲) حضرت امام حسن (۳) حضرت امام حسین (۴) حضرت جعفر (۵) حضرت حمزہ (۶) حضرت ابوبکر صدیق (۷) حضرت عمر فاروق (۸) حضرت مصعب بن عمیر (۹) حضرت بلال (۱۰) حضرت سلمان فارسی (۱۱) حضرت عمار (۱۲) حضرت عبداللہ بن مسعود (۱۳) حضرت مقداد (۱۴) حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم (ترمذی، مستدرک عن علی بن ابی طالب)

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا زمانہ

صحابہ کرام کا مبارک زمانہ ابتدائے بعثت سے شروع ہو کر پہلی صدی کے آخر تک ختم ہو گیا اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معجزانہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةٍ لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ۔ (بخاری:۵۶۶)

جو لوگ آج روئے زمین پر موجود ہیں ان میں سے سو سال کے بعد کوئی باقی نہ رہے گا۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سیرت کا مطالعہ

صحابہ کرام عین دین کی بنیاد ہیں، دین کے اول پھیلانے والے ہیں، انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دین حاصل کیا اور ہم لوگوں تک پہنچایا، یہ وہ مبارک جماعت ہے کہ جس کو اللہ جل شانہ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت کے لیے چنا اور اس بات کی مستحق ہے کہ اس مبارک جماعت کو نمونہ بنا کر اس کا اتباع کیا جائے۔ عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے تھے جسے دین کی راہ اختیار کرنی ہے تو ان کی راہ اختیار کرے جو اس دنیا سے گزر چکے ہیں اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ہیں جو اس امت کا افضل ترین طبقہ ہے، قلوب ان کے پاک تھے، علم ان کا گہرا تھا، تکلف اور بناوٹ ان کے اندر نہیں تھی، اللہ جل شانہ نے انھیں اپنے نبی کی صحبت اور دین کی اشاعت کے لیے چنا تھا، اس لیے ان کی فضیلت کو پہچانو ان کے نقش قدم پر چلو اور طاقت بھر ان کے اخلاق اور ان کی سیرتوں کو مضبوط پکڑو، اس لیے کے وہی ہدایت کے راستے ہیں۔ (مشکوٰۃ: ح ۱۹۳)

انسان کے فرائض میں سب سے مقدم اور سب سے اہم فرض یہ ہے کہ اخلاق انسانی کی اصلاح کی جائے، علم اور فن، تہذیب وتمدن، صنعت وحرفت تمام چیزیں دنیا میں آئیں اور آتی رہیں گی؛ لیکن انسانیت کو تہذیب سے آراستہ کرنا بہت ضروری تھا اس لیے دنیا میں جب سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو بھیجا گیا تو اسی ذمہ داری کے ساتھ بھیجا گیا پھر ان کے بعد آنے والے بڑے بڑے پیغمبر اسی سلسلے کو یعنی تہذیب نفوس کو آگے بڑھاتے رہے اس کے بعد سب سے آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کمالات کا مجموعہ بنا کر بھیجا گیا اور پھر اعلان کر دیا گیا کہ

: اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (المائدہ:3)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا، تم پر

اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کرلیا۔

اب انسانوں کے اخلاق سدھارنے کے لیے قیامت تک کوئی نیا نبی آنے والانہیں ہے، اگر کوئی انسان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا مطالعہ کرنا چاہے یا آپ کی تربیت کا انداز دیکھنا چاہے، آپ کے اقوال وافعال اور اعمال کا نمونہ دیکھنا چاہےتو وہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت ہے، صحابہ کرام کی زندگیوں کا مطالعہ ایمانی کیفیت کو بڑھاتا ہے، زندگی کے اصول سکھاتا ہے، عقائد، عبادات، معاشرت اور معاملات انسان کے درست ہوتے ہیں، سنت اور بدعت کی پہچان ہوتی ہے۔ اس زمانے کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ صحابہ کرام کی مقدس زندگی کو دنیا کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے جس سے لوگوں میں شوق عمل پیدا ہو اور اس مثال کو پیش نظر رکھ کر لوگ خود بخود اپنے عقائد واعمال کی طرف مائل ہوں۔ (ترمذی)

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کو پہچاننے کے لیے حضرات صحابہ ہی کی زندگی معیار ہوسکتی ہے کیونکہ یہی وہ مقدس جماعت ہے جس نے براہ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کیا اور آپ کی نبوت کی روشنی بغیر کسی پردہ اور بغیر کسی واسطے کے صحابہ کرام پر پڑی ان میں جو ایمان کی حرارت اور نورانی کیفیت تھی وہ بعد والوں کو میسر آنا ممکن نہ تھی، اس لیے قرآن کریم نے صحابہ کرام کی پوری جماعت کی تقدیس وتعریف فرمائی ہے اور جماعت صحابہ کو مجموعی طور پر" رضی اللہ عنہم ورضوعنہ" فرمایا یعنی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، صحابہ کرام راستہ پانے والے اور راستہ دکھانے والے ہیں،

جماعت صحابہ میں کسی ایک کی بھی تنقیص وتحقیر پوری جماعت صحابہ کی تنقیص وتحقیر ہے کیونکہ یہ صحبت نبوت کی تنقیص وتحقیر ہے اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ان کو میرے بعد ہدف ملامت نا بنالینا۔ پس جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی۔ اور جس نے ان سے

بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا

صحابہ کرام علیہم الرضوان سراپا ادب اور پیکر تقویٰ

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ۔

(سورہ الحجرات: ۳)

بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے خالص کر دیا ہے ان لوگوں کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا کفر و فسق سے محفوظ رہنا

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ

(سورہ الحجرات: ۷)

اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اگر بہت سے کاموں میں تمہاری بات مان لیا کریں تو تم پر مشکل پڑے لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کی (تحصیل) کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر و فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دیدی ایسے ہی لوگ اللہ کے فضل اور انعام سے راہ راست پر ہیں۔

صحابہ کرام علیہ الرضوان عبادت کے خوگر اور رحمدل تھے

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ

وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (سورہ فتح:۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اور اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں ان کی (عبدیت) کے آثار سجدوں کی تاثیر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔

قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں اس کی تصریحات ہیں جن میں چند آیات اسی سورہ میں آچکی ہیں:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ، اور، اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا،

انکے علاوہ بہت سی آیات میں یہ مضمون مذکور ہے:

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ

اور سورہ حدید میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا ہے:

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی

یعنی ان سب سے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ کا وعدہ کیا ہے پھر سورہ انبیاء میں حسنیٰ کے متعلق فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اولٰئک عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ یعنی جن لوگوں کیلئے ہماری طرف سے حسنیٰ کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے وہ جہنم کی آگ سے دور رکھے جائیں گے۔

ہر مشکل کا حل اتباع صحابہ

آج ہم مسلمانوں کو عالمگیر سطح پر مشکلات کا سامنا ہے ہر محاذ پر ناکامی اور پسپائی ہے دشمنان اسلام متحد اور اسلام کو مٹانے پر متفق ہیں مسلمانوں پر طرح طرح سے الزامات اور بہتان تراشی ہو رہی، پوری دنیا میں اسلام کی شبیہ کو خراب کرنے اور مسلمانوں کو بدنام کرنے

میں میڈیا سرگرم ہے یورپ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی لہر چل رہی ہے ہم ایک خطرناک اور نازک دور سے گذر رہے ہیں ان حالات میں صحابہ کرام کی مثالی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے ان پاکیزہ نفوس کو بھی ان حالات کا سامنا تھا بلکہ بعض اعتبار سے آج کے حالات سے زیادہ خطرناک صورتِ حال تھی مکہ میں ابتلاء وآزمائش کے شدید دور سے گذرتے تھے تعداد بھی کم تھی اور وسائل بھی نہیں، حدیبیہ میں یہودیوں اور منافقوں کی فتنہ انگیزیاں اور سازشیں تھیں، مشرکین مکہ کے حملے اور یہودی قبائل سے لڑائیاں تھیں پھر دائرہ وسیع ہوا تو قیصر روم اور کسریٰ کے خطرناک عزائم تھے ان سب حالات کا مقابلہ صحابہ کرام نے جس حکمت عملی اور صبر واستقامت سے کیا وہی تاریخ ہم کو دہرانی پڑے گی، اس لئے ضروری ہے کہ ہم سیرتِ صحابہ کا مطالعہ کریں ان کو اپنا رہنما ومقتدا جان کر اِس محبت وعقیدت سے ان کی پیروی کریں کہ ان کا ہر عمل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ ہے صحابہ ہمارے لئے معیار حق اور مشعل راہ ہیں ان کی شان میں کسی قسم کی گستاخی گوارہ نہیں ان کی عظمت شان کی بلندیوں تک کسی کی رسائی نہیں عصر حاضر میں ان حضرات کی پیروی گذشتہ صدیوں کے مقابلہ میں زیادہ ضروری اور اہم ہے اور کامیابی کا تصور اس کے بغیر ممکن نہیں۔

ہر مسلمان کو اپنے دل ودماغ میں یہ بات راسخ کر لینی چاہیے کہ نبی اکرمؐ کی ذاتِ اقدس اصلِ دین اور آپؐ سے محبت شرطِ ایمان ہے۔ جس دل میں آپؐ کی محبت نہیں، وہ ویران ہے۔ مطالع المسرات میں ہے کہ حضورؐ سے محبت، رب العزت سے محبت کے لیے شرط اول ہے۔ ہر ذی شعور انسان پر یہ بات عیاں ہے کہ جب تک مسلمانوں کے دلوں میں محبت رسولؐ کا غلبہ رہا، تب تک عزت وتمکنت اور فتح وعروج ان کا مقدر رہی اور سرکش اقوام ان کے زیر نگیں رہیں۔ لیکن جب یہ تعلق اور رشتہ کمزور ہوا تو مسلمانوں کا عروج، زوال میں تبدیل ہو گیا۔ حتیٰ کہ آج مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، جس نے میری محبت کا دعویٰ کیا اسے چاہیے کہ وہ آپؐ کی اتباع کرے۔ رسول اکرمؐ کے جاں نثاروں کا عمل یہی رہا ہے۔

نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔'' (صحیح البخاری)

ایک بار رسول اکرمؐ کی خدمت میں کسی صحابیؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں سچا مومن کب بنوں گا؟''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تو جب اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا''

اُس نے عرض کیا ''میرے آقا! میری محبت اللہ تعالیٰ سے کب ہوگی؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب تو اس کے رسولؐ سے محبت کرے گا'' صحابی نے عرض کیا ''اللہ تعالیٰ کے رسولؐ سے میری محبت کب ہوگی؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب تو ان کے طریقے پر چلے گا، اور ان کی سنت کی پیروی کرے گا، اور ان سے محبت کرنے والوں کے ساتھ محبت کرے گا اور ان سے بغض رکھنے والوں کے ساتھ بغض رکھے گا، اور کسی سے محبت کرے تو ان کی وجہ سے کرے، اور اگر کسی سے عداوت رکھے تو ان کی وجہ سے رکھے۔''

خاکپائے درچشت

علامہ مفتی محمد فیاض چشتی

فاضل درس نظامی

03016344608

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام:۔ ''آپ کا نام: عبد للہ، کنیت: ابو عبد الرحمان، والد کا نام: مسعود اور والدہ کا نام ام عبد تھا
شجرہ نسب:۔ عبداللہ بن مسعود بن غال بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن مسابلہ بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن نہدیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔
کنیت:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو عبد الرحمن ہے۔
آپ کا نسب ہذیل بن مدرکہ بن الیاس کے ساتھ مل جاتا ہے۔ان کی والدہ کا نام ام عبد بنت عبدود بن سواء ہذیل ہے۔یہ مشرف باسلام ہوئیں اور ہجرت کی سعادت حاصل کی۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قدیم الاسلام تھے یہ اس وقت اسلام لائے جب سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم شرف باسلام ہوئے تھے۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہنوز اسلام نہ لائے تھے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرمایا کرتے تھے۔
''میں چھٹا مسلمان تھا، ہمارے سوا روئے زمین پر اور کوئی مسلمان نہ تھا''۔

آپ نے پہلے حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت فرمائی۔رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں غزوات بدر واحد، خندق، بیعت الرضوان اور دیگر لڑائیوں میں شرکت کی۔وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تھے جس نے غزوۂ بدر میں ابو جہل پر حملہ کر کے اس کا سر کاٹ لیا تھا۔آپ نے غزوۂ یرموک میں بھی شرکت کی سعادت حاصل کی۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں کی حفاظت کا شرف ان کے حصے میں آیا تھا۔جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوتے پہناتے، جب بیٹھ جاتے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں کو بغل میں دبائے رکھتے۔یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے یہاں بڑی کثرت سے آیا جایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی یمن سے آئے اور کچھ عرصہ قیام کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی والدہ اس کثرت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں جایا کرتے تھے کہ ہم ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں شمار کرنے لگے۔ (بخاری ومسلم)

اسلام میں سبقت کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کو جو دل بستگی تھی اس کی بنا پر ان کا شمار کبار اور فضلاء فقہاء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہوتا تھا۔ قرآن کریم اور حدیث وفتویٰ میں یہ دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فائق تھے۔ حتیٰ کہ خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جامع علوم قرآنیہ ہونے کی شہادت دی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کریم چار صحابہ سیکھو، یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور معاذ بن جبل اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے۔ (بخاری ومسلم)

نعمت خداوندی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

''اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کتاب اللہ کی کوئی سورت ایسی نہیں جس کے بارے میں مجھے معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں اتری اور کس ضمن میں اتری، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی مجھ سے بڑھ کر قرآن کا کوئی عالم موجود ہے اور اونٹ وہاں تک پہنچا سکتا تو میں سوار ہو کر اس کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ (صحیح مسلم)

کبار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم وفضل کا اعتراف کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر نے اہل کوفہ کے نام ایک خط لکھا:

میں نے عمار کو تمہارا امیر اور عبداللہ بن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ دونوں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چیدہ اصحاب اور اہل بدر میں سے ہیں۔ ان کی پیروی

کیجیے۔عبداللہ کوتمہاری طرف بھیج کرمیں نے تمہیں اپنی ذات پرترجیح دی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت وفضیلت کے اثبات میں حضرت عمر سے بڑھ کراور کس کی شہادت ہوسکتی ہے۔خصوصاً آپ کا یہ قول کہ ''تم کواپنی ذات پرترجیح دی'' قابل غور ہے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ شخص ہیں جب کے قلب وزبان پر اللہ نے حق کو جاری کردیا تھا۔وہ جب کسی رائے کا اظہار کرتے تواس کی تائید میں قرآنی آیات نازل ہوجاتیں۔صاحب فضیلت کا قدرشناس وہی ہوسکتا ہے جوخود بھی فضیلت کا حامل ہو جب ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات پائی توحضرت ابودرداء نے کہا:

''ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا جوان جیسا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے شمار لوگوں نے حدیثیں روایت کیں ،صحابہ میں سے مندجہ ذیل کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ابو موسیٰ اشعری،عمران بن حصین،ابن عباس،ابن عمر،جابر،انس،ابن زبیر،ابوسعید خدری،ابو ہریرہ،ابورافع ،رضوان اللہ علیہم اجمعین ۔تابعین میں سے علقمہ،ابووائل،اسود،مسروق،عبیدہ،قیس بن ابی حازم،رحمہم اللہ علیہم اور دیگر اکابر نے استفادہ کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آٹھ سواڑتالیس احادیث منقول ہیں۔بخاری ومسلم نے چونسٹھ احادیث بالاتفاق روایت کیں ہیں۔بخاری اکیس احادیث کے روایت کرنے میں منفرد ہیں اور مسلم نے پینتیس احادیث روایت کیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن صفات سے متصف تھے مثلاً قدامت اسلام اور طویل صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ مذکورہ صدر احادیث سے زیادہ احادیث روایت کرتے۔انہوں نے تمام عصر نبوت کوبچشم خود دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے بھرپور استفادہ کیا۔وہ حدیثیں یادکرنے کے حریص بھی تھے اس کے ساتھ ساتھ ان کا حافظہ بھی بہت قوی تھا۔دنیوی سازوسامان سے انہیں چنداں دلچسپی نہ تھی۔مگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ بہت کم عرصہ تک زندہ رہے اور جس

طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حدیثوں کی اشاعت کے لئے طویل مدت ملی تھی ان کو نہ مل سکی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۳۲ھ میں ایک قول کے مطابق کوفہ اور دوسرے قول کے مطابق مدینہ میں بعمر ساٹھ سال سے کچھ زائد وفات پائی

حضرت عبداللہ بن مسعود اُن خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جن کا شمار السابقون الاولون میں ہوتا ہے اور ان کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ آپ اُن چھ لوگوں میں سے ایک ہیں جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دارارقم میں داخل ہونے سے پہلے ایمان لا چکے تھے، یہ سعادت بھی انہی کو حاصل ہے کہ آپ کا شمار عبادلہ اربعہ میں سے ہیں جن کا قرآن کریم اور حدیث رسول کی خدمات کے حوالے سے ایک خاص مقام ہے یہ وہ جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ وہ ہیں جن کو افقہ الصحابہ کے نام سے تاریخ اسلام کے اندر رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا علم وفضل کی گہرائی اور فقہ پر دسترس کا یہ عالم تھا کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دور کے فقہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک مختصر فہرست بھی بنائی جائے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کسی بھی صورت میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

میں ان کو ہمیشہ دوست رکھتا ہوں

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: کہ وہ تو ایسے شخص ہیں جن کو میں ہمیشہ دوست رکھتا ہوں۔ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قرآن مجید چار آدمیوں سے سیکھو۔ عبداللہ بن مسعود سے پہلے انہوں نے ان کا نام لیا سالم مولیٰ ابو حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے۔ راوی کا بیان ہے مجھے یاد نہیں رہا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا نام پہلے لیا یا معاذ بن جبل رضی

اللہ عنہ کا نام پہلے لیا

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک تعارف

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا شمار ان صحابہ کرام میں ہوتا ہے جنہیں ابتدائے دعوت ہی کے دوران قبول اسلام کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ان کے والد زمانہ جاہلیت میں وفات پا چکے تھے جبکہ والدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا زمانہ پایا اور مشرف باسلام ہوئیں۔

عرب کے ریگزاروں سے جب حق کی روشنی پھوٹی تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس پکار پر سب سے پہلے لبیک کہنے والوں میں سے تھے۔دعوت حق قبول کرنے کے بعد ان کی زندگی دین کے لیے وقف ہوگئی۔قبول اسلام کے بعد وہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ علی آلہ وسلم کے ساتھ رہے۔قربت نبوی کا عالم یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی مسواک اور نعلین مبارک ان کے پاس رکھے ہوا کرتے تھے۔

قرآن مجید کی تفسیر ان کا خاص میدان تھی جس میں انہیں اس قدر ملکہ حاصل تھا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے ان سے قرآن سیکھنے کی ہدایت کی اور ایک موقعہ پر فرمائش کر کے ان سے قرآن سنا۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ کہتے ہیں" میں نے جب سے نبی صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوا سنا ہے کہ چار اشخاص سے قرآن سیکھو، (اور وہ چار آدمی یہ ہیں) عبداللہ بن مسعود، سالم، معاذ اور ابی بن کعب (رضی اللہ عنہم)۔تب سے میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہوں"۔

کیا ہی عظیم مقام ہے۔کسی مفسر کا تزکیہ دوسرے علماء کرتے ہیں،کوئی اپنی سند اور سرٹیفکیٹ کی وجہ سے عالم سمجھا جاتا ہے لیکن اس صحابی کا مقام کتنا بلند ہوگا جس کی قرآن فہمی کی

گواہی خود زبان رسالت نے دی ہے۔عبداللہ رضی اللہ عنہ خود بھی تحدیث نعمت کے طور پر اس کا اظہار کیا کرتے تھے۔صحیح البخاری میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے کہ" اللہ کی قسم! نبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے صحابہ جانتے ہیں کہ میں ان میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والا ہوں،(پھر انکساراً فرمایا کہ) میں ان سے بہتر نہیں ہوں"

حضرت عبداللہ بن مسعود اور علم قرآن

ایک دفعہ اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:" اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے! کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق میں نہ جانتا ہوں کہ وہ کہاں نازل ہوئی اور کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق میں نہ جانتا ہوں کہ وہ کس بارے میں نازل ہوئی اور اگر مجھے کسی ایسے شخص کا پتہ ہوتا جو کتاب اللہ کا مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے تو میں اس تک ضرور پہنچتا بشرطیکہ اونٹ (سواری) وہاں تک جا سکتی ہو"

قرآن وسنت کا علم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر ختم ہو جاتا ہے

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:" قرآن اور سنت کا علم اس شخص پر ختم ہو جاتا ہے"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان تین صحابہ میں سے تھے جن کا فتویٰ ان کے شاگردوں اور حلقہ تدریس کے ذریعے عام ہو کر فوراً لوگوں کی زندگیوں میں جاری وساری ہو جایا کرتا تھا۔باقی دو صحابی زید بن ثابت اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔

کتب تفاسیر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اس میں بہت کچھ بعد والوں نے ان سے منسوب کر دیا تھا جس میں صحیح ،ضعیف،مقبول،مردود ہر قسم کی روایات پائی جاتی ہیں۔اس امت پر اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک احسان یہ ہے کہ

اس نے ائمہ حدیث کی صورت میں ہر زمانے میں ایسے لوگ کھڑے کیئے جنہوں نے صحیح کو ضعیف سے اور مقبول کو مردود سے الگ کر دکھایا چنانچہ ملاوٹ کرنے والے نامراد ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس علم کی حفاظت فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

من کان مستنًا فلیستن بمن قدمات فان الحی لاتئومن علیه الفتنة اولائك اصحاب محمدٍ کانو اعمقها علمًا وابرّها قلوبًا واقلّها تکلّفًا اختار هم الله لصحبة نبیّه ولاقامة دینه فاعرفو لهم فضلهم واتّبعو علی اثرهم وتمسکو بما استطعتم من اخلاقهم وسیرهم اولائك کانو علی هدًی مستقیم

آپ میں سے جو لوگ کسی کی تابعداری کرنا چاہتے ہیں تو وہ اُن لوگوں کی تابعداری کریں جو فوت ہو چکے ہیں اس لیے کہ زندہ لوگ فتنوں سے محفوظ نہیں ہوتے ہیں اور یہ وہ لوگ جو رسول اللہ کے صحابہ تھے یہ لوگ گہرا علم رکھنے والے تھے اُن کے دل صاف تھے اور وہ تکلف کم کرتے تھے اُن کو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کے لیے اور اقامت دین کے لیے چُنا تھا، آپ ان لوگوں کی فضیلت کو سمجھ لیں اور ان کے نقش قدم پر چلیں اور جس قدر ہو سکے اُن کی سیرت اور اخلاق کو مضبوطی سے تھام لیں کیونکہ وہ لوگ ہدایت یافتہ، صراط مستقیم پر تھے۔

اور اگر فقہ حنفی کی بات کی جائے تو ان کے لیے بھی ایک اعزاز ہے کہ فقہ حنفی کی تعلیمات اور روایات کا مرجع ومنبع جناب حضرت عبداللہ بن مسعود (رض) کی ذات گرامی ہے ان کی علمی خدمات کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی (رض) کوفہ کی

ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ کچھ عورتوں کو مسائل پر گفتگو کرتے سنا تو فرمایا۔

رحم اللہ ابن مسعود ملأ الکوفۃ بالعلم

''اللہ تعالیٰ ابن مسعود پر رحم فرمائے، انہوں نے کوفہ کو علم سے بھر دیا ہے،،

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت تھی جو ان کے شاگردوں علقمہ اور ابراہیم نخعی کے ذریعے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہا اللہ تعالیٰ تک پہنچی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا میں پھیل گی اور مسلم دنیا کی ایک بہت بڑی تعداد فقہ حنفی سے وابستہ ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کی یہ عظیم الشان اور شاہکار فقہی بصیرت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرہون منت ہے۔

ایام جاہلیت میں جب آپ رضی اللہ عنہ ابھی بچے تھے تو عموما بھیڑ بکریاں چرا کر گزر بسر کرتے تھے یہ کام کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے اُس وقت اُمراء اور شرفاء کے بچے بھی یہ کام کرتے تھے۔ گویا اُس زمانے میں سادگی، جفاکشی، محنت اور راست بازی کا عملی درس دیا جاتا تھا۔ مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب کئی خداؤں کو ماننے والوں کو ایک خدا کو ماننے کی دعوت دی تو اُس وقت وہ ایک کم سن اور قریب البلوغ لڑکے تھے۔ وہ روزانہ مکہ کے ایک رئیس عقبہ ابن معیط کی بکریوں کو لے کر انہیں چرانے کے لیے انسانی آبادی سے دور مکہ کی پہاڑیوں اور وادیوں کی طرف نکل جایا کرتے تھے دلچسپ بات یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بکریاں چرانا اُن کے نور اسلام سے مشرف ہونے کا ذریعہ بنا۔ اپنے ایمان لانے کا واقعہ وہ اپنی زبانی بیان کرتے ہیں۔

ایک روز عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دور فاصلے پر اُدھیڑ عمر کے دو آدمیوں کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا جو تکان سے چور اور تھکاوٹ سے نڈھال ہونے کی وجہ سے بہت آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور شدت تشنگی کے مارے ان کے ہونٹ اور حلق سوکھ کر کانٹا ہو

رہے تھے۔ وہ دونوں اس کے قریب پہنچ کر رکے۔ اسے سلام کیا اور بولے:

''لڑکے! ہمارے لیے ان بکریوں کا دودھ دوھو! جس سے ہم اپنی پیاس بجھا سکیں اور اپنی رگوں کو تر کر سکیں۔''

''میں ایسا کرنے سے معذور ہوں۔ میں ان بکریوں کا دودھ آپ کو نہیں پیش کر سکتا کیونکہ یہ میری نہیں ہیں بلکہ میری امانت میں ہیں۔ میں ان کا مالک نہیں' امین ہوں۔''

لڑکے کا جواب سن کر ان دونوں نے کسی قسم کی ناگواری یا ناراضگی کا اظہار نہیں کیا بلکہ ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انھوں نے اس جواب کو پسند کیا ہے۔ پھر ان میں سے ایک آدمی نے کہا: ''اچھا کسی ایسی بکری کی نشاندہی کرو جس نے کبھی بچہ نہ دیا ہو'' لڑکے نے اپنے قریب ہی کھڑی ایک چھوٹی سی بکری کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ آدمی اس کے قریب گیا۔ اسے پکڑا اور اللہ کا نام لے کر اس کے تھن پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ لڑکے نے حیرت کے ساتھ دیکھا اور اپنے دل میں کہا کہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایسی بکریاں جو کبھی گابھن نہ ہوئی ہوں' دودھ دینے لگیں لیکن دیکھتے ہی دیکھتے بکری کا تھن پھول کر بڑا ہو گیا اور اس میں تیزی کے ساتھ دودھ بہنے لگا۔ دوسرے آدمی نے زمین پر پڑا ہوا ایک پیالہ نما گہرا سا پتھر اٹھا کر اسے دودھ سے بھر لیا پھر اس دودھ کو ان دونوں نے پیا اور لڑکے کو بھی پلایا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اپنی آنکھوں کے سامنے پیش آنے والے اس واقعے پر مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ جب ہم سب لوگ اچھی طرح آسودہ ہو گئے تو اس بابرکت شخص نے بکری کے تھن سے کہا ''سکڑ جا'' اور وہ سکڑتے سکڑتے اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ اس وقت میں نے اس بابرکت شخص سے کہا:

''وہ کلمات جو آپ نے ابھی کہے تھے' ان میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیجیے۔'' تو اس نے کہا:

اَنْتَ غُلَامٌ، مُعَلَّمٌ

''تم ایک سکھائے پڑھائے لڑکے ہو۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ تم ان قیدیوں کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کہ یہ لوگ آپ کی قوم اور خاندان کے ہیں ان کو معاف فرما کر نرمی کا معاملہ فرمائیں شاید اللہ تعالیٰ ان کو شرک سے توبہ کی توفیق عطائے فرمائے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا اور تنگ کیا ہے آپ ان کی گردنیں اڑا دیں۔ پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے رائے پیش کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ گھنے درختوں والا جنگل تلاش کریں اور ان کو اس میں داخل کر کے آگ لگا دیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کی رائے سنی مگر کوئی فیصلہ نہ فرمایا اور اپنے خیمے میں تشریف لے گئے ،لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے کہ اب دیکھیں کس کی رائے پر عمل ہوتا ہے،تھوڑی دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیمے سے باہر تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے دلوں کو اتنا نرم فرما دیتے ہیں کہ وہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض لوگوں کے دل کو اتنا سخت کر دیتے ہیں کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔

اور اے ابو بکر رضی اللہ عنہ تمہاری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا۔

﴿فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم

پھر جو شخص میری راہ پر چلے گا وہ تو میرا ہی ہے اور جو شخص میرا کہنا نہ مانے سو آپ تو کثیر المغفرت، کثیر الرحمۃ ہیں۔

اور اے ابوبکر رضی اللہ عنہ تمہاری مثال حضرت عیسیٰ جیسی ہے انہوں نے فرمایا تھا۔

ان تعذبھم فانک عبادک وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم

اگر تو ان کو سزا دیں تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو معاف فرما دیں تو آپ زبردست حکمت والے ہیں۔

اور اے عمر رضی اللہ عنہ تمہاری مثال حضرت نوح علیہ السلام جیسی ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا۔

رب لاتذر علی الارض من الکافرین دیارا

اے رب! میں پر منکروں کا ایک بھی گھر بسنے والا نہ چھوڑیے۔

اور اے عمر رضی اللہ عنہ تمہاری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا۔

ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم فلا یومنوحتی یرو العذاب العلیم

اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست ونابود کر دیجیے اور ان کے دلوں کو زیادہ سخت کر دیجیے سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ عذاب الیم کے مستحق ہو کر اس کو دیکھ لیں۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چونکہ تم ضرورت مند ہو اس وجہ سے قیدیوں میں سے ہر قیدی یا تو فدیہ دے گا یا پھر اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس حکم کی تعمیل سے سہل بن بیضا کو مستثنیٰ قرار دیا جائے کیونکہ میں نے ان کو اسلام کا بھلائی کے ساتھ تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے حضرت عبداللہ بن مسعود

رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن جتنا مجھے اپنے اوپر آسمان سے پتھروں کے برسنے کا ڈر لگا اتنا مجھے کبھی نہیں لگا آخر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما ہی دیا کہ سہل بن بیضا کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے ماکان لنبی ان یکون لہ اسریٰ سے لے کر دو آیتیں نازل فرمائیں۔

انھوں نے مدرسہ رسول سے علوم قرآن کا درس لیا۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سب سے بڑے قاری اس کے معانی کے سب سے بڑے رمز شناس اور شریعت الٰہی کے سب سے بڑے نکتہ داں تھے۔ ایک بار جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان عرفات میں وقوف فرما ہوئے تھے ایک شخص نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''امیر المومنین! میں کوفہ سے آیا ہوں۔ میں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جو قرآن میں دیکھے بغیر زبانی اس کی املائی کراتا ہے۔'' یہ سن کر انھوں نے خشمگیں لہجے میں پوچھا:

''تیرا برا ہو کون ہے وہ شخص؟''

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔'' اس نے ڈرتے ہوئے کہا۔

یہ سن کر بتدریج ان کے غصے کا اثر زائل ہونے لگا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی معمول کی حالت پر آ گئے۔ پھر انھوں نے فرمایا:

''بخدا میں نہیں جانتا کہ ان سے زیادہ کوئی دوسرا شخص بھی اس کا حق دار ہے۔ اس کے متعلق میں تم سے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں:

''ایک رات کا ذکر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں تشریف فرما تھے۔ وہ دونوں حضرات مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے۔ اس مجلس میں میں بھی موجود تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے نکلے۔ ہم لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ کوئی شخص مسجد میں کھڑا

نماز پڑھ رہا ہے۔ ہم اسے پہچان نہ سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر کھڑے ہو کر اس کی قرأت سنتے رہے پھر ہماری طرف مڑتے ہوئے بولے:

(من سرہ ان یقرأ القرآن رطبا کما نزل فلیقرأہ علی قرأۃ ابن ام عبد)

''جو شخص قرآن کو اس طرح پڑھنا چاہے جیسا کہ وہ نازل ہوا ہے تو اسے چاہیے کہ ابن ام عبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت کے مطابق اسے پڑھے۔''

پھر جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھ کر دعا مانگنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے جاتے:

(سل تعطہ' سل تعطہ) (الحدیث)

''مانگو دیا جائے گا' مانگو دیا جائے گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ''پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ بخدا! میں صبح سویرے ان کے پاس جا کر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی دعا پر آمین کہنا، اس کی خوشخبری سناؤں گا اور جب سویرے ان کو خوشخبری دینے کے ارادے سے ان کے یہاں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے پہلے ان کو یہ خوشخبری دے چکے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے جب بھی کسی خیر میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسابقت کی کوشش کی' ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیشہ مجھے پیچھے چھوڑ دیا۔''

کتاب اللہ کے علم میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام اتنا بلند تھا کہ وہ خود فرماتے ہیں:

''قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں' قرآن کریم کی جو آیت بھی نازل ہوئی اس کے بارے میں مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ کہاں اور کس کے متعلق نازل ہوئی۔ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ اس کے متعلق کوئی شخص مجھ سے زیادہ علم

رکھتا ہے اور اس کے پاس پہنچنا ممکن ہو تو میں وہاں پہنچ کر اس کے علم سے ضرور استفادہ کروں گا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے متعلق جو کچھ فرمایا۔ اس میں ذرہ برابر مبالغہ سے کام نہیں لیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ اپنے ایک سفر کے دوران ایک قافلے سے ملتے ہیں رات اندھیری ہے۔ اس نے پورے قافلے کو تاریکی کے پردے میں چھپا رکھا ہے۔ اس قافلے میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شخص سے کہتے ہیں کہ پوچھو۔

"آپ لوگ کہاں سے آ رہے ہیں؟"

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "فج عمیق سے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "اور کہاں کا ارادہ ہے۔"

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "بیت عتیق کا۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اس قافلے میں کوئی صاحب علم ہے اور انھوں نے اپنے آدمی سے کہا پوچھو۔

"قرآن کا کون سا حصہ سب سے عظیم ہے؟"

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ

"اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہ نہ سوتا ہے نہ اسے اونگھ لگتی ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "قرآن کا کون سا حصہ سب سے زیادہ محکم ہے؟"

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى

''اللہ تعالیٰ عدل و احسان اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ''قرآن کا کون سا ٹکڑا سب سے جامع ہے؟''

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَه، ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَه

''پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ''قرآن کا کون سا حصہ سب سے زیادہ خوفناک ہے؟''

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ ط مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءً ا يُّجْزَبِه لا وَلَا يَجِدْ لَه، مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا

''انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر جو بھی برائی کرے گا اس کا پھل پائے گا اور اللہ کے مقابلے میں اپنے لیے کوئی حامی و مددگار نہ پا سکے گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ''قرآن کا کون سا حصہ سب سے زیادہ امید افزا ہے؟''

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ط إِنَّه، هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ تو غفور و رحیم ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ان سے پوچھو کہ ''کیا تم میں عبداللہ بن مسعود ہیں؟'' تو قافلہ والوں نے جواب دیا کہ ''ہاں۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف عالم و قاری اور عابد و زاہد ہی نہیں تھے بلکہ وہ بڑے ہمتی، نہایت دور اندیش اور زبردست مجاہد اور میدان کارزار میں پیکر جرأت و شجاعت بھی تھے۔ وہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے مشرکین کے مجمع میں با آواز بلند قرآن پڑھ کر سنایا۔ ایک روز مسلمان جب وہ قلیل التعداد اور کمزور تھے مکہ میں اکٹھے ہوئے اور آپس میں کہنے لگے۔ بخدا! ابھی تک قریش نے با آواز بلند کسی سے قرآن نہیں سنا۔ کون ہے جو ان کو سنا دے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''میں انہیں قرآن سناؤں گا۔'' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا ''آپ اس کے لیے مناسب نہیں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ کام کوئی ایسا شخص انجام دے جس کی پشت پر اس کے قبیلے کی طاقت ہو کہ اگر قریش اس کے ساتھ بری نیت سے پیش آئیں تو اس کا قبیلہ اس کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔'' لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ''نہیں یہ کام مجھے ہی کرنے دو۔ اللہ تعالیٰ مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھے گا اور ان کے مقابلے میں میری حمایت کرے گا۔'' پھر وہ چاشت کے وقت مسجد حرام میں داخل ہوئے اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔ اس وقت سرداران قریش کعبہ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقام ابراہیم علیہ السلام پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے قرآن کی تلاوت شروع کی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ Oط

(اَلرَّحۡمٰنُ لا O عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ O خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ لا O عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ O)

''اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔نہایت مہربان' خدا نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے۔اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔''

وہ کتابِ الٰہی کی آیات پڑھتے چلے گئے۔آواز سن کر سردارانِ قریش ان کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے:

''یہ ابن ام عبد کیا پڑھ رہا ہے؟..........ارے اس کا ناس ہو۔یہ تو اسی پیغام کا کوئی حصہ پڑھ رہا ہے جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔تیزی سے ان کی طرف لپکے اور ان کے چہرے پر مارنے لگے لیکن انھوں نے تلاوت کا سلسلہ منقطع نہیں کیا۔وہ برابر پڑھتے رہے اور وہیں جا کر رکے جہاں تک وہ پہنچنا چاہتے تھے۔پھر وہ لوٹ کر اپنے ساتھیوں میں آئے۔اس وقت ان کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر کہا'' آپ کے متعلق ہم کو اسی بات کا اندیشہ تھا۔'' یہ سن کر انھوں نے کہا

''بخدا یہ دشمنان خدا آج سے پہلے میری نظر میں اتنے ذلیل و بے وقعت نہ تھے۔اگر آپ لوگ چاہیں تو میں کل بھی ان کو اسی طرح قرآن سنا سکتا ہوں۔'' لیکن ساتھیوں نے کہا کہ ''نہیں' بس اتنا کافی ہے۔تم نے ان کو وہ چیز سنا دی جس کا سننا انہیں گوارا نہیں ہے۔

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہے۔جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔مزاج پرسی کے بعد انھوں نے دریافت کیا۔'' آپ کو کس چیز کی شکایت ہے؟''

بولے۔ ''اپنے گناہوں کی۔'' پوچھا ''کیا خواہش ہے؟'' بولے ''اپنے رب کی رحمت کی۔''

پوچھا ''کیوں نہ آپ کے وظیفے کی ادائیگی کا حکم جاری کر دوں جس کو لینے سے آپ نے پچھلے کئی سالوں سے انکار کر دیا ہے؟'' بولے ''مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔''
کہنے لگے ''آپ کے بعد آپ کی بچیوں کے کام آئے گا۔''

بولے ''کیا آپ کو میری بیٹیوں کے متعلق محتاجی کا اندیشہ ہے؟ میں نے انہیں ہر رات سورہ واقعہ پڑھنے کی ہدایت کر دی ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

(من قرأ الواقعة كل ليلة لم تصبه فاقة

''جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھ لیا کرے گا وہ فقر و فاقہ سے دوچار نہ ہوگا۔

ابو الاحوص فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم اور عبد اللہ بن مسعود اپنے چند احباب کے ساتھ ابو موسیٰ شعری کے مکان میں تھے، حضرت عبد اللہ چلنے کے ارادے سے کھڑے ہوئے تو ابو مسعود نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان سے زیادہ کوئی شخص قرآن کا عالم ہے، ابو موسیٰ نے کہا کیوں نہیں یہ اس وقت بارگاہ رسول میں حاضر رہتے تھے جب کہ ہم لوگ غائب ہوتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو فرمایا کرتے تھے کہ میں عبد اللہ بن مسعود کو اس دب سے بہت دوست رکھتا ہوں، جس دن رسول خدا نے فرمایا کہ چار آدمیوں سے قرآن حاصل کرو اور سب سے پہلے ابن ام عبد کا نام لیا۔

ابو الاحوص فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم اور عبد اللہ بن مسعود اپنے چند احباب کے ساتھ ابو موسیٰ شعری کے مکان میں تھے، حضرت عبد اللہ چلنے کے ارادے سے کھڑے ہوئے

تو ابو مسعود نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ (ص) کے بعد ان سے زیادہ کوئی شخص قرآن کا عالم ہے، ابو موسیٰ نے کہا کیوں نہیں یہ اس وقت بارگاہ رسول میں حاضر رہتے تھے جب کہ ہم لوگ غائب ہوتے تھے

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہ بن مسعود کو اس وجہ سے بہت دوست رکھتا ہوں، جس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چار آدمیوں سے قرآن حاصل کرو اور سب سے پہلے ابن ام عبد کا نام لیا

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ نے فرمایا کہ مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ، میں نے عرض کیا، میں آپ کو قرآن سناؤ حالانکہ قرآن خود آپ پر نازل ہوا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرا دل چاہتا ہے کہ میں دوسرے سے قرآن سنو، چنانچہ میں نے قرآن کی سورت نسائی پڑھنی شروع کر دی جب میں آیت نمبر **41** پر پہنچا

(فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید وجئنا بك علی هئولائ شهیدا

تو میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بس کرو

رازدان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی الہ عنہ کو رازدان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا اعزاز بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آیا۔ جب آپ بکریوں کی گلہ بانی سے نکل کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں منتقل ہوئے تو آپ ہر وقت سفر میں' حضر میں' گھر کے اندر اور گھر سے باہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار کرنے کی سعادت' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرتے تو آپ پردے کا انتظام کرنے کی سعادت، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر جانے

کا ارادہ کرتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوتے پہنانے کی سعادت، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوتے تو وہ جوتوں کو پاؤں مبارک سے نکالنے کی سعادت، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عصا اور مسواک کی حفاظت کرنے کی سعادت اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمرے میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو وہ اس سے پہلے اس میں داخل ہونے کی سعادت آپ کا خاصہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے قرب و تعلق کا یہ حال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہر وقت اپنے گھر آنے اور اپنے تمام رازوں سے واقف رہنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ اسی وجہ سے وہ ''راز دان رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کہے جاتے تھے۔

حدیث اور محدثین کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی بعثت انبیاء علیہم السلام کی تاریخ۔ امم سابقہ کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے آسمانی کتب ملتی رہیں اور اس امت کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے قرآن ملا۔ قرآن و حدیث جمع ہوئے تو تعلیمات اسلامی کا آغاز ہو گیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اول ''اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ'' (علق: ۱)

غارِ حراء میں آئی تو آپ نے اس کی خبر ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو دی۔ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خبر و حدیث کو ورقہ بن نوفل کے سامنے بیان کیا تو یہیں سے امت محمدیہ میں حدیث اور محدثین کا آغاز ہوا۔ امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کا آغاز اسی باب

''کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم''

سے کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز کیسے ہوا؟

یہ وحی کا پہلا دن تھا اور یہیں سے حدیث اور محدثین کا بھی آغاز ہوا۔ یہ بات بالکل صحیح اور تاریخی ہے کہ حدیث و محدثین اور بعثت نبوی کی تاریخ ایک ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں روایت حدیث کی تاکید ''فیبلغ الشاھد الغائب'' کے الفاظ سے فرمائی۔حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے جو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک حکم پر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کردیتے تھے ،فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنتے ہی پوری محنت ،خلوص ،شوق محبت اور انتہائی احتیاط کے ساتھ اس علمِ نبوی کو دوسروں تک پہنچانا شروع کردیا۔ان پاکیزہ شخصیات اور محتاط محدثین میں سے ایک شخصیت صاحب السواک والنعلین ،خادم رسول ،فقیہ الامت ،قاری ومفسر قرآن محدث کبیر امام ربانی سیدنا عبداللہ بن مسعود الہذلی المکی ،المہاجری ،البدری ،الکوفی رضی اللہ عنہ کی ہے جن کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام صحابی ہیں۔بعض روایات کے مطابق چھٹے فرد ہیں جو حلقہ اسلام میں داخل ہوئے (اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۷،الاصابہ ج ۲ ص ۱۱۲۳،سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۰۶) ایک اور روایت کے مطابق آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام قبول کرلیا تھا۔

(سیر اعلام النبلاء للذہبی ج ۳ ص ۲۰۷)

اسلام لانے کا سبب:

امام ابن العماد الحنبلی ابن الاثیری جزری رحمہ اللہ اور دیگر حضرات نے آپ کے اسلام لانے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ آپ عقبہ بن معیط کی بکریاں چرایاں کرتے تھے۔ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے۔آپ بکریاں چرا رہے تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اے غلام! کیا تمہارے پاس دودھ والی بکری ہے؟''عرض کیا:''جی ہاں ،لیکن مجھے اجازت نہیں۔یہ بکریاں امانت ہیں۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایسی بکری لے آؤ جو دودھ نہ دیتی ہو۔چنانچہ

حضرت عبداللہ بن مسعود ایسی بکری لے کر حاضر خدمت ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے شیردان پہ ہاتھ پھیرا اور دعا کی تو دودھ اتر آیا۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک پتھر لائے، اس میں دودھ نکالا گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو دودھ پینے کا فرمایا، پھر خود پیا اور عبداللہ بن مسعود کو بھی پلایا۔عبداللہ بن مسعود آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر بول پڑے کہ مجھے بھی یہ بات یا اس قرآن سے سکھا دیجئے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر کو مسلا اور فرمایا ''انک غلام معلم'') تو ایسا نوجوان ہے جو سیکھنے کے لائق ہے۔)

قبول اسلام کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کلام اللہ اور کلام رسول اللہ کو ایسا سیکھا کہ امت کے امام بن گئے۔

خود فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر سورتیں سیکھی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنے والے سب سے پہلے شخص سیدنا عبداللہ بن مسعود ہیں۔

(اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۷، سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۰۸)

حلیہ مبارک:

حضرت عبداللہ بن مسعود چھوٹے قد، گندمی رنگ، باریک پنڈلیوں، کمزور اور لطیف جسم والے لیکن علم کے کوہ گراں تھے۔ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو پھل لانے کے لئے درخت پر چڑھنے کا حکم دیا۔حضرت عبداللہ بن مسعود درخت پر چڑھے۔صحابہ کرام ان کی پنڈلیاں دیکھ کر ہنس پڑے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :''عبداللہ کی ٹانگ قیامت کے دن میزان میں احد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہوں گی'' (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۷ حدیث: ۱۵۵۶۱ کتاب المناقب)

حضرت عبداللہ بن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وما حدثكم ابن مسعود فصدقوه"

کہ عبداللہ بن مسعود تمھیں جو بیان کریں اس کی تصدیق کرو۔

(جامع الترمذی ج ۲ ص ۲۲۰ مناقب عمار بن یاسر)

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تمسكوا بعهد ابن مسعود"

کہ عبداللہ بن مسعود کے پختہ عزم کو تھام لو۔

(جامع الترمذی ج ۲ ص ۲۰۱ مناقب عبداللہ بن مسعود)

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اقرؤا القرآن من اربعة نفر من ابن ام عبد فبدأبه"۔

کہ قرآن چار آدمیوں سے پڑھو، ان چار میں سے پہلا نام حضرت عبداللہ بن مسعود کا لیا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۳، جامع الترمذی ج ۲ ص ۲۰۱)

حضرت عمار بن یاسر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من احب ان يقرأ القرآن غضا كما انزل فليقرء على قراءة ابن ام عبد"

کہ جس شخص کو پسند ہو کہ وہ قرآن اس لہجے میں پڑھے جس لہجے میں نازل ہوا تو وہ عبداللہ بن مسعود کی قرأت کے مطابق پڑھے۔

(مجمع الزوائد، حدیث ۱۵۵۵۶، مستدرک حاکم، حدیث: ۵۴۴۱)

حضرت علی المرتضیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو كنت مؤمرا احدا من غير مشورة لامرت ابن ام عبد۔

اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے امیر بناتا تو عبداللہ بن مسعود کو بناتا۔

(جامع الترمذی ج ۲ ص ۱۰۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی اور پسندیدہ ساتھیوں میں سے تھے۔ آپ سفر و حضر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔ حضورؐ نے ان سے فرما رکھا تھا کہ ''تمہیں میرے گھر میں حاضر ہونے کے لئے اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔ پردہ اٹھا کر اندر آ جایا کرو اور ہماری باتیں سنا کرو،، حضور اکرمؐ کی کچھ خاص خدمتیں ابن مسعودؓ سے متعلق تھیں۔ مثلاً جوتا مبارک اٹھانا، مسواک کو اپنے اپنے پاس رکھنا، آپؐ کے آگے چلنا، نہاتے وقت پردہ کرانا، خواب سے بیدار کرنا وغیر۔ (الاستیعاب)

ابتدائے اسلام میں جب اپنے اسلام کا اظہار نہایت مشکل تھا، آپ وہ پہلے مسلمان تھے۔ جنہوں نے بیت اللہ شریف کے پاس کھڑے ہو کر مستانہ وار سورۃ الرحمٰن کی باآواز بلند تلاوت کی اور کفار مکہ کا ظلم برداشت کیا (ابن ہشام)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کو ان چار افراد سے حاصل کرو سب سے پہلے عبداللہ ابن مسعودؓ کا نام ذکر فرمایا: بعد ازاں ابی بن کعب، سالم مولیٰ اور معاذ بن جبلؓ کے اسمائے گرامی لئے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عادات و اطوار میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مشابہت رکھنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ رسول اللہؐ کے قریبی اصحاب کی نظر میں عبداللہ بن مسعودؓ درجات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہیں۔ (بخاری بتغر الفاظ)

الاکمال فی اسماء الرجال میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں اپنی امت کے واسطے وہ پسند کرتا ہوں جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے واسطے پسند کریں اور امت کے

واسطے اس چیز کو ناپسند کرتا ہوں جسے ابن مسعودؓ ناپسند کریں،، اس فرمان عظمت نشان کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا سب سے پہلا اجتہاد جو نظر آتا ہے وہ خلافت صدیق اکبرؓ کے بارے میں ہے۔ حضور اکرمؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے بارے میں ابن مسعودؓ نے ان خوبصورت الفاظ میں اجتہاد کیا کہ ''ہم اپنے دنیاوی معاملات کے لئے اسی شخصیت کو پسند کرتے ہیں جسے رسول اللہؐ نے ہمارے دینی امور کے لئے پسند فرمایا ہے۔،، یعنی جس ہستی کو حضورؐ نے نماز کی امانت کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ اسی کو ہم خلافت کے لئے پسند کرتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین دشمن ابوجہل کی گردن کاٹنے کا شرف بھی عبداللہ بن مسعودؓ کو حاصل ہوا۔ دو ننھے بچے معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما نے جب اپنی تلواروں سے ابوجہل کو گھائل کر دیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس طرف سے گزر ہوا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس کارآمد تلوار نہ تھی۔ انہوں نے ابوجہل کی تلوار اٹھالی۔ ابوجہل کی نظر ان پر پڑی تو وہ ان کے ارادے کو بھانپ گیا۔ اس نے کہا: اے حقیر بھیڑیں چرانے والے! تو نے مشکل کام کو ہاتھ ڈالا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ ہی اس کی گردن کاٹ دی اور اس کا سر اور تلوار دونوں کو لا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تلوار آپ ہی کو عنایت فرما دی۔

حضرت ابن مسعود کا قد چھوٹا تھا پنڈلیاں پتلی پتلی تھیں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں درخت پر سے کوئی چیز اتارنے کا حکم دیا وہ درخت پر چڑھے ان کی باریک پنڈلیوں کو دیکھ کر صحابہ کرام کی ہنسی چھوٹ گئی۔ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: ''تم کیا ہنستے ہو۔ عبداللہ کی ٹانگیں میزان (اللہ کے ترازو) میں اُحد پہاڑ سے زیادہ بھاری ہیں۔'' حضرت عمرؓ نے ایک روز ابن مسعودؓ کو بیٹھا دیکھا تو فرمایا: ''یہ علم و معرفت سے بھری چھاگل ہیں۔''

حضرت عمرؓ نے 20ھ میں حضرت عمار بن یاسر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو کوفہ بھیجا اور اہل کوفہ کو لکھا: میں نے عمار بن یاسر کو امیر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے۔ یہ دونوں ہستیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برگزیدہ اصحاب اور اصحاب بدر میں سے ہیں۔ تم ان دونوں کی پیروی اور اطاعت کرو اور ان کے ارشادات عالیہ کو دھیان سے سنو۔ عبداللہ بن مسعودؓ کو تو میں نے اپنے نفس پر ایثار کر کے تمہارے پاس بھیجا ہے۔''

یوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت پوری ہوگئی کہ ''تم خود علم سکھانے والے پیارے بچے ہو،، شقیق ابووائل بن ابی سلمہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہؐ کے صحابہ کرام کے حلقے میں بیٹھا ہوں۔ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کی بات سے انکار کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا اور نہ کسی صحابی نے آپ کا رد کیا۔ یعنی آپ فقاہت کے اس مقام پر فائز تھے کہ آپ کی رائے کے سامنے کسی کو صحابی کو کبھی رائے پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ (طبقات ابن سعد)

یہی وہ مناقب وفضائل ہیں جن کے پیش نظر امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنی فقہ کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی پیروی کی ہے۔ آپ کے احوال مبارکہ ابن عبدالبر کی الاستیعاب، امام یافعی کی مرآۃ الجنان، ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ ابن قیم کی اعلام الموقعین، ابن حجر کی الاصابہ اور صاحب مشکوٰۃ کی الاکمال میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں

چار شخصیات سے قرآن سیکھو

وقال استقرؤا القرآن من أربعة من عبد الله بن مسعود، وسالم مولى أبي حذيفة، وأبي بن كعب، ومعاذ بن جبل

اور آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید چار آدمیوں سے سیکھو، عبداللہ بن مسعود، ابوحذیفہ کے مولیٰ سالم، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہم) سے۔

(بخاری:۳۷۶۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین بردار

حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ میں شام پہنچا تو سب سے پہلے میں نے دو رکعت نماز پڑھی اور یہ دعا کی کہ اے اللہ! مجھے کسی (نیک) ساتھی کی صحبت سے فیض یابی کی توفیق عطا فرما، چنانچہ میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ آ رہے ہیں، جب وہ قریب آ گئے تو میں نے سوچا کہ شاید میری دعا قبول ہو گئی ہے۔ انہوں نے دریافت فرمایا: آپ کا وطن کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں کوفہ کا رہنے والا ہوں، اس پر انہوں نے فرمایا: کیا تمہارے یہاں صاحب نعلین، صاحب وسادہ ومطہرہ (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما) نہیں ہیں؟ کیا تمہارے یہاں وہ صحابی نہیں ہیں جنہیں شیطان سے (اللہ کی) پناہ مل چکی ہے۔ (یعنی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ) کیا تمہارے یہاں سربستہ رازوں کے جاننے والے نہیں ہیں کہ جنہیں ان کے سوا اور کوئی نہیں جانتا (پھر دریافت فرمایا) ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما) آیت واللیل کی قرآت کس طرح کرتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ واللیل اذا یغشیٰ والنھار اذا تجلی والذکر والانثی آپ نے فرمایا کہ مجھے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زبان مبارک سے اسی طرح سکھایا تھا۔ لیکن اب شام والے مجھے اس طرح قرآت کرنے سے ہٹانا چاہتے ہیں۔

(بخاری:۳۷۶۱)

عادات واخلاق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب

حضرت عبدالرحمٰن بن زید سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ صحابہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عادات واخلاق اور طور طریق میں سب سے زیادہ قریب کون سے صحابی تھے؟ تاکہ ہم ان سے سیکھیں، انہوں نے کہا اخلاق، طور وطریق اور سیرت وعادت میں ابن ام عبد سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب اور

کسی کو میں نہیں سمجھتا۔(بخاری: ۳۷۶۲)

خادم مصطفیٰ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت اسود بن یزید سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں اور میرے بھائی یمن سے (مدینہ طیبہ) حاضر ہوئے اور ایک زمانے تک یہاں قیام کیا، ہم اس پورے عرصہ میں یہی سمجھتے رہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے ہی کے ایک فرد ہیں، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور ان کی والدہ کا (بکثرت) آنا جانا ہم خود دیکھا کرتے تھے۔(بخاری: ۳۷۶۳)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سیرت

حضرت تمیم بن حرام کہتے ہیں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی صحبت میں بیٹھا ہوں۔ میں نے کسی کو حضرت عبداللہ بن مسعود سے زیادہ دنیا سے بے رغبت اور ان سے بڑھ کر آخرت کی خواہش کرنے والا نہیں دیکھا۔

مجھے ہرگز پسند نہیں کہ ابن مسعود کے علاوہ کسی شخص کی تربیت میں رہوں۔ رات کو جب لوگ آنکھیں بند کر کے سو جاتے، حضرت عبداللہ بن مسعود نوافل ادا کرنے کھڑے ہو جاتے۔ پست آواز میں تلاوت کرتے تو یوں محسوس ہوتا، ان کے گھر میں شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں۔(مستدرک حاکم، رقم ۵۳۷۷)

نوافل پڑھنے کا یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا۔ زیادہ رونے کی وجہ سے ان کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ موت کو یاد کرتے اور کہتے، آج میری تیاری نہیں، میرا دل چاہتا ہے، مروں تو دوبارہ نہ اٹھوں۔ فرمایا، جو آخرت کو مقصود بناتا ہے، دنیا خراب کر لیتا ہے اور جو دنیا کو مطمح نظر بنالیتا ہے، اس کی آخرت برباد ہو جاتی ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے لوگو! ہمیشہ رہنے والی آخرت کی خاطر دنیاے فانی کا نقصان برداشت کرلو۔ جو دنیا میں ریا کاری اور دکھاوا کرتا ہے، روز قیامت اللہ بھی اس سے ٹال مٹول کرے گا۔ جو دنیا کی شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے، اللہ اس کی آخرت میں دنیا ہی کی رسوائیاں لکھ دیتا ہے۔ جو بلندیاں پانے کے لیے دوڑتا ہے، اللہ اسے پست کر دیتا ہے اور جو اللہ کی خشیت اختیار کرتا ہے، اللہ اسے بلند کر دیتا ہے۔ ایک بار یوں نصیحت کی، اللہ کی قسمت پر راضی ہو جاؤ تو مال دار ترین بن جاؤ گے، حرام کاموں سے بچو تو تقویٰ کی بلند ترین منزلیں پا لو گے، اپنے فرائض ادا کرلو تو سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے۔ کہتے ہیں، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، دولت مندی ہو یا غربت۔ غربت میں صبر اور تونگری میں تواضع، دونوں اللہ کے حق ہیں جن کا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں، ایک صاحب علم آدمی اپنی کی ہوئی کسی غلطی کی وجہ سے سیکھا ہوا علم بھی بھول جاتا ہے۔ علم حاصل کرو، جب یہ حاصل ہو جائے تو عمل پر جت جاؤ۔ علم زیادہ روایات جان لینے کا نام نہیں، یہ تو خشیت الٰہی ہے۔ وہ گھر (دل) جس میں کتاب اللہ کا کوئی علم نہیں، اصلاً اجاڑ اور بے آباد گھر ہے۔ حامل قرآن کی پہچان یہ ہے کہ جب لوگ سوئے ہوئے ہوں، وہ بیدار ہوتا ہے۔ سب کھا پی رہے ہوتے ہیں، وہ روزے سے ہوتا ہے، لوگ خوش باش ہوں، وہ غمگین ہوتا ہے۔ سب ٹھٹھا کر رہے ہوں، وہ گریہ کرتا ہے۔ لوگ مل جل کر باتیں کر رہے ہوتے ہیں، وہ خاموش ہوتا ہے۔ لوگ ڈینگیں مار رہے ہوتے ہیں، وہ عاجزی سے بیٹھا ہوتا ہے۔ شیطان سورۂ بقرہ کی تلاوت سنتے ہی گھر سے بھاگ نکلتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ہر جمعرات کے دن لوگوں کو پند و نصیحت کرتے تھے۔ ایک شخص نے کہا، ابوعبدالرحمان! میرا دل چاہتا ہے، آپ ہمیں ہر روز وعظ و نصیحت کیا کریں۔ انھوں نے جواب دیا، ایسا کرنے سے مجھے ایک ہی شے روکتی ہے کہ میں تمھیں اکتانا

نہیں چاہتا۔ میں موقع ومحل دیکھ کر تمھیں نصیحت کرتا ہوں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس خیال سے کہ ہم اکتا نہ جائیں، نصیحت کرنے میں وقت اور موقع کا لحاظ فرماتے تھے۔

(بخاری، رقم ۷۰)

ایک دفعہ وعظ ونصیحت کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا، اپنا دین کسی شخص کے ہاتھ میں نہ دے دینا۔ وہ ایمان لائے تو تم لے آؤ، وہ کفر کرے تو تم اس کے پیچھے کفر کا ارتکاب کرو۔ اگر پیروی ہی کرنی ہے تو دنیا سے چلے جانے والے کی کرو، کیونکہ زندہ آدمی کا کچھ پتا نہیں ہوتا، کب فتنے میں مبتلا ہو جائے۔ ایک موقع پر ارشاد کیا، اللہ سے ملاقات ہی مومن کی سب سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ جو اس راحت کو پانے کی واقعی آرزو کرتا ہے، اسے یہ مل جاتی ہے۔ دلوں کی چبھن سے بچ کر رہو، جو شے دل کو کھٹکے چھوڑ دو۔ روے زمین پر زبان ہی ایسی شے ہے جسے لمبی قید ہونی چاہیے۔ ایک خطبے میں کہا، لوگو! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے زیادہ نمازیں پڑھتے ہو، روزے رکھتے ہو اور ان سے بڑھ کر اجتہاد کرتے ہو پھر بھی وہ تم سے بہتر تھے۔ پوچھا، کیوں؟ بتایا، وہ دنیا سے بے پروا اور آخرت کی رغبت رکھنے والے تھے۔ ایک شخص نے وصیت کرنے کو کہا تو فرمایا، تم اپنے گھر ہی میں کشادگی پاؤ، اپنی زبان پر قابو رکھو اور اپنی غلطیوں پر گڑگڑاؤ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک شخص کو تہ بند لٹکائے ہوئے دیکھا تو کہا، اپنا تہ بند اونچا کرو۔ اس نے کہا، ابن مسعود! اپنا تہ بند تو سنبھال لیں۔ کہا، میں تمھاری طرح نہیں، میری پنڈلیاں پتلی ہیں اور میرا رنگ گندمی ہے۔ حضرت عمر تک یہ بات پہنچی تو اس شخص کو ایک ضرب لگائی اور کہا، کیا تو نے ابن مسعود کو جواب دیا؟

حضرت حذیفہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے اہل علم کو معلوم ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود اللہ کے بہت قریب اور کتاب اللہ کو سب سے زیادہ

جاننے والے تھے۔ایک بار حضرت عمر ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود آئے اور بیٹھنے لگے۔اپنے چھوٹے قد کی وجہ سے وہ لوگوں میں چھپ گئے تھے۔سیدنا عمر ان سے ہنسی مذاق کرنے لگے، واپس ہوئے، نظروں سے اوجھل ہوئے تھے کہ سیدنا عمر نے کہا، ابن مسعود علم کی زنبیل (کُنیف) ہیں جو علوم و معارف سے لبریز ہے۔یہ فقرہ انھوں نے تین بار کہا۔سیدنا عمر کے کہنے کے بعد عبداللہ بن مسعود لفظ کُنیف سے ملقب ہو گئے، یہ لقب محدثین کے ہاں ان کے لیے خاص ہو گیا۔

یہ لقب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عطا کیا تھا۔حضرت علی نے کہا، حضرت عبداللہ بن مسعود نے قرآن پڑھا، سنت کا علم حاصل کیا، علم ہی پر اکتفا کرلیا اور یہی بہت ہے۔ (مستدرک حاکم، رقم ۵۲۹۲)

حضرت عبداللہ خود بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارکہ سے ستر سورتیں سیکھیں۔(بخاری، رقم ۵۰۰۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا، تو پڑھا ہوا بالک ہے۔(مسند احمد: ۳۵۹۹)

حضرت عبداللہ ابن مسعود بیان کرتے ہیں، ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سورۂ نساء (۴) سنانے کا حکم دیا۔میں نے عرض کیا، کیا میں پڑھ کر سناؤں، حالانکہ قرآن تو آپ پر نازل ہوا ہے؟ فرمایا، میں دوسرے کے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔میں نے تلاوت شروع کی۔جب آیت 'فکیف اذاجئنا من کل امة بشهید و جئنا بك علی هؤلاء شهیدا'، (۴۱) پر پہنچا تو آپ نے روک دیا، تب آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ (بخاری: ۴۵۸۲، مسلم: ۱۸۱۹)

حضرت علقمہ شام گئے تو ابوالدردا سے ان کی ملاقات ہوئی۔انھوں نے پوچھا، کیا تمھارے ساتھ وہ صاحب (حضرت عبداللہ بن مسعود) نہیں رہتے جن پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے جوتوں، بستر اور وضو کے پانی کی ذمہ داری تھی، جو راز دان رسالت تھے؟

(بخاری، رقم ۳۷۶۱)

حضرت مسروق کہتے ہیں، میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ رہا ہوں۔ انھیں میں نے ایک ذخیرۂ آب کی مانند پایا ہے جو ایک شخص کو، دو افراد کو، دس آدمیوں کو، سو انسانوں کو حتیٰ کہ تمام اہل زمین کو سیراب کر سکتا ہے۔ عبداللہ بن مسعود ایسا چشمہ ہی تھے۔ ابوموسیٰ اشعری سے کسی نے وراثت کا مسئلہ دریافت کیا۔ انھوں نے بتا کر تصدیق کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس بھیج دیا۔ ان کے فتویٰ میں غلطی نکل آئی تو کہا، جب تک علامہ ابن مسعود موجود ہیں، مجھ سے استفتا نہ کریں۔ (بخاری، رقم ۶۷۳۶)

شام کے لوگ مقداد بن اسود اور ابوالدرداء کی سکھائی ہوئی قراءت کے مطابق قرآن پڑھتے، اہل عراق اس معاملہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابوموسیٰ اشعری کے پیرو تھے۔ یہ لوگ آپس میں ملتے تو اپنی اپنی قراءت کی فضیلت جتاتے، ان کے اختلافات سن کر نئے ایمان لانے والے تذبذب میں مبتلا ہو جاتے کہ کس قراءت کو اختیار کریں۔ ان حالات میں اندیشہ تھا کہ کوئی نیا فتنہ نہ جنم لے لے۔ اس لیے خلیفۂ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے قرآن مجید کا وہ نسخہ حاصل کیا جو پہلے حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر کے پاس رہا اور زید بن ثابت انصاری کو اس کی کتابت کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے اس کی نقلیں کروا کر شام، مصر، کوفہ، بصرہ، مکہ اور یمن بھجوا دیں، ملت اسلامیہ کو اس مصحف پر جمع ہونے اور دیگر قراءتوں والے مصاحف کو جلانے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن مسعود سے بھی ان کا مصحف لے کر خاکستر کر دیا گیا۔ اس موقع پر انھوں نے لوگوں سے خطاب کیا اور کہا، مجھے زید بن ثابت کی قراءت کو اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے ستر سے زیادہ سورتیں حاصل کی

ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جانتے ہیں، میں ان سب سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والا ہوں، حالانکہ میں ان میں سے بہترین نہیں۔ (بخاری:۵۰۰۰، مسلم:۶۴۱۴)

کسی نے اس بات میں مجھ سے اختلاف نہیں کیا۔ زید بن ثابت صاحب عز وشرف ہیں، تب ان کے سر پر دو چوٹیاں (یا ایک چوٹی) ہوتی تھیں اور وہ بچوں سے کھیلا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں کوئی سورت، کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں مجھے علم نہ ہو کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کب اتری۔ اگر مجھے علم ہو جاتا کہ کوئی مجھ سے بھی زیادہ قرآن جاننے والا ہے اور اونٹوں کی سواری مجھے اس تک پہنچا دے گی تو میں ضرور اس کے پاس جاتا۔ (بخاری:۵۰۰۲، مسلم:۶۴۱۵)

ایک رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اہم مسئلے پر سیدنا ابوبکر سے گفتگو فرمائی۔ مسجد میں آئے تو سیدنا علی اور سیدنا عمر بھی ساتھ مل گئے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نماز میں کھڑے ہیں اور تواتر سے سورۂ نساء پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے ان کی قراءت سنی اور ارشاد فرمایا، جسے بھلا لگتا ہے کہ قرآن ویسے ہی (سنے یا) پڑھے جیسے ابھی اترا تو ابن ام عبد (ابن مسعود) کی قراءت (سنے یا اس) کے مطابق پڑھے۔ نماز کے بعد وہ استغفار کرنے اور دعا مانگنے لگے تو آپ نے فرمایا، مانگو، دیا جائے گا۔ انھوں نے دعا کی، اے اللہ! میں تم سے وہ ایمان مانگتا ہوں جو لا زوال ہو، ایسی نعمتیں جو برباد نہ ہوں، آنکھوں کی ٹھنڈک جو ختم نہ ہو اور جنت خلد کے اعلیٰ درجوں میں تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت چاہتا ہوں۔ اس بات پر حضرت عمر حضرت عبداللہ کو بشارت دینے آئے تو دیکھا کہ سیدنا ابوبکر ان سے پہلے ان کی طرف جا رہے ہیں تو ان سے کہا، آپ نیکی کی طرف خوب لپکتے ہیں۔ (مستدرک حاکم، رقم ۵۳۸۶)

بخاری کی روایت ہے، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قرآن کریم چار

صحابیوں حضرت عبداللہ بن مسعود، ابوحذیفہ کے آزاد کردہ سالم، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے سیکھو۔ (بخاری، رقم ۳۷۵۸، مسلم، رقم ۶۴۱۶) حضرت حذیفہ کی روایت ہے، آپ نے فرمایا، میرے بعد سیدنا ابوبکر وعمر کی پیروی کرنا، عمار بن یاسر کے طریقے پر چلنا اور ابن ام عبد کے عہد کو تھامے رکھنا۔ (ترمذی، رقم ۳۶۶۲)

حضرت عبداللہ بن عباس نے ابوظبیان سے سوال کیا، دو قراءتوں میں ہم کس کو اختیار کریں؟ انھوں نے جواب دیا، پہلی قراءت ابن ام عبد کی ہے۔ ابن عباس نے تائید کی، ہاں! دوسری قراءت بھی یہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک بار جبرئیل علیہ السلام کو قرآن پڑھ کر سناتے، جس سال آپ کی وفات ہوئی، آپ نے دو مرتبہ قرآن سنایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اس موقع پر موجود تھے، انھیں علم تھا، کیا منسوخ ہوا، کیا تبدیل ہوا۔ حج کے موقع پر سیدنا عمر عرفات میں تھے کہ ایک آدمی نے بتایا، میں کوفہ سے آیا ہوں۔ وہاں ایک شخص قرآن پاک زبانی املا کراتا ہے۔ سیدنا عمر کو سخت غصہ آیا، بے قابو ہونے لگے۔ پھر پوچھا، وہ کون ہے؟ جواب ملا، حضرت عبداللہ بن مسعود۔ دفعتہً ان کا غصہ جاتا رہا۔ پرسکون ہو کر بولے، میرے علم میں ان کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں جسے یہ حق حاصل ہو۔ ابوعبدالرحمن سلمٰی، عبید بن نضلہ اور چند دوسرے قراء نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے قراءت روایت کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی غزوہ بدر میں شرکت

حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد صحابہ کرامؓ کی جماعت ایک مقدس اور پاکیزہ جماعت ہے، محسن انسانیت ﷺ کی بابرکت صحبت سے اللہ رب العزت نے ان نفوسِ قدسیہ کو انسانی شرافت کا اعلیٰ نمونہ بنایا، یہی وجہ ہے کہ ہر صحابیؓ کی زندگی چلتا پھرتا اسلام ہے، اللہ رب العزت نے ان فداکاروں کو ہدایت یافتہ ہونے کی سند عطا فرمائی، قرآن کریم نے ان کی زندگی اور ان کے افکار ونظریات میں انقلاب پیدا کر کے ان کی زندگی کا رخ مقصد اصلی

کی طرف پھیر دیا، ہر ایک کے دل میں بس ایک ہی لگن تھی، اعلاء کلمۃ اللہ، دعوت حق اور تبلیغ اسلا
م ہو جائے وہ ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات پر شرعی احکام اور اسلامی مقاصد کو غالب رکھتے
تھے، جنت اور مغفرت کی طلب اور آرزو نے ان کو اللہ اور رسول سے اتنا قریب کر دیا تھا کہ
ان کو دنیا والوں کی خوشی اور ناخوشی کی کوئی پرواہ نہ تھی، ان کی مقدس زندگی کا اگر مطالعہ کیا جائے
تو معلوم ہوگا کہ جب بھی باطل پرستوں نے عظمت اسلام کو للکارا، آفتاب رسالت ﷺ کو
بجھانے کی کوشش کی اور قصرِ دین وملت پر یلغار کی تو اصحاب رسول دشمنوں پر قہر وغضب بن کر
ٹوٹے، شیر و ببر بن کر جھپٹے اور راہ حق میں آنے والی تمام رکاوٹوں کو ٹھوکروں میں اڑا دیا، باطل
کے سیلِ رواں کے سامنے سدِ سکندری بن گئے، طاغوتی طاقتوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے، قصر
اسلام کی حفاظت کی اور پرچمِ توحید بلند رکھا، حد تو یہ ہے کہ توحید کے پرستاروں اور شمع رسالتؐ
کے پروانوں نے توحید و رسالت کے سامنے رشتۂ اخوت وابوت تک کو قربان کر دیا، خونی
رشتوں تک کی پرواہ نہ کی جیسا کہ اسلامی تاریخ سے واضح ہے، اسی کے ساتھ جن صحابہؓ نے
اسلام کی سب سے پہلی معرکۃ الآراء اور حق وباطل کے درمیان امتیاز کر دینے والی لڑائی غزوہ
بدر کبریٰ میں شرکت کی ان کو دیگر صحابہؓ پر حد درجہ فضیلت حاصل ہے، قرآن وحدیث نے ان
کی فضیلت اور کارناموں کو نمایاں انداز میں بیان کیا ہے۔

غزوۂ بدر

اسلام کے غزوات میں غزوہ بدر سب سے پہلا اور کفر وشرک میں امتیاز پیدا کرنے
والا غزوہ ہے؛ اس لئے کہ اسلام کی عزت وشوکت کی ابتداء اور کفر شرک کی ذلت ورسوائی کی
ابتداء اسی غزوہ سے ہوئی، اس لئے اس میں شریک ہونے والے صحابہ کرامؓ کی احادیث میں
بڑی فضیلت آئی ہے۔

یہ غزوہ رمضان ۲ ھ میں پیش آیا، اس غزوہ میں اسلام کو ظاہری اور مادی اسباب

کے بغیر اللہ کی رحمت اور تائید غیبی سے فتح و کامیابی حاصل ہوئی، اس سے کفر شرک پر کاری ضرب لگی، اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے اس دن کو قرآن کریم میں یوم الفرقان فرمایا، بدر ایک کنویں کا نام ہے جو بدر بن حارث یا بدر بن کمدہ نے بنایا، اس لئے اس کے قرب و جوار کے میدان کو بھی بدر کہتے ہیں، یہ مقام مدینہ سے مکہ کے راستے میں تقریباً اسی میل پر واقع ہے۔

غزوۂ بدر کے اسباب

کفار مکہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا مکہ سے صاف نکل جانا اور مدینہ میں شان وشوکت اور عظمت کے ساتھ رہنا اور فدا کاران اسلام میں روز افزوں ترقی ہونا بہت ناگوار اور کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا، وہ مدینہ کے حکمرانوں اور بااثر لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے کہ مدینہ میں تارکین وطن کو پناہ نہ دی جائے، انہوں نے مدینہ کے منافقین اور یہود سے ساز باز شروع کر دیا تھا اور قریش کے چھوٹے چھوٹے جتھے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے ارادہ سے مدینہ کے قریب اکثر گشت لگا رہے تھے، کرز بن جابر فہری مدینہ کی چراگاہوں پر لوٹ مار کرتا رہتا تھا، ان حالات کے بعد اللہ تعالیٰ نے اب مسلمانوں کو بھی مقابلہ کی اجازت دی تب مسلمانوں نے اس چھیڑ چھاڑ کا جواب دینا شروع کیا، اہل مکہ کی تجارت کا سلسلہ شام سے وابستہ تھا اور مدینہ کے علاقہ سے یہ راستہ گذرتا تھا، مسلمانوں نے اس میں رکاوٹ پیدا کرنی شروع کر دی؛ تاکہ اہل مکہ کی مالی قوت پر اثر پڑے جس کے بل بوتے پر وہ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی فکریں کرتے رہتے ہیں، نیز اس تجارت کے حیلہ سے منافقین اور یہود مدینہ سے ساز باز کا جو موقع ہاتھ آجاتا تھا اس کا بھی خاتمہ کر دیا جائے۔

قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان بھی خاموش رہتے نظر نہیں آتے اور ہماری دسیسہ کاریوں کا جواب ملنے لگا ہے تو بڑے غور و خوض کے بعد ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے خفیہ تدابیر شروع کر دیں؛

مگر جنگ کے لئے کثیر سرمایہ کی ضرورت تھی؛ اس لئے شام کی تجارت کے موسم میں ابوسفیان کی سرکردگی میں ایک تجارتی قافلہ بھیجا گیا، تمام مردوں اور عورتوں نے اپنا اپنا سرمایہ اس قافلہ کے حوالہ کر دیا، تاکہ منافع کی رقم جنگ کے سامان پر خرچ کی جا سکے۔

حملہ کی تیاری

ابوسفیان جب اپنے رفیقوں کے ساتھ شام سے مکہ واپس ہونے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالات و واقعات پر نظر رکھتے ہوئے اس قافلہ پر قبضہ کرنا ضروری سمجھا، جلد سے جلد جو اشخاص تیار ہو سکے ان کو لے کر روانہ ہوئے، یہ تین سو تیرہ تھے اور ساز و سامان کا حال یہ تھا کہ صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے اور معمولی اسلحہ، چند آدمیوں کے علاوہ کسی کے پاس زرہ بھی نہ تھی۔

ابوسفیان کا حزم واحتیاط

ابوسفیان کو جب اس بات کا علم ہوا تو ضمیم بن عمر غفاری کو اجرت دے کر مکہ دوڑایا کہ جا کر قریش کو اطلاع دے، جب قریش کو معلوم ہوا تو تمام اہل مکہ میں ہل چل پڑ گئی؛ چونکہ قریش کی اپنی پوری پونجی اس قافلہ کی تجارت میں لگی ہوئی تھی، ابولہب کے سوا کوئی شخص مکہ میں نہیں ٹھہرا، اس نے بھی اپنی جگہ عاص ابن ہشام کو روانہ کیا، پورے جوش اور ساز و سامان کے ساتھ ایک ہزار جنگ جو جن میں سو گھوڑے سوار، پیادہ فوج میں چھ سو زرہ پوش بے شمار اونٹ اور بے شمار اسلحہ کے ساتھ ابوجہل کی سرداری میں نکلے۔

ابوسفیان نے حالات کا اندازہ کر کے قافلہ کا رخ بدل دیا اور ساحل کے راستہ سے صحیح سالم نکل گیا اور قریش کو یہ پیغام بھیجا کہ تم لوگ صرف قافلہ کے آدمیوں کو اور اپنے اموال کو بچانے کے لئے آئے تھے، اللہ نے سب کو بچا لیا ہے، لہٰذا تم سب مکہ واپس ہو جاؤ، ابوجہل نے کہا جب تک ہم بدر پہنچ کر تین دن تک کھا پی کر اور گا بجا کر خوب مزے نہ اڑا لیں اس وقت

تک ہرگز واپس نہ ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابہؓ سے مشورہ

جب اسلامی لشکر روحا پہنچا تو مخبر نے اطلاع دی کہ مکہ سے زبردست لشکر مسلمانوں سے جنگ کی غرض سے آرہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ فرمایا، صحابہ کرامؓ نے پورے جوش وخروش کے ساتھ جنگ میں حصہ لینے پر آمادگی ظاہر فرمائی، اس طرح مسلمانوں کے تین سو تیرہ مجاہدین کا بے سروسامان لشکر اور دوسری طرف کفار مکہ کا ایک ہزار پر شوکت لشکر بدر پہنچا۔

جنگ اور اللہ کی مدد

دونوں لشکروں میں جنگ ہوئی اللہ کی غیبی مدد ہوئی، کفار کا لشکر جنگ میں درہم برہم ہوکر شکست کھا گیا، ابوجہل اور مکہ کے بڑے بڑے سردار ہلاک ہوگئے، جس سے مکہ والوں کی طاقت ہمیشہ کے لئے کھوکھلی ہوگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کا شکر ادا کیا اور زبان مبارک سے فرمایا: الحمد للہ الذی اعز الاسلام واھلہ۔ حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے اسلام کو اور اہل اسلام کو عزت بخشی۔

بعض روایات میں ہے کہ سجدہ شکر بھی ادا کیا اور ابن ماجہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شکریہ میں دوگانہ پڑھا، اس جنگ میں ستر اہل مکہ ہلاک ہوئے اور اتنی ہی تعداد میں زخمی اور قید ہوئے، کفار کے مقتولین کی لاشیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے بدر کے کنویں میں ڈال دی گئیں، امیہ کی لاش پھول کر بہت بھاری ہوگئی تھی اس لئے قتل گاہ ہی میں چھپا دیا گیا، ابولہب شریک جنگ نہ تھا، جب اس کو اس شکست کی اطلاع ہوئی تو غم کی وجہ سے مکان میں چلا گیا اور اپنے غصہ میں گھل کر یا کسی طاعونی بیماری میں مبتلا ہوکر گھر ہی میں مر گیا، مسلمانوں میں چودہ شہید ہوئے، چھ مہاجرین اور آٹھ انصار، جو کفار قید ہوئے انہیں فدیہ

دے کر چھوڑ دیا گیا، فدیہ کی مقدار حیثیت کے مطابق ایک ہزار درہم سے چار ہزار درہم تک تھی، جو نادار تھے اور فدیہ نہیں دے سکتے تھے، وہ بلا کسی معاوضہ اور فدیہ آزاد کر دیے گئے، جو لکھنا جانتے تھے انہیں دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دینے پر آزاد کر دیا گیا، حضرت زید بن ثابتؓ نے اسی طرح لکھنا سیکھا۔

اہل بدر کی تعداد

بدری حضراتؓ کی تعداد میں روایتیں مختلف ہیں، مشہور یہ ہے کہ تین سو تیرہ تھے، تعداد میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اس بارے میں محدثین کے اقوال مختلف ہیں، حافظ ابن سید الناسؒ نے عیون الاثر میں تمام اقوال کو جمع کر دیا اور ۳۶۳ نام شمار کرائے، حضرت جعفر بن حسن بن عبدالکریم برزنجیؒ نے اصحابؓ بدر کے اسماء مبارکہ اور ان کے فضائل وفوائد پر مشتمل ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے" بجالیۃ الکرب باصحاب سید العجم والعرب" اس کتاب میں برزنجیؒ نے متعدد کتابوں کے حوالہ سے اصحابؓ بدر کو ۳۶۳ کی تعداد میں ذکر کیا، تاکہ کسی قول کی بناء پر کوئی نام نہ رہ جائے، احتیاطاً سب کا ذکر کر دیا؛ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ بدری صحابہؓ کی تعداد تین سو تریسٹھ ہے، بلکہ انہوں نے وضاحت کر دی کہ اس سلسلہ میں راجح قول یہی ہے کہ اصحابؓ بدر تین سو تیرہ ہیں جیسا کہ صاحب استیعاب نے ۳۱۳ کی تعداد ہی بیان کی ہے۔

مسند احمد، مسند بزار اور معجم طبرانی میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اہل بدر تین سو تیرہ تھے، حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بدر کے لئے روانہ ہوئے تو کچھ دور چل کر اصحابؓ کو شمار کرنے کا حکم دیا، جب شمار کئے گئے تو تین سو چودہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا پھر شمار کرو، دوبارہ شمار کر ہی رہے تھے کہ دور سے دبلے اونٹ پر ایک شخص سوار نظر آیا، اس کو شامل کر کے تین سو پندرہ ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بدر

کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو تین سو پندرہ آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔

یہ تین روایتیں ہیں، لیکن حقیقت میں سب متحد و متفق ہیں، اس لئے کہ اگر اس آخری شخص اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی شمار کیا جائے تو تین سو پندرہ تھے، اگر اس آخری شخص اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اصحاب ؓ کے ساتھ شمار نہ کیا جائے تو پھر یہ تعداد تین سو تیرہ ہے، اس سفر میں کچھ صغیر السن بچے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے، جیسے: ۱۔ حضرت براء بن عازب ؓ۔ ۲۔ حضرت عبداللہ ؓ۔ ۳۔ حضرت انس بن مالک ؓ ۴۔ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ، مگر ان کو قتال کی اجازت نہ تھی، اگر ان کمسن بچوں کو بھی بدریین میں شمار کر لیا جائے تو پھر تعداد تین سو انیس ہو جاتی ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عمر ؓ سے مروی ہے کہ اہل بدر تین سو انیس تھے۔

آٹھ آدمی ایسے تھے جو اس غزوہ میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے، لیکن اہل بدر میں شمار کئے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال غنیمت میں سے ان کو بھی حصہ عطا فرمایا، وہ آٹھ صحابہ ؓ یہ ہیں۔

۱۔ حضرت عثمان بن عفان ؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت رقیہ ؓ کی علالت کی وجہ سے مدینہ منورہ چھوڑ گئے تھے۔

۲۔ ۳۔ حضرت طلحہ ؓ اور حضرت سعید بن زید ؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے قافلہ کے تجسس کے لئے بھیجا تھا۔

۴۔ حضرت ابولبابہ انصاری ؓ ان کو روماء سے مدینہ منورہ پر اپنا قائم مقام بنا کر واپس فرمایا۔

۵۔ حضرت عاصم بن عدی ؓ کو عوالی مدینہ پر مقرر فرمایا۔

۶۔ حضرت حارث ؓ بن حاطب۔ بن عمرو بن عوف کی طرف سے آپ کو کوئی خبر پہنچی تھی اس لئے آپ نے حضرت حارث بن حاطب کو بنی عمرو کی طرف واپس بھیجا۔

۷۔ حضرت حارث بن صمہؓ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوٹ آجانے کی وجہ سے مقام روحا سے واپس فرمادیا تھا۔

۸۔ حضرت خواتؓ بن جبیر پنڈلی میں چوٹ آجانے کی وجہ سے مقام صفراء سے واپس کردئے گئے تھے۔

ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کا بھی حصہ لگایا، جو اس وقت حبشہ میں تھے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت سعد بن مالکؓ یعنی سھلؓ کے والد نے راستہ میں انتقال فرمایا اور صبیح مولی احیحہ بیماری کی وجہ سے واپس ہوئے۔

بدری فرشتے

اس جنگ میں کفار و مشرکین کی امداد کے لئے ابلیس لعین اپنا لشکر لے کر حاضر ہوا تھا، اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے حضرت جبرئیل، میکائیلؑ اور اسرافیلؑ کی سرکردگی میں آسمان سے فرشتوں کا لشکر نازل فرمایا جو ایک ہزار، پھر تین ہزار، پھر پانچ ہزار تھے۔

شیطان سراقہ بن مالک کی شکل میں اور اس کا لشکر بنو مدلج کے مردوں کی شکل میں ظاہر ہوا، اسی وجہ سے فرشتے بھی مردوں کی شکل میں نمودار ہوئے، یہ اگرچہ صورۃ انسان تھے، مگر فرشتے تھے، جنگ بدر میں فرشتوں کا مسلمانوں کی مدد کے لئے آسمان سے نازل ہونا اور ان کا جہاد میں شریک ہونا آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ علی صاحبہا صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، لیکن روایات میں صرف تین فرشتوں کے نام معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ حضرت جبرئیلؑ۔ ۲۔ حضرت میکائیلؑ۔ ۳۔ حضرت اسرافیلؑ۔

شہدائے بدر

معرکہ بدر میں ۱۴ اصحابؓ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہوئے ،ان میں چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے۔

حضرت عبیدہ بن الحارثؓ :

یہ قبیلہ قریش کے مطلبی شاخ سے تعلق رکھتے تھے، کنیت ابوالحارث اور لقب شیخ المہاجرین ملا تھا، خاندان عبدالمطلب میں سے آپ کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا، آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دارالتبلیغ دارارقم کے افتتاح کرنے سے پہلے ہی دولت اسلام سے فیضیاب ہوچکے تھے، عمر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دس سال بڑے تھے، جب ہجرت کا حکم ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بھائیوں طفیلؓ، حصینؓ اور مسطح بن اثاثہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے اور عبداللہ بن سلمہ عجلانی کے ہاں قیام کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں حضرت عبیدہؓ کی بڑی قدرومنزلت تھی، غزوہ بدر میں جن صحابہ کرامؓ نے اپنی جانیں ناموس رسالت پر نچھاور کیں ان میں حضرت عبیدہؓ بن الحارث نے سب سے پہلی اپنی جان کا نذرانہ پیش کرکے شہادت کا بلند مرتبہ حاصل کیا، اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں سرخرو ہوگئے۔

آپ کو مقام صفراء میں دفن کیا گیا، آپ کی شہادت کے کچھ عرصہ بعد مسلمانوں کا ایک قافلہ اس مقام پر خیمہ زن ہوا تو ساری وادی مشک خالص کی خوشبو سے معطر تھی، صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقام پر مشک کی خوشبو کہاں سے آرہی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں معلوم نہیں کہ میرے عبیدہؓ بن الحارث کی قبر ہے۔

حضرت عمیر ذوالشمالینؓ

آپ کا اسم گرامی عمیرؓ اور لقب ذوالشمالین تھا، اس لقب کی وجہ یہ تھی کہ آپ دونوں ہاتھوں سے بیک وقت کام کرتے تھے، آپ کے والد عبد عمرو بن فضلہ قبیلۂ خزاعہ سے تعلق

رکھتے تھے، اپنا قبیلہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ آ گئے تھے اور عبد الحارث بن زہرہ کے حلیف تھے، عبد الحارث نے اپنی بیٹی نعمی کی شادی عبد عمر سے کی، اسی نعمی کے بطن سے حضرت عمیر ذو الشمالین پیدا ہوئے آپ مہاجرین بنو زہرہ میں سے تھے، جنگ بدر میں ابو اسامہ جشمی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا، رضی اللہ عنہ۔

حضرت صفوان بن وہب

آپ بنی حارث سے تھے، والد کا نام بیضاء تھا، کنیت ابو عمرو، جلیل القدر بدری شہداء میں شمار ہوتے ہیں، آپ بنو عدی کے ہاتھوں میدان بدر میں شہید ہوئے۔

حضرت عاقل

آپ مدینہ پاک میں بنو عدی کے حلیف تھے، سابقون الاولون میں شمار ہوتے ہیں ، دارارقم میں دولت اسلام سے مشرف ہوئے ، اگرچہ آپ کے دوسرے بھائی عامر، الیاس اور خالد بھی معرکہ بدر میں شریک ہوئے ، مگر شہادت صرف آپ ہی کو نصیب ہوئی، دور جاہلیت میں آپ کو غافل نام سے یاد کیا جاتا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب ہونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام غافل سے عاقل رکھ دیا۔

حضرت عمیر

والد کا نام مالک بن اہیب تھا، حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح قادسیہ کے چھوٹے بھائی تھے، جنگ بدر میں آپ عمرو بن ود کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

حضرت مہجع بن صالح

یمن کے رہنے والے تھے عرب قزاقوں نے آپ کو گرفتار کیا اور مکہ میں لے آئے تھے، حضرت سیدنا عمر فاروق نے آپ کو خرید کر آزاد کر دیا، آپ "سابقون الاولون" میں شمار ہوتے ہیں، بنی عدی کے ساتھ ہجرت کی، آپ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس کے ان

غرباء صحابہؓ سے تعلق رکھتے تھے، جن کے بارے میں قرآن پاک کی آیات نازل ہوئیں ،حضرات صحابہؓ آپ کی غربت پر رشک کرتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ خاص کا مرکز تھے، حضرت مجعؓ معرکہ بدر میں ایک کافر عمرو بن حضرمی کے تیر سے زخمی ہوئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی شہادت کی اطلاع ہوئی تو بے اختیار فرمایا، آج مجع سید الشہداء ہیں۔

حضرت سعد بن خثیمہ انصاریؓ

آپ قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے، آپؓ ان بارہ مدنی بزرگوں میں شامل تھے جو بیعت عقبہ میں شریک ہوئے اور جن کی جرأت ایمانی نے مکہ کے مظلوم مسلمانوں کو حوصلہ بخشا تھا، آپ عمرو بن وڈ یا طیمہ بن عدی کے ہاتھوں شہید ہوئے،

حضرت بشر انصاریؓ

آپؓ انصار کے قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے والد کا اسم گرامی عبد المنذر تھا اپنے بھائی ابولبابہ کے ساتھ شریک بدر ہوئے، ابوثور کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔

حضرت عمیر بن حمامؓ

عمیر بن الحمام انصاریؓ قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا رشتۂ مواخات حضرت عبیدہ بن الحارثؓ سے قائم کیا تھا، یہ دونوں بھائی میدان بدر میں شہید ہوئے، میدان بدر میں جب جنگ زوروں پر تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آج کافروں سے لڑتے لڑتے جو بھی شہید ہوگا اللہ کی جنت اس کا استقبال کرے گی، حضرت عمیرؓ اس وقت کھجوریں کھا رہے تھے، واہ واہ (بخ بخ) کہتے ہوئے اٹھے کھجوریں زمین پر پھینک دیں اور فرمایا، آج میرے اور جنت کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوسکتی، آگے بڑھے اور تلوار لہراتے ہوئے کفار پر ٹوٹ پڑے اور خالد بن الاعلم کے ہاتھوں شہید ہوئےؓ۔

حضرت یزیدؓ بن حارث

آپؓ قبیلہ نجار سے تعلق رکھتے تھے اور رشتہ مواخات میں ذوالشمالینؓ سے وابستہ تھے دونوں ہی میدان بدر میں شہادت کے اعزاز سے سرفراز ہوئے، آپ کو طعیمہ بن عدی یا نوفل بن معاویہ نے شہید کیا۔

حضرت رافعؓ

آپ کے والد کا اسم گرامی معلی تھا، قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، معرکہ بدر میں عکرمہ بن ابی جہل کے ہاتھوں شہید ہوئے، رضی اللہ عنہ۔

حضرت حارث یا حارثہؓ

حارثہ بن سراقہؓ انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، والدہ کا نام ربیع النضر تھا، یہ حضرت انسؓ کی پھوپی تھیں، حضرت حارثہؓ باقاعدہ جنگ کرنے کے لئے میدان بدر نہیں گئے تھے؛ بلکہ ایک مبصر کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے، لیکن حبان عرقہ کے ہاتھوں شہید ہوئے، علامہ ابن حجر عسقلانی اور طبرانی نے آپ کو شہداء بدر میں شمار کیا ہے مگر واقدی لکھتے ہیں کہ حضرت حارثہ میدان بدر میں حوض کے کنارے پانی پی رہے تھے کہ اچانک ایک تیر آپ کے حلق میں لگا جو آپ کی شہادت کا سبب بنا، ان کی شہادت کی خبر ان کی والدہ کو مدینہ منورہ پہونچی تو آپ نے قسم کھائی کہ، جب تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخیر و عافیت مدینہ منورہ نہیں آجاتے اور مجھے اپنی زبان مبارک سے میرے بیٹے کی خبر نہیں سناتے، میں اس کے لئے نہ روؤں گی نہ ہی گریہ کروں گی۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے واپس شریف لائے تو حضرت حارثہؓ کی والدہ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں یارسول اللہ، حارثہ کی شہادت سے مجھے جو صدمہ ہوا ہے وہ آپ جانتے ہیں، مگر میں نے فیصلہ کیا تھا جب تک یہ خبر آپ سے نہ سن لوں کسی قسم کا

گریہ وزاری نہیں کرونگی، اگر وہ جنت کا حقدار ہے تو مجھے گریہ وزاری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بصورت دیگر اتنا رووں گی کہ زمین و آسمان تھرا اٹھیں گے، غمزدہ ماں کی بات جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنی تو فرمایا تم کیوں غمزدہ ہوتی ہو وہ تو جنت الفردوس میں شاداں وفرحاں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے بشارت پاکر ربیع النضرؓ صبر کے ساتھ اٹھیں اور کہنے لگیں، اب میں اپنے بیٹے کے لئے نہیں رووں گی۔

حضرت عوفؓ

والد کا اسم گرامی حارث والدہ کا عفرا تھا، آپ اپنے مشہور چھوٹے بھائیوں معاذؓ اور معوذؓ کے ساتھ میدان بدر میں پہنچے اس کے بعد آپ دوڑے دوڑے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ وہ کونسا کام ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوجاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی وخوش ہوتا ہے جوزرہ کی پرواہ کئے بغیر لڑائی میں شریک ہوجاتا ہے، یہ سنتے ہی حضرت عوفؓ نے زرہ اتاری اور میدان کارزار میں کود پڑے اور اپنی شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے، آپؓ ابوجہل کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

حضرت معاذؓ اور معوذؓ

انصار کے یہ دو کم سن مگر معروف بھائی معاذؓ اور معوذؓ حضرت حارث کے نامور فرزند تھے اور قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، بیعت عقبہ میں شریک تھے، یہی وہ نوجوان تھے جو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے اشارے پر ابوجہل پر ٹوٹ پڑے اور اسے زخمی کر کے گھوڑے سے نیچے گرادیا، ان کی تلوار کے زخم کے بعد ابوجہل دوبارہ نہ اٹھ سکا اور دیر تک موت وحیات کی کشمکش میں تڑپتا رہا؛ حتی کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ان کا سر کاٹ دیا، عکرمہ نے ان شاہین صفت نوجوانوں کو اپنے باپ پر جھپٹتے دیکھا تو حضرت معاذؓ کے بازو پر وار کیا جس

سے آپ کا بازو کٹ گیا، مگر لٹکتا ہوا بازو چونکہ لڑائی میں رکاوٹ تھا اس لئے حضرت معاذؓ خود اپنے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبایا اور بازو کو علحدہ پھینک کر شریک جہاد رہے، حضرت معاذؓ اسی ایک بازو کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت تک زندہ رہے، حضرت عثمانؓ فرمایا کرتے تھے کہ معاذؓ کا دوسرا بازو میں ہوں کیونکہ یہ بازو میرے آقا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن کو کیفر کردار تک پہنچانے میں کٹا تھا اور حضرت معوذؓ کو ابو مسافع نے شہید کر دیا۔

اہل بدر کے فضائل

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہؓ کے قصہ میں حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

لَعَلَّ اللہ اطلع الی اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد وجبت لکم الجنۃ۔
تحقیق اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف نظر فرمائی اور یہ کہہ دیا جو چاہے کرو جنت تمہارے لئے واجب ہو چکی"۔

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل بدر کو کیا سمجھتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل اور بہتر، جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا، اسی طرح وہ فرشتے جو بدر میں حاضر ہوئے تھے سب فرشتوں سے افضل اور بہتر ہیں۔

اصحاب بدر کے فضائل میں سب سے بڑی فضیلت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی زبان مبارک کے ذریعہ جنت کی بشارت دی" وجبت لکم الجنۃ" اے اصحاب بدر تمہارے لئے جنت واجب ہو گئی، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لن یدخل النار احد شھد بدرا (جو شخص بدر میں حاضر ہوا وہ جہنم میں نہ جائے گا، یہ بھی ان کے فضائل میں ہے کہ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نازل کیا اور ان فرشتوں نے اصحاب بدر کے ساتھ مل کر

دشمنان اسلام سے جنگ کی۔

خواص و برکات

ان فضائل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کے اسماء میں عجیب وغریب برکت اور غیر معمولی خواص رکھے ہیں، جن کا بزرگوں نے بارہا مشاہدہ کیا ہے، اور عجیب تاثیر پائی ہے، حضرت برہان الدین حلبی مشائخ حدیث کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اہل بدر کے اسماء ذکر کر کے جو دعا مانگی جاتی ہے مقبول ہوتی ہے، بارہا اس کا تجربہ ہوا ہے، اور جن مریضوں نے اہل بدر کے وسیلہ سے اپنے لئے شفا کی دعا مانگی ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا عطا فرمائی، حضرت جعفر بن عبداللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا میرے والد نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ علیہم الرضوان سے محبت رکھوں اور یہ کہ اپنی تمام مہمات میں اہل بدر کے وسیلہ سے دعا مانگوں، نیز انہوں نے فرمایا تھا کہ بیٹے اہل بدر کے اسماء مبارکہ کے واسطے سے جو دعا مانگی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے، انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جب کوئی بندہ اہل بدر کے اسماء کا ذکر کرتا ہے، ان کے ذکر کے ساتھ دعا مانگتا ہے تو اس وقت مغفرت، رحمت، برکت، رضا اور رضوان اس بندہ کو گھیر لیتی ہے۔

صاحب مشکوۃ نے اہل بدر کے اسمائے مبارکہ **"الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب"** کے حوالے سے جو نقل کیا ہے، اسی کے مطابق ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

اسمائے گرامی حضرات بدریین مہاجرین رضی اللہ عنہم اجمعین

سید المہاجرین، امام البدریین، اشرف الخلائق، خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

۱۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
۲۔ ابوحفص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
۳۔ ابوعبداللہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
۴۔ ابوالحسن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۵۔ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ
۶۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
۷۔ انسہ حبشی مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
۸۔ ابوکبشہ فارسی مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
۹۔ ابومرثد کناز بن حصن رضی اللہ عنہ
۔ مرثد ابن ابی مرثد رضی اللہ عنہ
۱۱۔ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ
۱۲۔ طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ
۱۳۔ حصین بن حارث رضی اللہ عنہ
۱۴۔ مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ
۱۵۔ ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
۱۶۔ سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ
۱۷۔ صبیح مولیٰ ابی العاص امیہ رضی اللہ عنہ
۱۸۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ
۱۹۔ عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ
۲۰۔ شجاع بن وھب رضی اللہ عنہ
۲۱۔ عتبہ بن وھب رضی اللہ عنہ
۲۲۔ یزید بن رقیش رضی اللہ عنہ
۲۳۔ ابوسنان بن محصن رضی اللہ عنہ
۲۴۔ سنان بن ابی سنان رضی اللہ عنہ
۲۵۔ محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ
۲۶۔ ربیعہ بن اکثم رضی اللہ عنہ
۲۷۔ ثقف بن عمرو رضی اللہ عنہ
۲۸۔ مالک بن عمرو رضی اللہ عنہ
۲۹۔ مدلج بن عمرو رضی اللہ عنہ
۳۰۔ سوید بن مخشی رضی اللہ عنہ
۳۱۔ عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ
۳۲۔ حضرت مولیٰ بن غزوان رضی اللہ عنہ
۳۳۔ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ
۳۴۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ
۳۵۔ سعد کلبی مولیٰ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ
۳۶۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ
۳۷۔ سویبط بن سعد رضی اللہ عنہ
۳۸۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ
۳۹۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
۴۰۔ عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
۴۱۔ مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ
۴۲۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
۴۳۔ مسعود بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
۴۴۔ ذوالشمالین بن عبد عمرو رضی اللہ عنہ

۴۵۔ خباب بن الارت رضی اللہ عنہ
۴۶۔ بلال بن رباح مولیٰ ابی بکر رضی اللہ عنہ
۴۷۔ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ
۴۸۔ صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ
۴۹۔ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ
۵۰۔ ابو سلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ
۵۱۔ شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ
۵۲۔ ارقم ابی الارقم رضی اللہ عنہ
۵۳۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ
۵۴۔ معتب بن عوف رضی اللہ عنہ
۵۵۔ زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ
۵۶۔ مجع مولیٰ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
۵۷۔ عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ
۵۸۔ عبد اللہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ
۵۹۔ واقد بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ
۶۰۔ خولیٰ بن ابی خولیٰ رضی اللہ عنہ
۶۱۔ مالک بن ابی خولیٰ رضی اللہ عنہ
۶۲۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
۶۳۔ عامر بن بکیر رضی اللہ عنہ
۶۴۔ عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ
۶۵۔ خالد بن بکیر رضی اللہ عنہ
۶۶۔ ایاس بن بکیر رضی اللہ عنہ
۶۷۔ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ
۶۸۔ عثمان بن مظعون جمحی رضی اللہ عنہ
۶۹۔ سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ
۷۰۔ قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ
۷۱۔ عبد اللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ
۷۲۔ معمر بن حارث رضی اللہ عنہ
۷۳۔ خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ
۷۴۔ ابو سبرۃ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ
۷۵۔ عبد اللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ
۷۶۔ عبد اللہ بن سہل بن عمرو رضی اللہ عنہ
۷۷۔ عمیر بن عوف مولیٰ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ
۷۸۔ سعد بن خولۃ رضی اللہ عنہ
۷۹۔ ابو عبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ
۸۰۔ عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ
۸۱۔ سہیل بن وہب رضی اللہ عنہ
۸۲۔ صفوان بن وہب رضی اللہ عنہ
۸۳۔ عمرو بن ابی سرح رضی اللہ عنہ
۸۴۔ وہب بن سعد رضی اللہ عنہ

۸۵۔ حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ
۸۶۔ عیاض بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ
۸۷۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

اسمائے گرامی حضرات بدریین انصار رضی اللہ عنہم اجمعین

۸۸۔ عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ
۸۹۔ حارث بن اوس بن معاذ رضی اللہ عنہ
۹۰۔ حارث بن انس رضی اللہ عنہ
۹۱۔ سعد بن زید رضی اللہ عنہ
۹۲۔ سلمہ بن سلامۃ بن وقش رضی اللہ عنہ
۹۳۔ عباد بن بشر بن وقش رضی اللہ عنہ
۹۴۔ سلمہ بن ثابت بن وقش رضی اللہ عنہ
۹۵۔ رافع بن یزید رضی اللہ عنہ
۹۶۔ حارث بن خزمہ رضی اللہ عنہ
۹۷۔ محمد بن مسلمۃ رضی اللہ عنہ
۹۸۔ سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ
۹۹۔ ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ
۱۰۰۔ عبید بن التیہان رضی اللہ عنہ
۱۰۱۔ عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ
۱۰۲۔ قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ
۱۰۳۔ عبید بن اوس رضی اللہ عنہ
۱۰۴۔ نصر بن الحارث رضی اللہ عنہ
۱۰۵۔ معتب بن عبید رضی اللہ عنہ
۱۰۶۔ عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ
۱۰۷۔ مسعود بن سعد رضی اللہ عنہ
۱۰۸۔ ابوعبس بن جبیر رضی اللہ عنہ
۱۰۹۔ ابوبردہ ہانی بن نیار رضی اللہ عنہ
۱۱۰۔ عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ
۱۱۱۔ معتب بن قشیر رضی اللہ عنہ
۱۱۲۔ عمرو بن معبد رضی اللہ عنہ
۱۱۳۔ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ
۱۱۴۔ مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ
۱۱۵۔ سعد بن عبید بن النعمان رضی اللہ عنہ
۱۱۶۔ سعد بن عبید النعمان رضی اللہ عنہ
۱۱۷۔ عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ
۱۱۸۔ رافع بن عنجدہ رضی اللہ عنہ
۱۱۹۔ عبید بن ابی عبید رضی اللہ عنہ
۱۲۰۔ ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ
۱۲۱۔ ابولبابۃ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ

۱۲۲۔حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ
۱۲۳۔حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۲۴۔عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ
۱۲۵۔انیس بن قتادہ رضی اللہ عنہ
۱۲۶۔معن بن عدی رضی اللہ عنہ
۱۲۷۔ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ
۱۲۸۔عبداللہ بن سلمہ رضی اللہ عنہ
۱۲۹۔زید بن اسلم رضی اللہ عنہ
۱۳۰۔ربعی بن رافع رضی اللہ عنہ
۱۳۱۔عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ
۱۳۲۔عاصم بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۳۳۔ابوضیاح بن ثابت رضی اللہ عنہ
۱۳۴۔ابوحنۃ بن ثابت رضی اللہ عنہ
۱۳۵۔سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ
۱۳۶۔حارث بن النعمان رضی اللہ عنہ
۱۳۷۔خوات بن جبیر بن النعمان رضی اللہ عنہ
۱۳۸۔منذر محمد رضی اللہ عنہ
۱۳۹۔ابوعقیل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
۱۴۰۔سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ
۱۴۱۔منذر بن قدامۃ رضی اللہ عنہ
۱۴۲۔[illegible] بن قدامۃ رضی اللہ عنہ
۱۴۳۔حارث بن عرفجہ رضی اللہ عنہ
۱۴۴۔تمیم مولی سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ
۱۴۵۔جبر بن عتیک رضی اللہ عنہ
۱۴۶۔مالک بن نمیلہ رضی اللہ عنہ
۱۴۷۔نعمان بن عصر رضی اللہ عنہ
۱۴۸۔خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ
۱۴۹۔سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ
۱۵۰۔عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
۱۵۱۔خلّاد بن سوید رضی اللہ عنہ
۱۵۲۔بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ
۱۵۳۔سماک بن سعد رضی اللہ عنہ
۱۵۴۔سبیع بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۵۵۔عباد بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۵۶۔عبداللہ بن عبس رضی اللہ عنہ
۱۵۷۔یزید بن حارث رضی اللہ عنہ
۱۵۸۔خبیب بن اساف رضی اللہ عنہ
۱۵۹۔عبداللہ بن زید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
۱۶۰۔حریث بن زید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
۱۶۱۔سفیان بن بشر رضی اللہ عنہ

۱۶۲۔تمیم بن یُعار رضی اللہ عنہ
۱۶۳۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
۱۶۴۔زید بن المزین رضی اللہ عنہ
۱۶۵۔عبداللہ بن عرفطہ رضی اللہ عنہ
۱۶۶۔عبداللہ بن ربیع رضی اللہ عنہ
۱۶۷۔عبداللہ ﷺ بن عبداللہ بن ابی
۱۶۸۔اوس بن خولیٰ رضی اللہ عنہ
۱۶۹۔زید بن ودیعہ رضی اللہ عنہ
۱۷۰۔عقبہ بن وہب رضی اللہ عنہ
۱۷۱۔رفاعہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۷۲۔عامر بن سلمہ رضی اللہ عنہ
۱۷۳۔معبد بن عباد رضی اللہ عنہ
۱۷۴۔عامر بن البکیر رضی اللہ عنہ
۱۷۵۔نوفل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
۱۷۶۔عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ
۱۷۷۔اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ
۱۷۸۔نعمان بن مالک رضی اللہ عنہ
۱۷۹۔ثابت بن ہزال رضی اللہ عنہ
۱۸۰۔مالک بن دعشم رضی اللہ عنہ
۱۸۱۔ربیع بن ایاس رضی اللہ عنہ
۱۸۲۔ورقہ بن ایاس رضی اللہ عنہ
۱۸۳۔عمرو بن ایاس رضی اللہ عنہ
۱۸۴۔مجذر بن زیاد رضی اللہ عنہ
۱۸۵۔عباد بن خشخاش رضی اللہ عنہ
۱۸۶۔نحاب بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
۱۸۷۔عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
۱۸۸۔عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
۱۸۹۔ابودجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ
۱۹۰۔منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۹۱۔ابواسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
۱۹۲۔مالک بن مسعود رضی اللہ عنہ
۱۹۳۔عبدربہ بن حق رضی اللہ عنہ
۱۹۴۔کعب بن جماز رضی اللہ عنہ
۱۹۵۔ضمرۃ بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۹۶۔زیاد بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۹۷۔بسبس بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۹۸۔عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ
۱۹۹۔قراش بن مہ رضی اللہ عنہ
۲۰۰۔حباب بن منذر رضی اللہ عنہ
۲۰۱۔عمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ

۲۰۲۔تمیم مولیٰ خراش رضی اللہ عنہ
۲۰۳۔عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ
۲۰۴۔معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ
۲۰۵۔معوذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ
۲۰۶۔خلاد بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ
۲۰۷۔عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
۲۰۸۔حبیب بن اسود رضی اللہ عنہ
۲۰۹۔ثابت بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
۲۱۰۔عمیر بن الحارث رضی اللہ عنہ
۲۱۱۔بشر بن البراء رضی اللہ عنہ
۲۱۲۔طفیل بن مالک رضی اللہ عنہ
۲۱۳۔طفیل بن النعمان رضی اللہ عنہ
۲۱۴۔سنان بن صیفی رضی اللہ عنہ
۲۱۵۔عبداللہ بن جذ بن قیس رضی اللہ عنہ
۲۱۶۔عتبہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
۲۱۷۔جبار بن صخر رضی اللہ عنہ
۲۱۸۔خارجہ بن حمیر رضی اللہ عنہ
۲۱۹۔عبداللہ بن حمیر رضی اللہ عنہ
۲۲۰۔یزید بن المنذر رضی اللہ عنہ
۲۲۱۔معقل بن المنذر رضی اللہ عنہ
۲۲۲۔عبداللہ بن النعمان رضی اللہ عنہ
۲۲۳۔ضحاک بن حارثہ رضی اللہ عنہ
۲۲۴۔سعاد بن زریق رضی اللہ عنہ
۲۲۵۔معبد بن قیس رضی اللہ عنہ
۲۲۶۔عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ
۲۲۷۔عبداللہ بن مناف رضی اللہ عنہ
۲۲۸۔جابر بن عبداللہ بن ریاب رضی اللہ عنہ
۲۲۹۔خلید بن قیس رضی اللہ عنہ
۲۳۰۔نعمان بن سنان رضی اللہ عنہ
۲۳۱۔ابوالمنذر یزید بن عامر رضی اللہ عنہ
۲۳۲۔سلیم بن عمرو رضی اللہ عنہ
۲۳۳۔قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
۲۳۴۔عنترہ مولی سلیم بن عمرو رضی اللہ عنہ
۲۳۵۔عبس بن عامر رضی اللہ عنہ
۲۳۶۔ثعلبہ بن غنمہ رضی اللہ عنہ
۲۳۷۔ابوالیسر کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ
۲۳۸۔سہل بن قیس رضی اللہ عنہ
۲۳۹۔عمرو بن طلق رضی اللہ عنہ
۲۴۰۔معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
۲۴۱۔قیس بن محصن رضی اللہ عنہ

۲۴۲۔حارث بن قیس رضی اللہ عنہ
۲۴۳۔حبیر بن ایاس رضی اللہ عنہ
۲۴۴۔سعد بن عثمان رضی اللہ عنہ
۲۴۵۔عقبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ
۲۴۶۔ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ
۲۴۷۔مسعود بن خلدہ رضی اللہ عنہ
۲۴۸۔عباد بن قیس رضی اللہ عنہ
۲۴۹۔اسعد بن یزید رضی اللہ عنہ
۲۵۰۔فاکہ بن بشیر رضی اللہ عنہ
۲۵۱۔معاذ بن ماعص رضی اللہ عنہ
۲۵۲۔عائذ بن ماعص رضی اللہ عنہ
۲۵۳۔مسعود بن سعد رضی اللہ عنہ
۲۵۴۔رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ
۲۵۵۔خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ
۲۵۶۔عبید بن زید رضی اللہ عنہ
۲۵۷۔زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ
۲۵۸۔فروہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
۲۵۹۔خالد بن قیس رضی اللہ عنہ
۲۶۰۔جبلہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
۲۶۱۔عطیہ بن نویرہ رضی اللہ عنہ
۲۶۲۔خلیفہ بن عدی رضی اللہ عنہ
۲۶۳۔عمارۃ خرم رضی اللہ عنہ
۲۶۴۔سراقہ بن کعب رضی اللہ عنہ
۲۶۵۔حارثہ بن النعمان رضی اللہ عنہ
۲۶۶۔سلیم بن قیس رضی اللہ عنہ
۲۶۷۔سہیل بن قیس رضی اللہ عنہ
۲۶۸۔عدی بن زغبار رضی اللہ عنہ
۲۶۹۔مسعود بن اوس رضی اللہ عنہ
۲۷۰۔ابوخزیمہ بن اوس رضی اللہ عنہ
۲۷۱۔رافع بن حارث رضی اللہ عنہ
۲۷۲۔عوف بن حارث رضی اللہ عنہ
۲۷۳۔معوذ بن حارث رضی اللہ عنہ
۲۷۴۔معاذ بن حارث رضی اللہ عنہ
۲۷۵۔نعمان بن عمر رضی اللہ عنہ
۲۷۶۔عامر بن مخلد رضی اللہ عنہ
۲۷۷۔عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ
۲۷۸۔عصیمہ اشجعی رضی اللہ عنہ
۲۷۹۔ودیقہ بن عمر رضی اللہ عنہ
۲۸۰۔ابوالحمراء مولیٰ حارث بن عفراء رضی اللہ عنہ
۲۸۱۔ثعلبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

۲۸۲۔ سہیل بن عتیک رضی اللہ عنہ

۲۸۳۔ حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ

۲۸۴۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

۲۸۵۔ انس بن معاذ رضی اللہ عنہ

۲۸۶۔ اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ

۲۸۷۔ ابوشیخ ابی بن ثابت رضی اللہ عنہ

۲۸۸۔ ابوطلحہ زید بن سھل

۲۸۹۔ حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ

۲۹۰۔ عمرو بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ

۲۹۱۔ سلیط بن قیس رضی اللہ عنہ

۲۹۲۔ ابوسلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ

۲۹۳۔ ثابت بن خنساء رضی اللہ عنہ

۲۹۴۔ عامر بن امیہ رضی اللہ عنہ

۲۹۵۔ محرز بن عامر رضی اللہ عنہ

۲۹۶۔ سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ

۲۹۷۔ ابوزید قیس بن سکن رضی اللہ عنہ

۲۹۸۔ ابوالاعور بن حارث رضی اللہ عنہ

۲۹۹۔ سلیم بن ملحان رضی اللہ عنہ

۳۰۰۔ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ

۳۰۱۔ قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ

۳۰۲۔ عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ

۳۰۳۔ عصیمہ اسدی رضی اللہ عنہ

۳۰۴۔ ابوداؤد عمیر بن عامر رضی اللہ عنہ

۳۰۵۔ سراقہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

۳۰۶۔ قیس بن مخلد

۳۰۷۔ نعمان بن عبدعمرو رضی اللہ عنہ

۳۰۸۔ حماک بن عبدعمرو رضی اللہ عنہ

۳۰۹۔ سلیم بن حارث رضی اللہ عنہ

۳۱۰۔ جابر بن خالد رضی اللہ عنہ

۳۱۱۔ سعد بن سہیل رضی اللہ عنہ

۳۱۲۔ کعب بن زید رضی اللہ عنہ

۳۱۳۔ بجیرہ بن ابی بجیرہ رضی اللہ عنہ

۳۱۴۔ عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ

۳۱۵۔ ملیل بن دبرہ رضی اللہ عنہ

۳۱۶۔ عصمہ بن الحصین

۳۱۷۔ بلال بن المعلی رضی اللہ عنہ

عہد فاروقی میں ابن مسعود کا وظیفہ چھ ہزار درہم سالانہ مقرر تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وصال

حضرت عبداللہ بن مسعود نے ۳۲ یا ۳۳ء میں مدینہ میں وفات پائی۔ حارث بن سوید ان کی تیمارداری کرنے آئے تو ان کو یہ فرمان رسول سنایا، اللہ اپنے بندۂ مومن کی توبہ سے اس مسافر کی خوشی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جسے آخری وقت میں اپنی کھوئی ہوئی سواری اور زادراہ واپس مل جائے۔ (مسلم: ۷۰۵۵)

بستر مرگ پر تھے کہ سیدنا عثمان عیادت کے لیے آئے اور پوچھا، کیا تکلیف محسوس کر رہے ہیں؟ کہا، اپنے گناہوں کا درد ہو رہا ہے۔ سیدنا عثمان نے سوال کیا، کیا آرزو ہے؟ اپنے رب کی رحمت کی تمنا ہے۔ انھوں نے کہا، میں آپ کے لیے طبیب کا بندوبست کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ جواب ملا، طبیب ہی نے مجھے بیمار کیا ہے۔ پھر انھوں نے کچھ مال و دولت عطیہ کرنے کی پیش کش کی تو ابن مسعود نے کہا، مجھے اس کی حاجت نہیں۔ سیدنا عثمان نے کہا، یہ آپ کی بیٹیوں کے کام آئے گا۔ جواب دیا، کیا آپ میری بیٹیوں پر غربت آنے کا اندیشہ رکھتے ہیں؟ میں نے انھیں نصیحت کر رکھی ہے کہ ہر رات کو سورۂ واقعہ کی تلاوت کریں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے، ''جو ہر شب سورۂ واقعہ کی تلاوت کرے گا اس پر کبھی فاقہ نہ آئے گا۔'' حضرت عثمان نے یہ بات اس لیے کی، کیونکہ انھوں نے دو سال سے ان کا وظیفہ بند کر رکھا تھا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت زبیر بن عوام سیدنا عثمان کے پاس آئے اور کہا، عبداللہ کے وارث وظیفے کی رقم پر زیادہ حق رکھتے ہیں۔ تب سیدنا عثمان نے پندرہ ہزار درہم دیے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خلیفۂ دوم سیدنا عمر کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود اور کوفہ کے کئی مال داروں نے سرکاری وظیفہ لینا از خود بند کر دیا تھا۔ ابن مسعود بغداد کے نواح میں واقع راذان کی جائیداد پر گزارا کرتے رہے۔ وفات کے وقت ان کے پاس نوے ہزار مثقال سونا تھا، گھریلو سامان، غلام اور مویشی ان کے علاوہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی نماز جنازہ

حضرت عبداللہ بن مسعود کی نماز جنازہ سیدنا عثمان نے پڑھائی۔ آخری آرام گاہ جنت البقیع میں ہے۔ عمر چھیاسٹھ برس ہوئی۔ ایک شاذ روایت کے مطابق انتقال کوفہ میں ہوا۔ایک دوسری روایت کے مطابق نماز جنازہ زبیر بن عوام نے پڑھائی اور تدفین ان کی وصیت کے مطابق رات کے وقت جنت البقیع میں کی گئی۔ سیدنا عثمان کو تدفین کا علم نہ ہوسکا تو وہ زبیر پر ناراض ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے بسملہ سے ابتدا کر کے وصیت لکھنا شروع کی۔ حضرت زبیر بن عوام اور حضرت عبداللہ بن زبیر کو اپنا وصی بنایا اور کہا، یہ دونوں میرے ترکہ کے بارے میں جو فیصلہ کریں گے روا ہوگا۔ میری بیٹیاں ان کی مرضی ہی سے نکاح کر سکیں گی، میری بیوہ زینب کو نہ روکا جائے۔ (مستدرک حاکم، رقم ۵۳۷۳)

فلاں غلام پانسو درہم ادا کرنے کے بعد آزاد ہو جائے گا۔ دو سو درہم کا کفن پہنایا جائے اور عثمان بن مظعون کی قبر کے پاس دفنایا جائے۔

فقیہ امت کا حلیہ

فقیہ امت حضرت عبداللہ بن مسعود نحیف و لاغر، پستہ قامت اور سیاہی مائل گندم گوں تھے۔ پیٹ بڑا اور ٹانگیں دبلی تھیں۔ بال سرخ اور لمبے تھے جو کانوں تک آتے۔ ان کی لٹیں کانوں پر یا ان کے پیچھے پڑی رہتیں۔ خضاب نہ لگاتے تھے۔ سفید لباس پہنتے، عطر لگاتے، ان کے پاس سے ایک مہک سی آتی۔ رات کے اندھیرے میں اسی مہک سے ان کو پہچانا جاسکتا تھا۔ لوہے کی انگوٹھی پہنتے۔ کہتے تھے، جب سے مسلمان ہوا ہوں، دن چڑھے نہیں سویا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ذہین اور باریک بین تھے۔ ظاہری وضع قطع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود انتہائی احتیاط سے اس خوف کے ساتھ فرمان نبوی سناتے

کہ کہیں غلط بات منہ سے نہ نکل جائے۔حدیث روایت کرتے ہوئے ان پر لرزہ طاری ہو جاتا اور پیشانی پسینے سے تر ہوجاتی۔(مستدرک حاکم، رقم ۵۳۷۴) کہتے ،شیطان انسانی صورت دھار لیتا ہے اور لوگوں کو جھوٹی باتیں بتاتا ہے۔پھر سننے والا کہتا ہے، میں نے ایک شخص سے سنا ہے جس کا چہرہ تو یاد ہے لیکن نام نہیں آتا۔(مسلم:۱۸)

حضرت عمرو بن میمون کہتے ہیں، میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس ایک سال تک جاتا رہا،اس پورے عرصہ میں انھوں نے محض ایک بار 'قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' کہا۔تب کرب کی وجہ سے ان کے ماتھے سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ان کے شاگرد علقمہ بتاتے ہیں، ابن مسعود ہر جمعرات کی شام کھڑے ہوکر وعظ کرتے۔میں نے انھیں صرف ایک دفعہ 'قال رسول اللہ' کہتے سنا، دیکھا کہ جس عصا سے وہ ٹیک لگائے کھڑے تھے ،لڑکھڑا رہا تھا۔اس کے باوجود تاریخ اسلامی کے کئی اہم واقعات مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر معراج ان کے روایت کردہ ہیں۔

رفع یدین کے متعلق حضرت عبداللہ ابن مسعود اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایات

تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین یعنی ہاتھوں کے اٹھانے میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ تمام علماء وائمہ اس بات پر متفق ہیں۔کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا چاہئے۔تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواقع پر رفع یدین کا مسئلہ حنفیہ وشوافع کے درمیان ایک معرکۃ الآراء مسئلے کی حیثیت رکھتا ہے۔حنفیہ کے نزدیک صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا چاہئے اور شوافع کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع یدین کرنا چاہئے۔

حق تو یہ ہے کہ دونوں طرف دلائل کے انبار ہیں اور احادیث و آثار کے ذخائر ہیں جن کی بنیادوں پر طرفین اپنے اپنے مسلک کی عمارت کھڑی کرتے ہیں۔علمائے حنفیہ نے تمام احادیث میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ان حضرات کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو رفع یدین کرتے ہوں اور کبھی نہ کرتے ہوں، یا یہ کہ پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کرتے تھے لیکن بعد میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواقع کے لئے رفع یدین کو منسوخ قرار دے دیا گیا۔

احناف کے پاس اپنے مسلک کی تائید میں بہت زیادہ احادیث و آثار ہیں انہیں یہاں ذکر کیا جاتا ہے تاکہ حنفی مسلک پوری طرف واضح ہو جائے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ترمذی میں دو باب قائم کئے ہیں۔ پہلا باب تو رکوع کے وقت رفع یدین کا ہے۔اس کے ضمن میں امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل کی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ دوسرا باب یہ ہے کہ" ہاتھ اٹھانا صرف نماز کی ابتداء کے وقت دیکھا گیا ہے" اس باب کے ضمن میں امام جامع ترمذی نے حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث جو عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ" حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے رفقاء سے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ادا کرتا ہوں" چنانچہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز ادا کی اور انہوں نے صرف پہلی مرتبہ ہی (یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت) ہاتھ اٹھائے۔اسی باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہونا ثابت کیا ہے۔نیز امام موصوف نے کہا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حسن ہے اور صحابہ و تابعین میں سے اکثر اہل علم اس کے قائل ہیں اور سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ و اہل کوفہ کا قول بھی یہی

ہے۔

جامع الاصول میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو ابوداؤد و سنن نسائی کے حوالے سے اور براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو بھی ابوداؤد کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ" حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے تھے تو (تکبیر تحریمہ کے وقت) دونوں ہاتھ اپنے دونوں کندھوں کے قریب تک اٹھاتے تھے اور ایسا دوبارہ نہیں کرتے تھے۔ اور ایک دوسری روایت میں یوں کہ" پھر دوبارہ ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو جاتے تھے۔" اس موقع پر اتنی سی بات اور سنتے چلیے کہ اس حدیث کے بارے میں ابوداؤد نے جو یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک صحیح ہونے سے مراد یہ ہو کہ اس خاص سند و طریق سے صحیح ثابت نہیں لہٰذا ایک خاص سند و طریق سے صحیح ثابت نہ ہونا اصل حدیث کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ یا پھر یہ احتمال ہے کہ ابوداؤد کا مقصد اس حدیث کو حسن ثابت کرنا ہو جیسا کہ ترمذی نے کہا ہے لہٰذا اس صورت میں کہا جائے گا تمام ائمہ و محدثین کے نزدیک حدیث حسن قابل استدلال ہوتی ہے۔

حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب" موطا" میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کو جس سے رکوع اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین ثابت ہوتا ہے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔ یہ سنت ہے کہ ہر مرتبہ جھکنے اور اٹھنے کے وقت تکبیر کہی جائے لیکن رفع یدین سوائے ایک مرتبہ (یعنی تحریمہ کے وقت) کے دوسرے مواقع پر نہ ہو اور یہ قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے اور اس سلسلے میں بہت زیادہ آثار وارد ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد عاصم ابن کلیب خرمی کی ایک روایت جسے عاصم نے اپنے والد مکرم

سے جو حضرت علی المرتضیٰ کے تابعین میں سے ہیں روایت نقل کی ہے کہ" حضرت علی کرم اللہ وجہہ سوائے تکبیر اولیٰ کے رفع یدین نہیں کرتے تھے۔"

عبدالعزیز ابن حکم کی روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ" میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا وہ ابتداء نماز میں پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے اس کے علاوہ اور کسی موقع پر رفع یدین نہیں کرتے تھے۔"

مجاہد کی روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے چنانچہ وہ صرف تکبیر اولیٰ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ اسود سے منقول ہے کہ" میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ صرف تکبیر اولیٰ کے موقع پر رفع یدین کرتے تھے۔"

لہٰذا۔ جب حضرت عمر، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت قرب رکھتے تھے ترک رفع یدین پر عمل کرتے تھے تو وہ عمل جو اس کے برخلاف ہے قبول کرنے کے سلسلے میں اولیٰ اور بہتر نہیں ہوگا۔

شرح ابن ہمام میں ایک روایت دار قطنی اور ابن عدی سے نقل کی گئی ہے جسے انہوں نے محمد ابن جابر سے انہوں نے حماد ابن سلیمان سے انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے علقمہ سے اور انہوں نے عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ عبداللہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہمراہ نماز پڑھی ہے چنانچہ انہوں نے سوائے تکبیر اولیٰ کے اور کسی موقع پر رفع یدین نہیں کیا۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہا اللہ تعالیٰ علیہما مکہ کے دار الخیاطین میں جمع ہوئے۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ

سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ حضرت امام صاحب نے جواب دیا اس لئے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کچھ صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے! امام اوزاعی نے فرمایا کہ مجھے زہری نے حضرت سالم کی یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے اپنے والد حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اولیٰ کے وقت، رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔" حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ مجھ سے حماد نے ان سے ابراہیم نے اور ان سے علقمہ اور اسود نے اور ان دونوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ابتداء نماز میں دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور دوبارہ ایسا نہیں کرتے تھے۔" یہ روایت سن کر امام اوزاعی نے کہا کہ میں نے تو زہری سے نقل کیا اور انہوں نے سالم سے اور انہوں نے اپنے باپ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے اور انہوں نے سالم سے اور انہوں نے اپنے باپ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے اور آپ اس کے مقابلے میں حماد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابراہیم سے اور انہوں نے عقلمہ سے نقل کیا ہے یعنی میری بیان کردہ سند آپ کی بیان کردہ سند سے عالی اور افضل ہے۔

حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ" اگر یہی بات ہے تو پھر سنو کہ حماد، زہری سے زیادہ فقیہ ہیں اور ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور اسی طرح علقمہ بھی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں فقہ میں کم نہیں ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت وصحابیت کا شرف حاصل ہے۔ نیز اسود کو بھی بہت زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ اور عبداللہ تو خود عبداللہ ہیں۔ یعنی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف وتوصیف کیا کی جائے کہ علم فقہ میں اپنی عظمت شان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

رفاقت وصحبت کی سعادت وشرف کی وجہ سے مشہور ہیں۔"

گویا۔امام اوزاعی نے تو اسناد کے عالی ہونے کی حیثیت سے حدیث کو ترجیح دی اور حضرت امام اعظم نے راویان حدیث کے فقیہ ہونے کے اعتبار سے حدیث کو ترجیح دی۔ چنانچہ حضرت امام اعظم کا اصول یہی ہے کہ وہ فقیہ راوی کو غیر راویوں پر ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔

نہایہ شرح ہدایہ میں" عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جو رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کر رہا تھا، انہوں نے اس آدمی سے کہا کہ ایسا مت کرو کیونکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اختیار کیا تھا اور بعد میں اسے ترک کر دیا یعنی ان مواقع پر رفع یدین کا حکم پہلے تھا اب منسوخ ہو گیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کیا تو ہم نے بھی رفع یدین کیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ترک کر دیا تو ہم نے بھی ترک کر دیا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ" عشرہ مبشرہ (یعنی وہ دس خوش نصیب صحابہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی ہی میں جنتی ہونے کی خوشخبری دی تھی) صرف ابتداء نماز ہی میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔"

حضرت مجاہد حضرت عبداللہ ابن عمر کا معمول نقل کرتے ہیں کہ" میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر کے پیچھے سالہا سال نماز ادا کی ہے مگر میں نے اس کو سوائے ابتداء نماز کے اور کسی موقع پر رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ حالانکہ حضرت عبداللہ ابن عمر کی وہ روایت گزر چکی ہے۔ جس سے تینوں مواقع پر رفع یدین کا اثبات ہوتا ہے اور جو شوافع کی سب سے اہم دلیل

ہے۔لہٰذا اصول حدیث کا چونکہ قاعدہ ہے کہ راوی کا عمل اگر خود اس کی روایت کے خلاف ہو تو روایت پر عمل نہیں کیا جاتا اس لئے حضرت عبداللہ ابن عمر کی وہ روایت ساقط العمل قرار دی جائے گی۔

بہر حال۔ان روایات و آثار سے معلوم ہوا کہ رفع یدین دونوں کے اثبات میں احادیث و آثار وارد ہیں اور صحابہ کی ایک جماعت خصوصاً حضرت عبداللہ مسعود اور ان کے تابعین رفع یدین نہ کرنے ہی کے حق میں ہیں۔لہٰذا۔ان تمام موافق و مخالف احادیث کا محمول یہی ہوسکتا ہے کہ ہم یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوقات مختلفہ میں دونوں طریقے وجود میں آئے ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ کے علم فقہ اور ان کی اسناد کا نقطہ منتہا حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ان کے تابعین کی ذات گرامی ہے اور چونکہ ان کا رجحان عدم رفع یدین کی طرف ہے اس لئے امام اعظم ابوحنیفہ کے ترک رفع یدین کے مسلک ہی کو اختیار کیا ہے اور اب تمام حنفیہ اسی مسلک کے حامی اور اس مسلک پر عامل ہیں۔

علمائے حنفیہ صرف اسی قدر نہیں کہتے بلکہ ان حضرات کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر مواقع پر رفع یدین کا حکم منسوخ ہے کیونکہ جب حضرت عبداللہ ابن عمر کے بارے میں یہ ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ترک رفع یدین ہی اختیار کرتے تھے باوجود اس کے کہ رفع یدین کی حدیث کے راوی یہی ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ پہلے تو رفع یدین کا حکم رہا ہوگا مگر بعد میں یہ حکم باوجود کثرت احادیث و آثار کے منسوخ ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مسئلے کی پوری تفصیل اپنی کتاب شرح سفر السعادۃ میں نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہاں پیش کیا گیا ہے۔ان کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ ان کے نزدیک رفع یدین اور عدم رفع یدین دونوں ہی سنت ہیں مگر رفع یدین نہ کرنا ہی اولیٰ اور راجح ہے البتہ دیگر علماء حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ رفع یدین کا حکم اور طریقہ

منسوخ ہے۔ واللہ اعلم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود سے چار سو اڑتالیس احادیث مروی ہیں۔ ان میں ایک سو بیس صرف بخاری میں اور پینتیس صرف مسلم میں ہیں جب کہ چونسٹھ احادیث متفق علیہ ہیں، یعنی بخاری و مسلم دونوں میں بیان ہوئی ہیں۔ مکررات شامل کر کے باقی کتب حدیث میں شامل مرویات کی کل تعداد آٹھ سو چالیس ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان ہوگا وہ آگ (جہنم) میں داخل نہیں ہوگا۔ (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، عمر، سعد بن معاذ اور صفوان بن عسال سے حدیث روایت کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرنے والوں میں شامل ہیں، ان کے بیٹے، عبدالرحمان اور ابوعبیدہ، ان کے بھتیجے عبداللہ بن عتبہ، ان کی اہلیہ زینب ثقفیہ، صحابہ میں سے عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن زبیر، ابورافع، ابوشریح خزاعی، ابوسعید خدری، جابر بن عبداللہ، انس، ابو جحیفہ، ابوامامہ، ابو طفیل، عمران بن حصین، عمرو بن حارث، حجاج بن مالک، عبداللہ بن حارث، ابوہریرہ، کلثوم بن مصطلق اور طارق بن شہاب۔ تابعین میں سے علقمہ، اسود، مسروق، ربیع بن خثیم، قاضی شریح، ابووائل شقیق، زید بن وہب، احنف بن قیس، زر بن حبیش، ابوعمرو شیبانی، عبیدہ بن عمرو، عبداللہ بن شداد، عمرو بن میمون، عمرو بن شرحبیل، مالک بن ابوعامر، مستورد بن احنف، ابواسود دؤلی، عبدالرحمان بن ابولیلیٰ، قیس بن ابوحازم، ابوعثمان نہدی، حارث بن سوید، عوف بن مالک، کمیل بن زیاد اور ربعی بن خراش۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے انہیں خوشخبری دی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص قرآن کو اس طرح تروتازہ پڑھنا چاہتا ہے جس طرح وہ نازل ہوا، اسے چاہیے کہ ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کی قراءت کے مطابق پڑھے۔ (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارا اذن (گھر میں آنے کے لئے) یہی ہے کہ پردہ اٹھاؤ، اور تم میری رازدارانہ گفتگو بھی سن سکتے ہو، حتیٰ کہ میں منع کردوں۔'' (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: سب سے پہلے اسلام کا اظہار کرنے والے سات حضرات ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر، عمار، ان کی والدہ سمیہ، صہیب، بلال اور مقداد رضی اللہ عنہم۔ رسول اللہ کو تو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب کے ذریعے سے (مشرکین کی اذیتوں سے) محفوظ رکھا، ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ نے ان کی قوم کے ذریعے سے محفوظ رکھا، باقی جو حضرات تھے انہیں مشرکوں نے پکڑ لیا، انہیں لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا، چنانچہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس نے (جان بچانے کے لئے زبان سے) مشرکین کے مطلب کی بات نہ کہہ دی ہو، سوائے بلال رضی اللہ عنہ کے۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جان کی پروانہ کی اور ان کی قوم کی نظر میں بھی ان کی کوئی قدر نہ تھی (اس لئے کوئی ان کی حمایت میں نہیں بولتا تھا) کافروں نے انہیں پکڑ کر بچوں کے حوالے کر دیا۔ وہ انہیں مکہ کی گھاٹیوں میں لیے (گھسیٹتے) پھرتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہتے تھے: اَحد اَحد (اللہ ایک ہے، ایک ہے۔) (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث سنائی وہ (خود بھی) سچے تھے اور انہیں (اللہ کی طرف سے بھی) سچی

خبر ملی۔ (آپ نے فرمایا:) ''انسان کا مادۂ تخلیق اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن (قطرے کی صورت میں) جمع رہتا ہے، پھر اتنی ہی مدت کے لئے (جمے ہوئے خون کی) پھٹکی یا لوتھڑا بن جاتا ہے، پھر اتنا ہی عرصہ گوشت کا ٹکڑا بنا رہتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے جسے چار باتوں (کے لکھنے) کا حکم دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس کے اعمال، اس کی عمر اور اس کا رزق لکھ دے اور یہ بھی کہ وہ بدقسمت ہوگا یا خوش قسمت۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ایک آدمی جنتیوں والے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس پر (تقدیر کی) تحریر غالب آجاتی ہے اور وہ جہنمیوں والا عمل کر کے جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔ (اسی طرح) ایک آدمی جہنمیوں والے اعمال کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ جہنم سے ایک ہاتھ دور رہ جاتا ہے، پھر اس پر (تقدیر کا) لکھا غالب آجاتا ہے، چنانچہ وہ جنتیوں والا عمل کر کے جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔'' (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو صادق اور مصدوق ہیں کہ تم میں سے ہر ایک کا مادہ پیدائش (نطفہ) اپنی والدہ کے بطن میں جمع رہتا ہے پھر چالیس دن خون کی بوند رہتا ہے پھر اتنے ہی دنوں تک مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) کی شکل میں رکھا جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے اور چار باتوں کا حکم دیتا ہے یعنی اس سے کہا جاتا ہے کہ اس کا عمل، رزق، موت اور شقی ہے یا سعید یہ چار باتیں لکھ دے پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے پس کوئی تم میں سے نیک عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو قسم کا لکھا اس پر غالب آجاتا ہے اور وہ اہل جہنم جیسے کام کرنے شروع کر دیتا ہے اور کوئی دوزخیوں والے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے

لیکن نوشتہ تقدیر اس پر غالب آجاتا ہے اور وہ اہل جنت جیسے عمل کرنے شروع کر دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم ایک غار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے تو سورت مرسلات نازل ہوئی تو ہم اس سورت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سیکھنے لگے تو ایک سانپ اپنے بل سے نکلا ہم اسے مارنے کے لئے دوڑے لیکن وہ ہم پر سبقت لے کر اپنے بل میں داخل ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ تمہارے شر سے بچ گیا جس طرح تم اس کے شر سے بچ گئے ہو۔ اسرائیل، اعمش، ابراہیم، علقمہ، عبداللہ بن مسعود بھی اسی طرح روایت کرتے ہیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے تروتازہ سیکھ رہے تھے۔ اسرائیل کی متابعت ابوعوانہ نے کی انہوں نے مغیرہ سے روایت کی ہے۔ حفص، ابومعاویہ، سلیمان بن قرم نے اعمش سے انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے اسود سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی ''وہ جو ایمان لائے اور نہ ملایا انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے (الانعام: ۸۲) تو ہم نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم میں سے کون شخص ہے جو اپنی جان پر ظلم نہیں کرتا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس طرح نہیں ہے جس طرح تم کہہ رہے ہو ''وہ جو ایمان لائے اور نہ ملایا انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے'' کیا تم نے حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو یہ نصیحت نہیں سنی۔ اے میرے بیٹے! اللہ کا کسی کو شریک نہ کرنا بیشک شرک بڑا ظلم ہے (لقمان: ۱۳)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی آدمی کو ایک آیت پڑھتے سنا اور وہ آیت میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی سنی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے

خلاف پڑھی تھی میں اسے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ واقعہ عرض کیا تو میں نے دیکھا کہ آپ کے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ انور پر ناپسندیدگی کے آثار ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں صحیح ہو لیکن آپس میں اختلاف نہ کرنا کیونکہ تم سے پہلے اختلاف کے باعث ہلاک ہو گئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرہ ادا کرنے کے لئے (مکہ) گئے تو وہ (مکہ میں) امیہ بن حلف ابوصفوان کے ہاں ٹھہرے اور امیہ جب شام کی طرف جاتا تو وہ مدینہ سے گزرتا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرتا تھا۔ تو امیہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا انتظار کریں یہاں تک کہ دوپہر ہو جائے اور لوگ غافل ہو جائیں اس وقت طواف کعبہ کرلیں سو جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ طواف کعبہ کر رہے تھے تو ابوجہل آ گیا تو اس نے کہا کہ کون ہے جو کعبہ کا طواف کر رہا ہے پس حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں سعد ہوں۔ ابوجہل نے کہا کہ تم اطمینان سے کعبہ کا طواف کر رہے ہو درآں حالانکہ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پناہ دی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں (ہم نے پناہ دی ہے) پس وہ دونوں باآواز بلند بحث کرنے لگے، تو امیہ نے کہا حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہ ابوالحکم (ابوجہل) کے سامنے اپنی آواز بلند نہ کریں کیونکہ یہ اہل وادی کا سردار ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ اگر تم نے مجھے کعبۃ اللہ کا طواف کرنے سے روکا تو میں تمہارا شام کا تجارتی سفر ختم کردوں گا۔ پس امیہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہتا رہا کہ اپنی آواز بلند نہ کریں اور وہ آپ رضی اللہ عنہ کو روکتا رہا پس حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے امیہ سے کہا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ وہ خیال فرماتے ہیں کہ وہ تجھے (امیہ) کو قتل کر دیں گے۔ امیہ نے کہا مجھے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں (تمہیں) امیہ نے کہا اللہ کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی بات کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جھوٹ نہیں بولتے پس وہ

امیہ اپنی بیوی کے پاس گیا اور اس کو کہا کہ کیا تو جانتی ہے جو میرے یثربی بھائی نے مجھ سے کہا ہے؟ تو امیہ کی بیوی نے کہا کہ اس نے کیا کہا امیہ نے کہا کہ ان کا خیال ہے کہ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ مجھے (امیہ) کو قتل کر دیں گے تو امیہ کی بیوی نے کہا اللہ کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی حدیث کہتے ہیں کہ جب یہ لوگ وادی بدر کی طرف نکلے اور کسی پکارنے والے نے پکارا تو امیہ کی بیوی نے امیہ کو کہا کیا تم کو وہ یاد ہے جو تمہارے یثربی بھائی نے تم سے کہا تھا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اب (امیہ) نے ارادہ کیا کہ وہ نہ نکلے پس امیہ سے ابوجہل نے کہا بے شک تو اس وادی کے سرداروں سے ہے تو ایک یا دو دن کے لئے ہمارے ساتھ چل پس وہ چلا دو دن ان کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند شق ہو کر دو ٹکڑے ہوا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گواہ ہو جاؤ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کرائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ پر لے جایا گیا اور سدرہ چھٹے آسمان پر ہے، زمین سے اوپر جانے والی چیزیں سدرہ پر جا کر رک جاتی ہیں پھر انہیں وصول کیا جاتا ہے اور اوپر سے نیچے آنے والی چیزیں اس تک آ کر رک جاتی ہیں پھر انہیں وصول کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سدرہ کو ڈھانپ لیا جس چیز نے ڈھانپ لیا یعنی سونے کے پروانوں نے حضرت عبد اللہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین چیزیں دی گئیں۔ پانچ نمازیں، سورت بقرہ کا آخری حصہ اور شرک کے سوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے تمام گناہوں کی معافی۔

(مسلم، سنن نسائی: ۴۵۴)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے تھے، انہوں نے کہا کہ وہ امیہ بن خلف کے (جاہلیت کے زمانے سے)

دوست تھے اور جب بھی امیہ مدینہ سے گزرتا تو ان کے یہاں قیام کرتا تھا۔ اسی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب مکہ سے گزرتے تو امیہ کے یہاں قیام کرتے۔ جب مکہ مکرمہ میں امیہ کے پاس ٹھہرے تو انہوں نے امیہ سے فرمایا مجھے تنہائی کا ایسا وقت بتاؤ کہ بیت اللہ کا طواف کرسکوں تو یہ اس کے ساتھ دوپہر کے وقت نکلے تو ان دونوں کو ابوجہل مل گیا اور کہنے لگا اے ابو صفوان (امیہ) یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ امیہ نے جواب دیا کہ یہ سعد ہیں تو ابوجہل نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بڑے اطمینان سے کعبۃ اللہ کا طواف کررہے ہو حالانکہ تم لوگوں نے دین سے پھرنے والوں کو پناہ دے رکھی ہے جب کہ تمہارا خیال ہے کہ تم ان کی مدد اور اعانت کررہے ہو خدا کی قسم اگر تمہارے ساتھ ابوصفوان (امیہ) نہ ہوتا تو تم اپنے اہل وعیال کی جانب صحیح وسالم لوٹ کر نہ جاسکتے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے جواب دیا اللہ کی قسم اگر تو مجھے طواف کرنے سے روکے گا تو میں تجھے ایسی چیز سے روک دوں گا جو تجھ پر اس سے بھی گراں گزرے گی یعنی مدینہ کے راستے شام کی طرف تجارت امیہ نے ان سے کہا اے سعد! ابوالحکم کے سامنے آواز بلند نہ کرو یہ وادی کے سردار ہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے امیہ! زیادہ حمایت نہ کرو اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ تمہیں قتل کریں گے پوچھا کیا مکہ میں؟ جواب دیا میں اور کچھ نہیں جانتا امیہ اس خبر سے بڑا خوفزدہ ہوا اور اپنی بیوی سے جا کر کہنے لگا اے ام صفوان! تمہیں معلوم ہے کہ سعد نے میرے متعلق کیا کہا ہے؟ اس نے پوچھا بتاؤ تو سہی انہوں نے تمہارے متعلق کیا کہا؟ اس نے بتایا کہ وہ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو خبر دی ہے کہ وہ مجھے قتل کریں گے میں نے ان سے پوچھا کیا مکہ مکرمہ میں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اور کچھ معلوم نہیں اس پر امیہ کہنے لگا خدا کی قسم میں کبھی مکہ سے باہر نہیں نکلوں گا جب جنگ بدر کا موقع آیا تو ابوجہل نے لوگوں سے کہا لڑائی کے لئے نکلو اور اپنے قافلے کو بچاؤ لیکن امیہ نے

نکلنا پسند نہ کیا پس ابوجہل اس کے پاس آکر کہنے لگا اے ابوصفوان! جب تک لوگ تمہیں پیچھے رکا ہوا دیکھیں گے تو وہ بھی رکے رہیں گے کیونکہ تم وادی کے سردار ہو ابوجہل برابر اصرار کرتا رہا تو اس نے کہا جب تم نے مجھے مجبور کر دیا تو خدا کی قسم میں ایسا تیز رفتار اونٹ خریدوں گا (بھاگنے میں) جس کا کوئی جواب نہ ہو پھر امیہ نے کہا اے ام صفوان! میرے لئے سامان سفر تیار کر وہ کہنے لگی اے ابوصفوان! معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں اپنی یثربی (مدنی) بھائی کی بات یاد نہیں ہے اس نے جواب دیا میں وہ بات بھولا نہیں بلکہ صرف تھوڑی دور تک ان کا ساتھ دینے جا رہا ہوں جب امیہ نکل گیا تو ہر منزل پر اونٹ پیچھے باندھتا اور برابر اسی طرح کرتا رہا یہاں تک کہ میدان میں بدر میں جا پہنچا جہاں اللہ تعالیٰ نے اسے قتل کروا دیا۔

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مقدار بن اسود کا ایک ایسا فعل دیکھا کہ اگر وہ مجھے حاصل ہو تو میں اسے دنیا کی ہر نعمت سے عزیز تر سمجھتا بات یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ آپ کافروں سے لڑنے کے لئے مسلمانوں کو بلا رہے تھے تو انہوں نے عرض کی: ہم ہرگز وہ بات نہیں کہیں گے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی کہ تم اور تمہارا رب دونوں جا کر لڑو بلکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں بائیں آگے پیچھے پروانہ وار لڑیں گے پس میں نے دیکھا کہ ان کی بات سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ دمک اٹھا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبلہ رو ہو کر قریش کے کچھ افراد (سرداروں) کی ہلاکت کے لئے دعا کی یعنی شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ اور ابوجہل بن ہشام کے لئے پس اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے میدان بدر کے اندر پڑے ہوئے دیکھا کہ دھوپ سے ان کی لاشیں پھول گئی تھیں اور

وہ گرم ترین دن تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی تو ابراہیم نے کہا نہیں معلوم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز کی چار رکعتیں پڑھیں یا پانچ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پھیرا تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا نماز کے متعلق کوئی نیا حکم آیا ہے۔ فرمایا کیا ہوا صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنی اتنی رکعتیں پڑھی ہیں یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاؤں پھیرے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دو سجدہ سہو کیے اور سلام پھیر کر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا نماز کے متعلق کوئی نیا حکم آتا تو تمھیں خبردار کرتا لیکن میں بھی تمہاری طرح ایک آدمی ہوں بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو جب میں بھول جاؤں تو یاد دلا دیا کرو۔ اور جب کوئی تم میں اپنی نماز میں شک کرے تو ٹھیک بات سوچ لے پھر اسی کے مطابق اپنی نماز پوری کرے پھر سلام پھیر لے اور دو سجدہ سہو کرے۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے جھوٹی قسم کھائی تا کہ اس قسم کے ذریعے کسی کا مال ہضم کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی "بے شک جو لوگ خریدتے ہیں اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت یہ وہ (بدنصیب) ہیں کہ کچھ حصہ نہیں ان کے لئے آخرت میں" راوی نے بتایا کہ پس حضرت اشعث بن قیس آئے اور پوچھا تمہیں ابوعبید نے کیا حدیث بیان کی، ہم نے کہا کہ اس طرح اور اس طرح تو انہوں نے کہا کہ یہ آیت میرے بارے نازل ہوئی ہے انہوں نے کہا کہ میرے چچازاد بھائی کی زمین میں میرا ایک کنواں تھا (ہم دونوں کا اس کے متعلق جھگڑا ہوگیا) تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم گواہ پیش کرو ورنہ اس کی قسم پر فیصلہ ہوگا میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ تو قسم اٹھا لے گا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا جس شخص نے حلف اٹھا کر از خود قسم اٹھائی تا کہ وہ اس کے ذریعے کسی مسلمان مرد کے مال پر قبضہ کرے اور وہ اس قسم میں جھوٹا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تم ان دونوں کی پیروی جو میرے صحابہ میں سے ہیں اور میرے بعد خلیفہ ہوں گے، وہ ابوبکر اور عمر ہیں، عمار بن یاسر کی سیرت اور ان کی راہ روش اختیار کر کے سیدھی سچی راہ پر چلو اور ام عبد کے بیٹے (عبداللہ ابن مسعود) کے عہد کو مضبوط پکڑو اور ایک دوسری روایت میں، جو حضرت حذیفہ سے مروی ہے" ام عبداللہ کے بیٹے کے عہد کو پکڑو" کے بجائے یہ الفاظ ہیں کہ: ابن مسعود تم سے جو حدیث بیان کریں (اور دین کے احکام و مسائل سے متعلق جو بات بتائیں) اس میں ان کو راست گو جانو۔" (ترمذی)

اور میرے بعد خلیفہ ہوں گے" یہ ترجمہ حضرت شیخ عبدالحق کے ترجمہ کے مطابق ہے۔ جب کہ ملا علی قاری کے مطابق ترجمہ یوں ہونا چاہئے کہ: تم میری وفات کے بعد یا میری پیروی کے بعد ان دونوں کی پیروی کرو جو میرے صحابہ میں سے ہیں اور وہ ابوبکر و عمر ہیں پس نحوی اعتبار سے ابوبکر و عمر بدل یا بیان ہم الذین کا۔

سیدھی سچی راہ پر چلو" واضح ہو کر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے تعلق سے تو" اقتدا" کا لفظ لایا گیا ہے جب کہ حضرت عمار بن یاسر کے تعلق سے" اہتدا" کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے اقتداء میں اہتداء سے زیادہ عمومیت ہے بایں جہت کہ" اقتداء" میں قول اور فعل، دونوں کا لحاظ ہوتا ہے جب کہ" اہتدا" کا تعلق صرف فعل سے ہوتا ہے گویا اقتداء تو مطلق پیروی کرنے کو کہتے ہیں خواہ فعل میں ہو یا قول میں اور اہتداء فقط فعل کی پیروی کو کہتے ہیں۔

حدیث کے ان الفاظ میں نہ صرف یہ کہ حضرت عمار بن یاسر کی فضیلت وکمال کو ذکر ہے کہ ان کا کوئی بھی فعل وعمل جادہ حق سے ہٹا ہوا نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ اس سے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا برحق اور مبنی بر صداقت ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، کیونکہ امیر المؤمنین حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ کے درمیان جو معرکہ آرائی پیش آئی تھی اس میں حضرت عمار سیدنا حضرت علی کے ساتھ تھے۔

ام عبد کے بیٹے کے عہد" میں" عہد" سے مراد قول اور وصیت ہے، یعنی عبداللہ ابن مسعود دینی احکام ومسائل میں جو بات کہیں اور جو تلقین ووصیت کریں اس کو پلے باندھ لو اور اس پر پوری طرح عمل کرو، چنانچہ یہی وہ حکم رسول ہے جس کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے اپنی فقہ کی ایک مضبوط بنیاد بتایا ہے۔ استنباط مسائل میں حضرت امام اعظم، خلفاء اربعہ کے بعد تمام صحابہ میں سے سب سے زیادہ جس صحابی کی روایت اور قول کو اختیار کرتے ہیں وہ حضرت عبداللہ بن مسعود ہی ہیں جس کے کمال فقاعت اور اخلاص وصیت میں کسی کو شبہ نہیں تو رپشتی نے بھی عہد کے تقریبا یہی معنی بیان کئے ہیں لیکن انہوں نے اپنے نزدیک اس بات کو اولی قرار دیا ہے کہ" ام عبد کے عہد" سے مراد" خلافت" کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن مسعود کی رائے اور ان کا فیصلہ" ہے گویا اس ارشاد رسالت کے ذریعہ امت کو ہدایت کی گئی کہ وصال نبوی کے بعد خلافت کے بارے میں عبداللہ ابن مسعود اپنی جس رائے اور جس فیصلہ کا اظہار کریں اسی سے تم سب لوگ رہنمائی حاصل کرو، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر کی خلافت کی حقانیت وصحت کی گواہی سب سے پہلے حضرت عبداللہ ابن مسعود ہی نے دی اور تمام اکابر صحابہ کی رائے اور مشورہ خلافت صدیق کے قیام میں شامل رہا، ان کی گواہی سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ استحقاق خلافت میں ہم اس ہستی کو پیچھے کیسے رکھ سکتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے مرض وفات میں ہماری نماز کی امامت کے

لئے) آگے کیا تھا یہ ممکن ہی نہیں کہ جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (امامت نماز کی صورت میں) ہمارے دینی پیشوائی کے لئے منتخب کیا تھا اس کو ہم (بصورت خلافت) اپنی دنیاوی قیادت کے لئے منتخب نہ کریں ۔ اسی طرح کا مضمون سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے بھی منقول ہے، بہرحال حدیث کے اول اقتدوا بالذین من بعدای ابوبکر وعمر اور آخری جز تمسکوا بعہد ابن ام عبد کے درمیان جو مناسبت ہے اس کو تو تورپشتی کے اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن دوسری روایت میں حضرت حذیفہ نے جو الفاظ نقل کئے ہیں ان سے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ "عہد" سے مراد" قول اور وصیت" ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آٹھ سو اڑتالیس احادیث منقول ہیں۔ بخاری و مسلم نے چونسٹھ احادیث بالاتفاق روایت کیں ہیں۔ بخاری اکیس احادیث کے روایت کرنے میں منفرد ہیں اور مسلم نے پینتیس احادیث روایت کیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن صفات سے متصف تھے مثلاً قدامت اسلام اور طویل صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ مذکورہ صدر احادیث سے زیادہ احادیث روایت کرتے ۔انہوں نے تمام عصر نبوت کو بچشم خود دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے بھرپور استفادہ کیا۔وہ حدیثیں یاد کرنے کے حریص بھی تھے اس کے ساتھ ساتھ ان کا حافظہ بھی بہت قوی تھا۔دنیوی ساز وسامان سے انہیں چنداں دلچسپی نہ تھی۔مگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ بہت کم عرصہ تک زندہ رہے اور جس طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حدیثوں کی اشاعت کے لئے طویل مدت ملی تھی ان کو نہ مل سکی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انداز خطاب

حضرت عبداللہ بن مسعود اچھے خطیب تھے۔ان کے خطبات عمدہ ادب کا نمونہ

ہوتے، امثال کا خوب استعمال کرتے۔ خطبا کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، لوگوں سے اس طرح مخاطب ہو کہ وہ تم پر نظریں گاڑ دیں اور کان تمھاری طرف لگا دیں۔ حاضرین کی طرف سے عدم توجہی محسوس کرو تو بات ختم کر دو۔ ان کا ایک خطبہ نقل کیا جاتا ہے۔ ''سب سے سچا کلام اللہ کی کتاب، قرآن مجید ہے۔ بہترین زادِ راہ اور قابل اعتماد ترین شے تقویٰ ہے۔ بہترین ملت، ملت ابراہیمی ہے۔ بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ بہترین ہدایت انبیا کی سجھائی ہوئی ہدایت ہے۔ بہترین گفتگو اللہ کا ذکر ہے۔ سب سے اعلیٰ بیان قرآن مجید ہے۔ بدترین کام ہیں جو کتاب وسنت کے بعد گھڑے جائیں۔ بہترین کام ہیں جو پختہ اور معتدل ہوں۔ جو کلام مختصر ہو اور وضاحت کا محتاج نہ ہو اس گفتگو سے کہیں بہتر ہے جو لمبی ہو اور ذہن کو منتشر کر دے۔ اپنے نفس پر کنٹرول کر کے کج روی سے بچ جاؤ تو یہ اس حکمرانی سے بہت بہتر ہے جس میں عدل وانصاف کرنا تمھارے بس سے باہر ہو۔ بہترین دولت دل کی بے نیازی ہے۔ دل میں جاگزیں ہونے کے لیے یقین ہی بہترین اثاثہ ہے۔ شراب گناہوں کا گٹھا ہے۔ عورتیں شیطان کے دام (پھندے) کا کام دیتی ہیں۔ جوانی ایک طرح کا جنون ہے۔ تھوڑے (نیک کام) پر اکتفا کر لینا عاجزی اور (نیکی سے) محرومی کی کلید بن جاتا ہے۔ ایسے لوگ (منافقین) بھی ہیں جو آخری وقت میں آ کر نماز (باجماعت یا نماز جمعہ) میں شامل ہوتے ہیں اور اللہ کو تھوڑا ہی (مثلاً قسمیں کھانے کے لیے) یاد کرتے ہیں۔ بدترین جرم جھوٹ کی عادی زبان رکھنا ہے۔ بین عمل جاہلیت ہے۔ مومن کو گالی دینا فسق وکج رائی، اس سے جنگ کرنا کفر اور غیبت کر کے اس کا گوشت کھانا معصیت ہے۔ جو لوگ اللہ کے بارے میں جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ یوں یا اس طرح کرے گا یا فلاں کو دوزخ میں ڈالے گا، اللہ اس کا جھوٹا ہونا ثابت کر دیتا ہے۔ جو عفو و درگزر سے کام لیتا ہے، اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ نیکوکاروں کے دیوان میں لکھا ہے، جو معاف کرتا ہے، اس سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔ بد

بخت ہے جو ماں کے پیٹ ہی سے بدبختی لے کر آتا ہے۔خوش قسمت ہے جو دوسروں کے انجام سے نصیحت پکڑتا ہے۔معاملات اپنے حتمی نتائج سے یاد رکھے جاتے ہیں۔کسی کام کا خلاصہ یا نچوڑ اس کے انجام میں مضمر ہوتا ہے۔بدترین ملامت ہے جو موت آنے پر کی جائے۔بدترین ندامت ہے جو قیامت کے روز ہو۔بدترین گمراہی ہدایت پالینے کے بعد گمراہ ہونا ہے۔بہترین مال داری دل کی تونگری ہے۔بدترین کمائی سود سے حاصل ہونے والی کمائی ہے۔بدترین خوراک یتیم کا مال ہڑپ کرلینا ہے۔سب سے اعلیٰ موت شہادت پانا ہے۔جو مصیبت کا ادراک کرلیتا ہے،اسے صبر حاصل ہوجاتا ہے۔جو صعوبت کو سمجھ نہیں پاتا،کڑھتا رہتا ہے۔جو شیطان کا کہا مانتا ہے،اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے عذاب کا مستحق ہوجاتا ہے۔''جو حضرات خطبے کے اصل عربی متن سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں البیان والتبیین ملاحظہ فرمائیں۔

کوفہ حدیث وفقہ کی تعلیم کا مرکز

کوفہ میں پندرہ سو صحابہ کی آمد ہوئی اس لیے یہ حدیث اور فقہ کی تعلیم کا اہم مرکز بن گیا۔خلیفۂ چہارم سیدنا علی کی خلافت کے آخری چار سال کوفہ میں گزرے،ان کے فتووں کا اس شہر میں چرچا ہوا۔یہاں کے دوسرے بڑے فقیہ حضرت عبداللہ بن مسعود ہوئے۔ان کے شاگرد حضرت علقمہ بن قیس کو فقہ کے کوفی مکتب فکر کا بانی سمجھا جاتا ہے،علقمہ کے شاگرد ابراہیم نخعی فقہ ابن مسعود سے مالا مال ہوئے پھر حماد بن ابوسلیمان نے ان سے یہ علم پایا۔اسی شہر میں امام ابوحنیفہ نے جنم لیا،وہ اٹھارہ سال حماد کی تربیت میں رہے۔انھیں زین العابدین اور جعفر صادق سے بھی تلمذ رہا۔خود فرماتے ہیں،میں نے چار فقیہ صحابیوں حضرت عمر،علی،ابن مسعود اور ابن عباس کی فقہ الگ الگ ان کے شاگردوں سے سیکھی۔فقہ حنفی کس طرح وجود میں آیا، فقہائے حنفیہ کی وضع کردہ یہ تمثیل خوب وضاحت کرتی ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعود کی تخم

ریزی سے یہ مکتب فقہ کاشت ہوا، علقمہ نے آب پاشی کر کے اسے سینچا، ابراہیم نخعی نے اس کی فصل کاٹی، حماد نے چھان پھٹک کر صاف کیا، امام ابو حنیفہ نے چکی میں پیس کر اسے غلہ کی شکل دی، امام ابو یوسف نے اس کا آٹا گوندھا اور آخر کار امام محمد نے اس کی روٹی پکائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی کاشت کردہ فصل سے پکی ہوئی یہی روٹی ہے جو فقہ حنفی کے پیروکار اب تک کھا رہے ہیں۔

''السنن الکبریٰ'' میں بیہقی نے اور ''تنقیح'' میں ابن عبد الہادی نے حضرت ابن مسعود کے کمزور حافظے کا ذکر کیا ہے۔ اہل حدیث علما نے اس نکتہ کو خوب اٹھایا ہے، ان کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سوء حفظ کی وجہ سے اپنی روایات میں رفع یدین کا ذکر کرنا بھول گئے ہیں۔ ''فقیہ امت'' پر اس الزام کا غلط ہونا اس قدر واضح ہے کہ کسی تردید کی ضرورت نہیں۔

صاحب النعلین

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیوض و برکات حاصل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ جس چیز کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہو جاتی وہ اسے دنیا و مافیہا سے عزیز تر جانتے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے عمل کے باعث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ شعور بیدار ہو گیا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار و تبرکات کو محفوظ رکھتے۔ ان کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتے اور ان سے برکت حاصل کرتے۔ صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے ادوار کے بعد نسل در نسل ہر زمانے میں اکابر ائمہ و مشائخ، علماء و محدثین کے علاوہ خلفاء و سلاطین بھی تبرکات و آثارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خصوصی اہتمام کے ساتھ بڑے ادب و احترام سے محفوظ رکھتے اور اُن سے فیوض و برکات حاصل کرتے۔ خاص ایام پر بہت اہتمام کے ساتھ مسلمانوں کو ان کی زیارت کرائی جاتی، ان سے تبرک حاصل کیا جاتا، اور

ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔آئندہ صفحات میں اسی حوالے سے صحابہ وتابعین اور ائمہ کے معمولات ومشاہدات کا ذکر کیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو صاحب النعلین کا لقب حاصل ہے۔امام احمد مقری علیہ الرحمہ اسی صفحہ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے متعلق رقم طراز ہیں کہ ایک جماعت جن میں ابن سعد بھی ہیں، نے روایت کیا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کفش بردار اور دیگر اشیائے سنبھالنے اور اٹھانے والے تھے۔

جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیٹھتے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوجاتے اور اپنے نعلین مبارک پاؤں سے اتار لیتے اور اپنی آستینوں میں چھپالیتے اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوجاتے تو نعلین پہناتے اور آپکے ساتھ عصا پکڑ کر چلتے۔یہاں تک کہ آپ حجرہ مبارک میں داخل ہوجاتے۔(فتح المتعال فی مدح النعال مترجم ص **171**)

یوں تو خدمت اقدس میں عموماً صحابہ کرام حاضر رہا کرتے تھے مگر حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت انس اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم خاص نعلین شریفین کے خدمت گزار تھے۔

نعلین مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

بڑے بڑے فضلاء نے نعلین شریفین کے نقش کی برکتوں کے بارے میں مستقل تالیفات کی ہیں۔ابوجعفر احمد بن عبدالمجید جو کہ اپنے زمانہ کے بڑے نیک بزرگ گزرے ہیں۔فرماتے ہیں۔میں نے ایک طالب علم کو نعلین شریفین کا نقشہ دیا۔ایک دن وہ آیا اس نے بتایا کہ میں نے کل رات اس نقش کی برکت کو خود ملاحظہ کیا۔میری بیوی کو شدید درد ہوا۔قریب تھا کہ وہ جان دے دیتی۔میں نے اسی نعل شریف کا نقش اسی جگہ رکھا جہاں درد ہورہا تھا۔میں نے عرض کی اللھم ارنی برکۃ صاحب ہذا النعل یا اللہ مجھے اس نعل شریف والے کی برکتیں عطا

فرمایا تو اسی وقت وہ تندرست ہوگئی۔

امام ابو اسحاق سلمی الاندلسی جو ابن الحاج کے نام سے معروف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ابو القاسم بن محمد نے فرمایا کہ اس کی برکت تجربات سے پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے جو شخص اس سے تبرک حاصل کرنے کے لئے اسے پکڑتا ہے تو باغیوں کی بغاوت اور دشمنوں کے غلبہ پانے سے اس کو امان مل جاتی ہے۔ ہر سرکش شیطان کے شر سے اور ہر چشم بد کے اثر سے وہ محفوظ ہوجاتا ہے اور وہ عورت جسے زچگی کی تکلیف ہو اگر وہ اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ لے تو اس کی یہ تکلیف دور ہوجاتی ہے اور بچہ بفضلہ تعالیٰ آسانی سے ہوجاتا ہے۔

امام ابو بکر قرطبی علیہ الرحمہ نے اس کی تمثال کی برکات کے بارے میں پورا قصیدہ نقل کیا ہے۔ اس کے تین اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

ففعها علی اعلیٰ المفارق انها
حقیقتها تاج وصورتها نعل
باخمص خیر الخلق حازت مزیة
علی التاج حتی باهت المفرق الرجل
شفاء لذی سقم رجاء لبآئس
امان لذی خوف کذا یحسب الفضل

اس کو اپنے سر کی چوٹیوں پر رکھو۔ حقیقت میں یہ تاج سلطانی ہے۔ اگرچہ اس کی صورت جوتے کی سی ہے، یہ وہ نعل شریف ہے جسے خیر الخلق کے پاؤں کے تلوے کے ساتھ لگنے سے تاج پر بھی فضیلت حاصل ہوگئی۔ یہاں تک کہ وہ پاؤں سروں پر فضیلت لے گئے۔ یہ بیماری کے لئے شفا کا پیغام ہے۔ مایوسی کے لئے امید کی کرن ہے۔ خوفزدہ کے لئے امان کا پیغام ہے اور اسی طرح اس نعلین شریفین کے نقش کے فضائل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ (ضیاء النبی)

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ رحمتہ القوی مدارج النبوت میں فرماتے ہیں کہ مواہب میں اس کا تجربہ لکھا ہے کہ مقام درد پر نعلین شریفین کا نقشہ رکھنے سے درد سے نجات ملتی ہے اور پاس رکھنے سے راہ میں لوٹ مار سے محافظت ہوجاتی ہے اور شیطان کے مکروفریب سے امان میں رہتا ہے اور حاسد کے شروفساد سے محفوظ رہتا ہے۔ مسافت طے کرنے میں آسانی رہتی ہے اس کی تعریف و مدح اور اس کے فضائل میں قصیدے لکھے گئے ہیں (مدارج النبوت)

امام احمد مقری تلمسانی اس کے برکات وفوائد کے متعلق لکھتے ہیں۔ یہ جس لشکر میں ہو، اس کو کبھی شکست نہ ہو جس قافلے میں ہو وہ قافلہ لوٹ مار سے محفوظ رہے جس گھر میں ہو وہ گھر جلنے سے محفوظ رہے گا جس سامان میں ہو وہ چوری ہونے سے محفوظ رہے گا۔ جس کشتی میں ہو وہ ڈوبنے سے محفوظ رہے گی جو کوئی صاحب نقش نعل سے کسی حاجت میں توسط کرے وہ حاجت پوری ہو اور ہر مشکل آسان ہو۔ (فتح المتعال فی مدح النعال)

عشق کا مسلمہ ضابطہ ہے کہ جس سے ہوجائے اس سے نسبت رکھنی والی ہر شے محبوب ہوتی ہے خواہ عشق حقیقی ہو یا مجازی۔ یہی وجہ ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق و محبت کا دم بھرنے والے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت رکھنے والے شہر مقدس، آپ کے رفقاء یعنی صحابہ کرام، آپ کی آل پاک اور آپ کی سنن سے محبت و وارفتگی رکھتے ہیں۔ آپ کے مبارک قدموں سے لگنے والے پاپوش یعنی نعلین مبارک ان کے سروں کا تاج ہے۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے

جو سر پر رکھنے کو مل جائے نعلین پاک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
تو پھر کہیں گے کہ تاجدار ہم بھی ہے

مولانا حسن رضا خان علیہ الرحمہ

اوراعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ عرض گزار ہیں

ذرے جھڑ کے تیری پیزاروں کے
تاج سر بنتے ہیں سیاروں کے

(حدائق بخشش)

جس طرح عشاق کو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اظہار عشق کا بس موقع ہی ملنا چاہیے بعینہ اسی طرح مخالفین بھی ان پروانہ شمع رسالت پران کے عشق کے باعث اعتراض کرنے کا موقع ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ ماہ ربیع الاول میں چونکہ مولود نبوت جوش وخروش سے منایا جاتا ہے اور مسلمان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کی خاطر نعلین پاک کا نقش اپنے سروں اور دلوں پر آویزاں کرتے ہیں۔ یہ منکرین کو رنج میں ڈالتا ہے ایسے ہی مواقع پر قرآن پاک کا کیا خوب ارشاد مسلمانوں سے ہے چنانچہ ارشاد خداوندی عزوجل ہے۔

ان تمسسكم حسنة تسؤهم

اگر تم (مسلمانوں) کو کوئی چھوٹی سی بھلائی بھی پہنچے تو انہیں (منافقین) کو بری لگتی ہے (آل عمران: ۱۲۰)

معلوم چلا کہ مسلمانوں کو خوشی ملنے پر غم کرنا منافقین کا طریقہ ہے۔ یہ تو نقش وعکس کی بات ہے ہم صحابہ کرام علیہم الرضوان کا عمل ہدیہ ناظرین کرتے ہیں کہ انہیں اس سے والہانہ کس قدر محبت والفت تھی۔ آخر میں اس کی برکات وفوائد اور معاندین کے بے تکے اعتراضات کے جوابات بھی قلمبند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

امام احمد المقری التلمسانی علیہ الرحمہ اپنی تصنیف فتح المتعال فی مدح النعال میں تحریر فرماتے ہیں۔ محمد بن یحیی حضرت قاسم سے بیان کرتے ہیں۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھتے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوجاتے

اور اپنے نعلین مبارک پاؤں سے اتار لیتے اور اپنی آستینوں میں چھپا لیتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوجاتے تو نعلین پہناتے اور آپ کے ساتھ عصا پکڑ کر چلتے۔ یہاں تک کہ آپ حجرہ مبارک میں داخل ہوجاتے۔ (فتح المتعال فی مدح النعال)

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو صاحب النعلین کا لقب حاصل ہے۔ امام احمد مقری علیہ الرحمہ اسی صفحہ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے متعلق رقم طراز ہیں کہ ایک جماعت جن میں ابن سعد بھی ہیں، نے روایت کیا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کفش بردار اور دیگر اشیائے سنبھالنے اور اٹھانے والے تھے۔

(فتح المتعال فی مدح النعال)

ضیاء النبی میں پیر کرم شاہ الازہری جلد 5 ص 583 پر لکھتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاپوش بردار تھے۔

مسند احمد ابو یعلی، ابن حبان اور مستدرک میں حضرت ابو سعید حذری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کون ہے جو معانی قرآن پر اس طرح جہاد کرے گا جس طرح میں نے اس کے نزول پر کیا ہے؟ کسی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیا وہ ابوبکر ہیں؟ فرمایا نہیں۔ عرض کی کیا وہ عمر ہیں؟ فرمایا نہیں، اس کے بعد فرمایا یہ کام خاصف النعل ہی کریں گے (فتح المتعال فی مدح النعال مترجم ص 3)

خاصف النعل یعنی جوتے گانٹھنے والے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اقدس علیہ السلام کے نعلین شریف گانٹھا کرتے تھے، اس لئے یہ لقب ان کے حصہ میں آیا۔

یوں تو خدمت اقدس میں عموماً صحابہ کرام حاضر رہا کرتے تھے مگر حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت انس اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم خاص نعلین شریفین کے خدمت گزار تھے۔

یہ تو نعلین پاک کی اصل کے متعلق چند کلمات حوالہ قرطاس کیئے۔اب چند سطور نعلین پاک کے نقش وعکس وشبیہ کے متعلق بھی تحریر کی جاتی ہیں۔

بڑے بڑے فضلاء نے نعلین شریفین کے نقش کی برکتوں کے بارے میں مستقل تالیفات کی ہیں۔ابو جعفر احمد بن عبدالمجید جو کہ اپنے زمانہ کے بڑے نیک بزرگ گزرے ہیں۔فرماتے ہیں۔میں نے ایک طالب علم کو نعلین شریفین کا نقشہ دیا۔ایک دن وہ آیا اس نے بتایا کہ میں نے کل رات اس نقش کی برکت کو خود ملاحظہ کیا۔میری بیوی کو شدید درد ہوا۔قریب تھا کہ وہ جان دے دیتی۔میں نے اسی نعل شریف کا نقش اسی جگہ رکھا جہاں درد ہو رہا تھا۔میں نے عرض کی اللھم ارنی برکۃ صاحب ہذا النعل یا اللہ مجھے اس نعل شریف والے کی برکتیں عطا فرما تو اسی وقت وہ تندرست ہوگئی۔

امام ابو اسحاق سلمی الاندلسی جو ابن الحاج کے نام سے معروف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ابو القاسم بن محمد نے فرمایا کہ اس کی برکت تجربات سے پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے جو شخص اس سے تبرک حاصل کرنے کے لئے اسے پکڑتا ہے تو باغیوں کی بغاوت اور دشمنوں کے غلبہ پانے سے اس کو امان مل جاتی ہے۔ہر سرکش شیطان کے شر سے اور ہر چشم بد کے اثر سے وہ محفوظ ہو جاتا ہے اور وہ عورت جسے زچگی کی تکلیف ہو اگر وہ اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ لے تو اس کی یہ تکلیف دور ہو جاتی ہے اور بچہ بفضلہ تعالیٰ آسانی سے ہو جاتا ہے۔

امام ابوبکر قرطبی علیہ الرحمہ نے اس کی تمثال کی برکات کے بارے میں پورا قصیدہ نقل کیا ہے۔ اس کے تین اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں

ففعها على اعلى المفارق انها
حقيقتها تاج وصورتها نعل
باخمص خير الخلق حازت مزية

علی التاج حتی باھت المفرق الرجل
شفاء لذی سقم رجاء لبآئس
امان لذی خوف کذا یحسب الفضل

اس کو اپنے سر کی چوٹیوں پر رکھو۔ حقیقت میں یہ تاج سلطانی ہے۔ اگرچہ اس کی صورت جوتے کی سی ہے، یہ وہ نعل شریف ہے جسے خیر الخلق کے پاؤں کے تلوے کے ساتھ لگنے سے تاج پر بھی فضیلت حاصل ہوگئی۔ یہاں تک کہ وہ پاؤں سروں پر فضیلت لے گئے۔ یہ بیماری کے لئے شفا کا پیغام ہے۔ مایوسی کے لئے امید کی کرن ہے۔ خوفزدہ کے لئے امان کا پیغام ہے اور اسی طرح اس نعلین شریفین کے نقش کے فضائل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(ضیاء النبی جلد 5 ص 603 تا 604)

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ رحمۃ القوی مدارج النبوت میں فرماتے ہیں کہ مواہب میں اس کا تجربہ لکھا ہے کہ مقام درد پر نعلین شریفین کا نقشہ رکھنے سے درد سے نجات ملتی ہے اور پاس رکھنے سے راہ میں لوٹ مار سے محافظت ہوجاتی ہے اور شیطان کے مکروفریب سے امان میں رہتا ہے اور حاسد کے شروفساد سے محفوظ رہتا ہے۔ مسافت طے کرنے میں آسانی رہتی ہے اس کی تعریف و مدح اور اس کے فضائل میں قصیدے لکھے گئے ہیں (مدارج النبوت)

امام احمد مقری تلمسانی اس کے برکات وفوائد کے متعلق لکھتے ہیں۔ یہ جس لشکر میں ہو، اس کو کبھی شکست نہ ہو جس قافلے میں ہو وہ قافلہ لوٹ مار سے محفوظ رہے جس گھر میں ہو وہ گھر جلنے سے محفوظ رہے گا جس سامان میں ہو وہ چوری ہونے سے محفوظ رہے گا۔ جس کشتی میں ہو وہ ڈوبنے سے محفوظ رہے گی جو کوئی صاحب نقش نعل سے کسی حاجت میں توسط کرے وہ حاجت پوری ہو اور ہر مشکل آسان ہو۔ (فتح المتعال فی مدح النعال)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار شریفہ سے برکت حاصل کرنا

ا۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو فرماتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آبِ وضو پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بے تابانہ دوڑتے۔ قریب ہے کہ آپس میں کٹ مریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لعابِ دہن ڈالتے یا کھنکھارتے صحابہ رضی اللہ عنہم اسے دونوں ہاتھوں میں لیتے اپنے بدنوں اور چہروں پر ملتے۔ ۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پیالہ پانی میں اپنے ہاتھ اور چہرہ مبارک کو دھویا، اس میں کلی کی، پھر حضرت ابوموسیٰ و بلال رضی اللہ عنہما کو فرمایا اس کو پی لو اور اپنے چہرے پر ڈال لو۔ ۳۔ صائب ابن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں بیمار تھا میری خالہ مجھے بحضور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئیں۔ میرے مرض کا ذکر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، برکت کی دعا دی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا پانی پیا۔ مجھے اس سے اسی وقت شفاء ہوگئی اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ نیل الاوطار میں علامہ شوکانی ؒ نے اس مضمون کی حدیث ذکر کر کے یہ لکھا ہے کہ

"قَدِ اسْتَدَلَّ الْجُمْهُوْرُ بِصَبِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِوَضُوْئِهِ عَلَى جَابِرٍ وَتَقْرِيْرِهِ لِلصَّحَابَةِ عَلَى التَّبَرُّكِ بِوَضُوْئِهِ"

جمہور نے اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کے پانی ڈالنے سے استدلال کیا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اسے تبرک جانتے تھے (نیل الاوطار: جلد ۱، صفحہ ۳۴)۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک تھے جنہیں وہ عطر میں ڈالے رکھتی تھیں۔

"فَكَانَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ تَدُوْفُهُ فِي طِيْبِهَا"

(مسند احمد، حدیث ۱۲۴۸۳، جلد ۱۹، صفحہ ۴۶۳)۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینہ مبارک کو ایک شیشی میں محفوظ کرلیا تھا اور وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد خوشبو میں اس کو ملا دیا جائے

مکمل حدیث اس طرح ہے ''أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ كَانَتْ تَبْسُطُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِطَعًا، فَيَقِيلُ عِنْدَهَا عَلَى ذَلِكَ النِّطَعِ قَالَ فَإِذَا نَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَتْ مِنْ عَرَقِهِ وَشَعَرِهِ، فَجَمَعَتْهُ فِي قَارُورَةٍ، ثُمَّ جَمَعَتْهُ فِي سُكٍّ قَالَ فَلَمَّا حَضَرَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ الْوَفَاةُ، أَوْصَى إِلَيَّ أَنْ يُجْعَلَ فِي حَنُوطِهِ مِنْ ذَلِكَ السُّكِّ، قَالَ فَجُعِلَ فِي حَنُوطِهِ '' (بخاری)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناخن کے ٹکڑے بطور تبرک محفوظ کرر کھے تھے (مسند احمد بن حنبل)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے چاندی کی جلجل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک رکھ چھوڑے تھے، جب کوئی بیمار ہوتا تو اس کا غسالہ مریض کو دیا جاتا اور وہ شفا پاتا (بخاری) یہ تمام حدیثیں نیل الاوطار میں شوکانیؒ نے بھی ذکر کی ہیں۔ جن سے آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار شریفہ، نشان قدم، موئے مبارک اور تمام ان اشیاء کا جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہوگئی ہے ادب و احترام کرنا واجب ہے اور ان کو حفاظت سے رکھنا، ان سے برکت چاہنا، انہیں متبرک سمجھنا، ان سے شفا حاصل کرنا جائز ہے اور سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہے، شفاء میں علامہ قاضیؒ نے لکھا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر مبارک کے اس مقام پر جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ فرما ہوتے تھے، ہاتھ لگاتے اور پھر اس کو بوسہ دیتے تھے۔ علامہ خفاجیؒ نے نسیم الریاض میں اس کے تحت لکھا ہے کہ: ''هَذَا يَدُلُّ عَلَى جَوَازِ التَّبَرُّكِ بِالْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَآثَارِهِمْ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهِمْ'' (کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس فعل سے انبیاء کرام علیہم السلام و اولیاء عظام کے آثار شریفہ سے اور ان اشیاء سے جن کو ان سے نسبت ہوگئی ہے برکت حاصل کرنے کا جواز نکلتا ہے (حاشیہ الشفاء: جلد ۲، صفحہ ۱۲۷)۔

اور بڑی حیرت کی بات ہے کہ اس حدیث زیر بحث کی تشریح کرتے ہوئے مشہور غیر مقلد مولوی وحید الزمان نے لکھا کہ اس باب کی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک ہمیشہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لیتے رہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبار سارے سر کے بال اتروائے اور سارے بال تقسیم فرمائے اور یہ بھی ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو زمین نہیں کھاتی تو بال بھی آپ کے زمین نہیں کھا سکتی، لہٰذا اس زمانہ میں جن بالوں کے متعلق ہمیں بطور تواتر یا شہرت یہ معلوم ہو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں ان کی تکذیب نہیں کرنی چاہئے بلکہ ہم پر ایسے بالوں کی عزت وحرمت لازم ہے، اگرچہ اس میں شبہ بھی ہو پھر بھی ان کی تکریم وتعظیم ضروری ہے کیونکہ اگر وہ بال واقع میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہیں ہے تو اس کی تعظیم کرنے سے ہم گنہگار نہ ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری نیت کو جانتا ہے کہ ہم نے اس کا ادب اس وجہ سے کیا ہے کہ اس کے متعلق یہ کہا گیا ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک ہیں اور تعجب ہے ان لوگوں پر جو اتباع سنت کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر خواہ مخواہ اس قسم کے آثار شریفہ (یعنی نشان قدیم وموئے مبارک وغیرہ) کی تکذیب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غلو اور تعصب سے بچائے، باوجود علم کے بعض لوگوں نے ایسے کلمات منہ سے نکالے ہیں کہ ان کی نوبت کفر تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ غافل ہیں اور نہیں جانتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے فضلات یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بول و براز بھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کی ہر چیز طیب و طاہر، مقدس ومحترم ہے اور اس پر تمام علمائے حدیث کا اتفاق ہے اور حق بھی یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوتی کی خاک بھی مومن کے لیے تو دنیا و مافیہا سے افضل وبرتر ہے، اللہ تعالیٰ ادب کی توفیق عطاء فرمائے۔

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ　　نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(تسہیل القاری، جلد ۱ صفحہ ۴۸۲)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابوجہل

مستملی کی روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا'' انت ابو جھل '' تو ابوجہل ہے جب کہ اکثرین کی روایت میں ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا'' اَنت ابا جہل'' تو؟ اے ابوجہل! یعنی تو پچھاڑا ہوا ابوجہل ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ اس لئے کہا کہ ابوجہل مکہ میں مسلمانوں کو بہت زیادہ اذیتیں دیتا تھا، ابواسحاق، حاکم کے نزدیک حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا'' پس میں نے اسے پایا اس حال میں کی اس میں زندگی کی آخری رمق باقی تھی، تو میں نے اس کی گردن پر اپنا پاؤں رکھا، اور میں نے اسے کہا اے اللہ دشمن اللہ تعالیٰ تجھے ذلیل کرے، تو اس نے کہا کہ کیسے ذلیل کرے کیا کسی آدمی کو اس کی قوم کا قتل کرنا عجیب ہے، قاضی عیاض نے کہا بے شک ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنا پاؤں ابوجہل کی گردن پر رکھا تا کہ اس کے خواب کی تصدیق ہو جائے، کیونکہ اس نے یہ خواب میں دیکھا تھا، پھر اس کا سر کاٹ دیا اور وہ سر لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ابوجہل کا سر ہے، تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وَاللهِ الَّذِی لَا اِلٰہَ اِلَّا هُوَ اور کہا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ گزرے ابوجہل کے پاس سے تو کہا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ہیں جس نے تمہیں رسوا کیا اور اسلام کو عزت دی، تو ابوجہل نے کہا کیا تم مجھے گالیاں دیتے ہوا ے ۔۔۔۔ تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم میں تجھے قتل کروں گا تو انہوں نے ابوجہل کو پکڑا اور قتل کر دیا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے ابوجہل کو قتل کر دیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وَاللهِ الَّذِی لَا اِلٰہَ اِلَّا هُوَ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سر کو پکڑا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ کے ساتھ اس جگہ آئے اور اسے وہاں دیکھا اور اس کے پاس کھڑے ہو کر کہا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی أَعَزَّ الْإِسْلَامَ وَأَهْلَهُ تین مرتبہ ابن اسحاق نے کہا کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابوجہل کے قتل کی بشارت دینے والے نے بشارت دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ اس سے اس ذات کی قسم لی جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق

نہیں ہے، تو اس نے کہا واللہ میں نے اسے مقتول دیکھا تو حضور نبی کریم ﷺ سجدے میں چلے گئے (عمدۃ القاری، ج ۱۷، ص ۱۱۴)

ابوجہل کا قتل

حضرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی لڑائی کے دن فرمایا، کون دیکھ کر آئے گا کہ ابوجہل کا کیا ہوا؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ معلوم کرنے گئے تو دیکھا کے عفراء کے دونوں لڑکوں نے اسے قتل کر دیا تھا اور اس کا جسم ٹھنڈا پڑا ہے۔ انہوں نے اس کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا، تو ہی ابوجہل ہے؟ اس نے کہا، کیا اس سے بھی بڑا کوئی آدمی ہے جسے آج اس کی قوم نے قتل کر ڈالا ہے، یا (اس نے یوں کہا کہ) تم لوگوں نے اسے قتل کر ڈالا ہے؟ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہ بدر کی لڑائی میں وہ ابوجہل کے قریب سے گزرے، ابھی اس میں تھوڑی سی جان باقی تھی، اس نے ان سے کہا، اس سے بڑا کوئی اور شخص ہے جس کو تم نے مارا ہے؟ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قبلہ رو ہو کر قریش کے کچھ افراد (سرداروں) کی ہلاکت کے لئے دعا کی یعنی شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ اور ابوجہل بن ہشام کے لئے پس اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے میدان بدر کے اندر پڑے ہوئے دیکھا کہ دھوپ سے ان کی لاشیں پھول گئی تھیں اور وہ گرم ترین دن تھا۔ (بخاری)

امیہ بن خلف کا قتل

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے سورت نجم کی تلاوت فرمائی پھر اس کے ساتھ سجدہ کیا اور آپ ﷺ

کے ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی سجدہ کیا سوائے ایک بوڑھے (امیہ بن خلف) کے کہ اس نے ذرا سی مٹی اٹھا کر پیشانی پر لگائی اور کہا میرے لئے یہی کافی ہے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے (میدان بدر) کے اندر اسے حالت کفر میں مقتول دیکھا۔

فقہ حنفی کی تاریخ

جہاں تک شریعت میں علم فقہ کی فضیلت واہمیت کا تعلق ہے، اہل علم اور ہر دیندار مسلمان اس سے بخوبی واقف ہے، لیکن بدقسمتی سے ہندوستان میں انگریزی دور میں ایک فرقہ جدید (اہل حدیث) کے نام سے پیدا کیا گیا جس کے ذمہ بہت سارے کام لگائے گئے، ان میں سے ایک اہم ترین کام جس کے لیئے یہ فرقہ جدید (اہل حدیث) کے نام سے وجود میں لایا گیا، وہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور فقہ حنفی اور فقہاء احناف کی مخالفت وعداوت ہے، اور اس فرقہ میں شامل ہر کس وناکس جاہل مجہول بلاخوف امام اعظم رحمہ اللہ پر طعن وتشنیع کرتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک تو ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے "وَلَومُ الخُفاش لاتضرُ الشمس" چمگادڑ کو اگر سورج نظر نہیں آتا اور وہ سورج کو ملامت کرے تو یہ سورج کو کوئی نقصان نہیں دیتا، ایک دوسرا شاعر انہی لوگوں کے متعلق کیا خوب کہتا ہے

یاناطح الجبل العالی لیکلمه أشفق علی الرأس لا تشفق علی الجبل

یعنی بلند ترین پہاڑ پر ایک شخص اپنا سر مار رہا تھا کہ پہاڑ کو زخمی کرے تو شاعر نے کہا کہ اپنے سر پر رحم کر پہاڑ پر رحم نہ کر

یہی حال فرقہ جدید (اہل حدیث) کا ہے کہاں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور کہاں آج کل کی یہ قیامت کی نشانیاں (چہ نسبت خاک را با عالم پاک) اور اسی طرح فقہ حنفی کے خلاف رات دن بکواس کرنا اس فرقہ کے عوام وخواص کا محبوب مشغلہ ہے، اور جاہل عوام کو گمراہ کرنے کے لیئے فقہ حنفی اور فقہاء احناف کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنا اس فرقہ کے جاہل

اداکاروں کا بہترین وظیفہ ہے، لیکن جس چیز کی رفعت وبلندی کا فیصلہ اللہ تعالی فرمادے اس کو کون کیا نقصان پہنچائے گا بس اپنا ہی نقصان وخسارہ ہے، اللہ تعالی فرقہ جدید (اہل حدیث) کے فتنہ سے عام اہل اسلام کی حفاظت فرمائے، یہ تو مختصر طور پر اس فرقہ کی حقیقت واصلیت کی طرف ایک اشارہ تھا۔

اب میں اصل موضوع سے متعلق چند کلمات لکھنا چاہتا ہوں، علماء امت دو قسم پر منحصر ہیں۔

حفاظ حدیث

جنہوں نے دین کے خزانوں کی حفاظت کی اور اس کے صاف وشفاف چشموں کو تغیر وتکدر سے پاک وصاف رکھا

فقہاء اسلام

جن کے اقوال پر مخلوق میں فتوی کا دارومدار ہے یہ جماعت استنباط احکام کے ساتھ مخصوص ہے انھوں نے حلال وحرام جائز وناجائز امور کے قواعد کو ضبط کرنے کا اہتمام کیا، اور یہ زمین پر آسمانوں کی ستاروں کی مانند ہیں، کہ ان کی وجہ سے تاریکی میں بھٹکنے والے ہدایت پاتے ہیں کھانے پینے سے بھی زیادہ انسان ان کے محتاج ہیں، اور ان کی اطاعت نص کی رُو سے ماں باپ سے بھی زیادہ فرض ہے کیونکہ ''اُولوالاَمر'' سے مراد علماء وفقہاء ہیں، اور یہی جمہور امت کی رائے ہے، اور ایک روایت میں اس سے مراد امراء المسلمین بھی ہیں، حضرت مسروق رحمہ اللہ کبار تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ میں صحابہ کی صحبت میں رہا ان کا علم چھ (6) افراد کو پہنچا، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابی بن کعب، (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور ان چھ (6) کا علم دو (2)

حضرات کو پہنچا، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہم اجمعین)۔التقریب للامام النووی

دین اور مذہب اور علم امت میں اصحاب عبداللہ بن مسعود، اور اصحاب زید بن ثابت، اور اصحاب عبداللہ بن عمر، اور اصحاب عبداللہ بن عباس، رضی اللہ عنہم اجمعین سے پھیلا، اورانہی چار(4) صحابہ کے اصحاب سے سارے آدمیوں کو علم پہنچا ہے۔

صحابہ کے بعد ان کے شاگرد کوفہ میں علقمہ بن قیس النخعی، اسود النخعی، عمرو بن شرحبیل، مسروق الہمدانی، قاضی شریح، تھے یہ سب کے سب حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب وشاگرد ہیں، اور اکابر تابعین میں سے ہیں، اکابر صحابہ کی موجودگی میں فتوی دیتے تھے، اور وہ اس کو جائز رکھتے تھے۔

اس طبقہ کے بعد علم صحابہ کے حامل وامین، ابراہیم النخعی، عامر الشعبی، سعید بن جبیر اوران کے بعد حماد بن ابی سلیمان اور سلیمان بن المعتمر اور سلیمان الاعمش، اور مسعر بن کدام، اوران کے بعد محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی اور سفیان ثوری، اور امام اعظم ابوحنیفہ اوران کے بعد حفص بن غیاث، اور وکیع بن الجراح، اور اصحاب ابوحنیفہ مثل ابو یوسف القاضی، محمد بن حسن القاضی، زفر بن ہذیل، حسن بن زیاد اللؤلؤی القاضی، حماد بن ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہم اجمعین

یہ ساری بحث تفصیل کے ساتھ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب اعلام الموقعین اور شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے، میں نے اس کا خلاصہ ذکر کیا ہے لہذا ان اقوال بالا کی روشنی میں فقہ حنفی کا سلسلہ بصورت شجرہ اس طرح ہے۔

فقہ حنفی کا شجرہ اور سند

حضرت خاتم الأنبیاء صلی اللہ وسلم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت علقمہ، حضرت أسود النخعی، حضرت عمرو بن شُرحبیل، حضرت مسروق الہمدانی، حضرت قاضی شُریح

حضرت إبراہیم النخعی

حضرت حماد بن سلیمان ابی سلیمان

حضرت أبوحنیفۃ

حضرت أبو یوسف ألقاضی، حضرت محمد بن حسن القاضی، حضرت زُفر بن ہذیل، حضرت حسن بن زیاد اللؤلؤی القاضی، حضرت حماد بن أبی حنیفۃ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فقہ حنفی کا مرجع کُل خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کون ہیں؟

ان کے فضائل ومناقب وکمالات کے لیئے ایک بہت بڑا دفتر بہی ناکافی ہے، مختصرا ان کے اوصاف عالیہ کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

قدیم الاسلام ہونا

ابتداء سے انتہاء تک ذات اقدس سے قُرب تام اور شرف خدمت مُعتمد ومُحرم اسرار ہونا کثیر العلم ہونا، شان مُعلّمی وخوبی تعلیم سے مشرف ہونا حافظ اور اعلم بکتاب اللہ ہونا علم وفقہ وسنت میں فوقیت اور فقہ وتفقہ میں باریک نظری قُرب الٰہی اور وسیلہ الی اللہ ہونے میں امتیاز ہیئت ظاہری، سیرت طریقے اور شان ووقار میں سب سے زیادہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ مشابہ ہونا جن چار صحابہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سیکھنے کا حکم دیا، ان میں اول نام حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد (تمسکو ابعہد ابن ام عبد) یعنی ابن مسعود کی ہدایت اور حکم کو مضبوط پکڑے رہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ان کے علم وتفقہ پر اعتماد کلی، اور اہل کوفہ کو ان کی اقتداء واطاعت اور ان کا حکم ماننے کا امر حضرت علی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ان کے علم کتاب وسنت وعلم فقہ میں تبحر وکمال کی توثیق۔

الحمد للہ فقہ حنفی اسی جلیل القدر عظیم المرتبہ کبیر الشان کثیر العلم صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کے علم وتفقہ واقوال کا لب لباب ہے، لہذا کوئی بھی جاہل کوڑ مغز جب فقہ حنفی پر لعن طعن کرتا ہے، تو اس کا اول نشانہ کون بنتا ہے؟؟

حاصل کلام یہ ہے کہ جس علم کا مَرجع آخر اور خزینہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے، وہ کبار تابعین کو پہنچا، پھر ان سے ابراہیم النخعی کو پھر ان سے حماد بن سلیمان ابی سلیمان کو پھر ان سے امام اعظم اَبوحنیفۃ کو پہنچا، پھر ان سے اَبو یوسف القاضی اور محمد بن حسن القاضی اور زُفر بن ہُذیل اور حسن بن زیاد اللؤلؤی القاضی اور حماد بن اَبی حنیفۃ، وغیرہم رحمہم اللہ کو پہنچا اور الحمد للہ وہی علم آج بھی فقہ حنفی کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے، یہی وہ علم تھا جس کی تدوین وترویج کا اہتمام اکابر صحابہ نے اہتمام کتاب اللہ کے بعد اس زمانہ میں کیا، امام اَبوحنیفہ اور آپ کے تلامذہ کی ہی کوشش ومحنت وجد وجہد نے اس علم دین کو مُرتب ومُدوَّن کر کے ایسا آئین شریعت امت وملت کے سامنے رکھا، جو حق وہدایت اور علم وعرفان اور دلائل وبراہین کی قوت سے بھرپور ہے، اور اس علم کی عجیب وعظیم خصوصیت یہ ہے کہ چار پشت تک تابعین کرام کے سینوں میں محفوظ رہنے کے بعد امت مسلمہ کو ملا، لہذا امام اعظم ابوحنیفہ کا علم وتفقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے علم کا مجموعہ ہے، اور اسی کا نام فقہ حنفی ہے، لہذا

ہندوستان میں انگریزی دور میں پیدا شدہ فرقہ جدید (اہل حدیث) میں شامل جہلاء وسفہاء کا فقہ حنفی کے خلاف لعن طعن اور رات دن بکواس وخرافات بکنے کا اول نشانہ کون بنتا ہے؟؟ یقیناً سب سے پہلے ان مسخروں کے بکواس کا نشانہ صحابہ کرام ہی بنتے ہیں کیونکہ فقہ حنفی انہی کے علم کا مجموعہ ہے اللہ تعالی ان بے وقوف وبے علم لوگوں کو ہدایت دے۔ (آمین)۔

فقہ حنفی کا مدار صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر ہے

اور اس فقہ کی بنیاد وہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحابہ کرام علیہم الرضوان مسائلِ شرعیہ معلوم کرتے تھے۔ کوفہ شہر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قرآن وحدیث کی روشنی میں لوگوں کی رہنمائی فرماتے تھے۔ حضرت علقمہ بن قیس کوفی اور حضرت اسود بن یزید کوفی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خود فرماتے تھے کہ جو کچھ میں نے پڑھا لکھا اور حاصل کیا وہ سب کچھ علقمہ کو دیدیا، اب میری معلومات علقمہ سے زیادہ نہیں ہے۔ حضرت علقمہ اور حضرت اسود کے انتقال کے بعد حضرت ابراہیم نخعی کوفی مسند نشین ہوئے اور علم فقہ کو بہت کچھ وسعت دی یہاں تک کہ انھیں "فقیہِ عراق" کا لقب ملا۔ حضرت ابراہیم نخعی کوفی کے زمانے میں فقہ کا غیر مرتب ذخیرہ جمع ہو گیا تھا جو ان کے شاگردوں نے خاص کر حضرت حماد کوفی نے محفوظ کر رکھا تھا۔ حضرت حماد کے اس ذخیرہ کو امام ابوحنیفہ کوفی نے اپنے شاگردوں خاص کر امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کو بہت منظم شکل میں پیش کر دیا جو انہوں نے باقاعدہ کتابوں میں مرتب کر دیا، یہ کتابیں آج بھی موجود ہیں۔ اس طرح امام ابوحنیفہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دو واسطوں سے حقیقی وارث بنے اور امام ابوحنیفہ کے ذریعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرآن وسنت کی روشنی میں جو سمجھا تھا

وہ امت مسلمہ کو پہونچ گیا۔ غرضے کہ فقہ حنفی کی تدوین اُس دور کا کارنامہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمنے خیر القرون قرار دیا اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکمل حفاظت کے ساتھ اسی زمانہ میں کتابی شکل میں مرتب کی گئیں۔

فقہاء و محدثین کی بستی۔ شہر کوفہ:

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ملک عراق فتح ہونے کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے آپ کی اجازت سے ۱۷ ہجری میں کوفہ شہر بسایا، قبائل عرب میں سے فصحاء کو آباد کیا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو وہاں بھیجا تاکہ وہ قرآن وسنت کی روشنی میں لوگوں کی رہنمائی فرمائیں۔ صحابہ کرام کے درمیان حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی علمی حیثیت مسلّم تھی، خود صحابہ کرام بھی مسائل شرعیہ میں ان سے رجوع فرماتے تھے۔ ان کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کتب حدیث میں موجود ہیں: ابن ام عبد (یعنی عبداللہ بن مسعودؓ) کے طریق کو لازم پکڑو۔۔۔۔ جو قرآن پاک کو اُس انداز میں پڑھنا چاہے جیسا نازل ہوا تھا تو اُس کو چاہئے کہ ابن ام عبد (یعنی عبداللہ بن مسعودؓ) کی قرات کے مطابق پڑھے۔۔۔۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں فرمایا کہ وہ علم سے بھرا ہوا ایک ظرف ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں اہل کوفہ کو قرآن وسنت کی تعلیم دی۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کے عہد خلافت میں جب دارالخلافت کوفہ منتقل کر دیا گیا تو کوفہ علم کا گہوارہ بن گیا۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ایک جماعت خاص کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے شاگردوں نے اس بستی کو علم وعمل سے بھر دیا۔ صحابہ کرام کے درمیان فقیہ کی حیثیت رکھنے والے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا علمی ورثہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مشہور استاذ شیخ حمادؒ اور مشہور تابعین شیخ ابراہیم نخعیؒ و شیخ علقمہؒ کے ذریعہ امام ابوحنیفہؒ تک پہونچا۔ شیخ حمادؒ

صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ کے بھی سب سے قریب اور معتمد شاگرد ہیں۔ شیخ حمادؒ کی صحبت میں امام ابوحنیفہؒ ۱۸ سال رہے اور شیخ حمادؒ کے انتقال کے بعد کوفہ میں ان کی مسند پر امام ابوحنیفہؒ کو ہی بٹھایا گیا۔ غرضیکہ امام ابوحنیفہؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علمی ورثہ کے وارث بنے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایات اور ان کے فیصلہ کو ترجیح دیتے ہیں، مثلاً کتب احادیث میں وارد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایات کی بناء پر امام ابوحنیفہؒ نے نماز میں رکوع سے قبل وبعد رفع یدین نہ کرنے کو راجح قرار دیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے عہدِ خلافت میں تدوینِ حدیث اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ:

خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ (٦١ھ۔١٠١ھ) کے خاص اہتمام سے وقت کے دو جید محدث شیخ ابوبکر بن الحزمؒ (متوفی ١٢٠ھ) اور محمد بن شہاب زہریؒ (متوفی ١٢٥ھ) کی زیر نگرانی احادیث رسول کو کتابی شکل میں جمع کیا گیا۔ اب تک یہ احادیث منتشر حالتوں میں زبانوں اور سینوں میں محفوظ چلی آرہی تھیں۔ اسلامی تاریخ میں ان ہی دونوں محدث کو حدیث کا مدوّن اوّل کہا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں عمومی طور پر احادیث لکھنے سے منع فرمادیا تھا تاکہ قرآن وحدیث ایک دوسرے سے مل نہ جائیں، البتہ بعض فقہاء صحابہ (جنہیں قرآن وحدیث کی عبارتوں کے درمیان فرق معلوم تھا) کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بھی احادیث لکھنے کی محدود اجازت تھی۔ خلفاء راشدین کے عہد میں جب قرآن کریم تدوین کے مختلف مراحل سے گزر کر ایک کتابی شکل میں امت مسلمہ کے ہر فرد کے پاس پہونچ گیا تو ضرورت تھی کہ قرآن کریم کے سب پہلے مفسر وخاتم النبیین وسید المرسلین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احایث کو بھی مدون کیا جائے، چنانچہ احادیث رسول کا مکمل ذخیرہ جو منتشر اوراق اور زبانوں پر جاری تھا، انتہائی احتیاط کے ساتھ

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی عہد خلافت (۹۹ھ۔۱۰۱ھ) میں مرتب کیا گیا۔احادیث نبویہ کے اس ذخیرہ کی سند میں عموماً دو راوی تھے ایک صحابی اور تابعی۔ان احادیث کے ذخیرہ میں ضعیف یا موضوع ہونے کا احتمال بھی نہیں تھا۔نیز یہ وہ مبارک دور تھا جس میں اسماء الرجال کے علم کا وجود بھی نہیں آیا تھا اور نہ اس کی ضرورت تھی کیونکہ حدیث رسول بیان کرنے والے صحابہ کرام اور تابعین عظام یا پھر تبع تابعین حضرات تھے اور ان کی امانت و دیانت اور تقوی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم (سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۰۰) میں فرمایا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو انہیں احادیث کا ذخیرہ ملا تھا، چنانچہ انہوں نے قرآن کریم اور احادیث کے اس ذخیرہ سے استفادہ فرما کے امت مسلمہ کو اس طرح مسائل شرعیہ سے واقف کرایا کہ ۱۳۰۰ سال گزر جانے کے بعد بھی تقریباً ۷۵ فیصد امت مسلمہ اس پر عمل پیرا ہے اور ایک ہزار سال سے امت مسلمہ کی اکثریت امام ابوحنیفہؒ کی تفسیر و تشریح اور وضاحت و بیان پر ہی عمل کرتی چلی آ رہی ہے۔امام ابوحنیفہؒ کو احادیث رسول صرف دو واسطوں (صحابی اور تابعی) سے ملی ہیں بلکہ بعض احادیث امام ابوحنیفہؒ نے صحابہ کرام سے براہ راست بھی روایت کی ہیں۔دو واسطوں سے ملی احادیث کو احادیث ثنائی کہا جاتا ہے جو سند کے اعتبار سے حدیث کی اعلیٰ قسم شمار ہوتی ہے۔بخاری و دیگر کتب حدیث میں ۲ واسطوں کی کوئی بھی حدیث موجود نہیں ہے، ۳ واسطوں والی یعنی احادیث ثلاثیات بخاری میں صرف ۲۲ ہیں، ان میں سے ۲۰ احادیث امام بخاریؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں سے روایت کی ہیں۔

۸۰ھ سے ۱۵۰ھ تک اسلامی حکومت اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت ۸۰ ہجری میں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دور حکومت میں ہوئی، جس کا انتقال ۸۶ ہجری میں ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا ولید

بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ ۱۰ سال حکمرانی کے بعد ۹۶ھ میں اس کا بھی انتقال ہوگیا پھر اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک جانشین بنا۔ ۳ سال کی حکمرانی کے بعد ۹۹ھ میں یہ بھی رخصت ہوا لیکن سلیمان بن عبدالملک نے اپنی وفات سے قبل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اپنا جانشین مقرر کرکے ایسا کارنامہ انجام دیا جس کو تاریخ کبھی نہیں بھلا سکتی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور خلافت (۹۹ھ۔۱۰۱ھ) اگرچہ نہایت مختصر رہا مگر خلافت راشدہ کا زمانہ لوگوں کو یاد آ گیا حتی کہ رعایا میں ان کا لقب خلیفۂ خامس (پانچواں خلیفہ) قرار پایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے دورِ خلافت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی عمر (۱۹۔۲۱) سال تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے کارناموں میں ایک اہم کارنامہ تدوین حدیث ہے جسکی تدوین کا مختصر بیان گزر چکا غرضیکہ تدوین حدیث کا اہم دور امام ابوحنیفہؒ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اسلامی دور کی دو بڑی حکومتوں (بنوامیہ اور بنوعباس) کو پایا۔ خلافت بنو امیہ کے آخری دور میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا حکمرانوں سے اختلاف ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے آپ مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہیں سات سال رہے۔ خلافت بنوعباس کے قیام کے بعد آپ پھر کوفہ تشریف لے آئے۔ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور حکومت کی مضبوطی اور پائیداری کے لئے امام ابوحنیفہؒ کی تائید ونصرت چاہتا تھا، جس کے لئے اس نے ملک کا خاص عہدہ پیش کیا مگر آپ نے حکومتی معاملات میں دخل اندازی سے معذرت چاہی کیونکہ حکمرانوں کے اغراض ومقاصد سے امام ابوحنیفہؒ اچھی طرح واقف تھے۔ اسی وجہ سے ۱۴۶ ہجری میں آپ کو جیل میں قید کر دیا گیا، لیکن جیل میں بھی آپ کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی اور وہاں بھی آپ نے قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم جاری رکھی چنانچہ امام محمدؒ نے جیل میں ہی آپ سے تعلیم حاصل کی۔ حکمرانوں نے اس پر ہی بس نہیں کیا بلکہ روزانہ ۲۰ کوڑوں کی سزا بھی مقرر کی (خطیب البغدادی ج ۱۳ ص ۳۲۸)۔ ۱۵۰ھ میں امام صاحبؒ دارِ فانی سے دار بقاء کی طرف کوچ کر گئے۔ امام احمد بن

حنبلؒ امام ابوحنیفہؒ کے آزمائشی دور کو یاد کر کے رویا کرتے تھے اور ان کے لئے دعاء رحمت کیا کرتے تھے۔ (الخیرات الحسان ج ۱ ص ۵۹)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور علمِ حدیث:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے احادیث کی روایت کتب حدیث میں کثرت سے نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ تاثر پیش کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی علم حدیث میں مہارت کم تھی حالانکہ غور کریں کہ جس شخص نے صرف بیس سال کی عمر میں علم حدیث پر توجہ دی ہو، جس نے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا بہترین زمانہ پایا ہو، جس نے صرف ایک یا دو واسطوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنی ہوں، جس نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر فقیہ صحابی کے شاگردوں سے ۱۸ سال تربیت حاصل کی ہو، جس نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا عہد خلافت پایا ہو جو تدوین حدیث کا سنہری دور رہا ہے، جس نے کوفہ، بصرہ، بغداد، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور ملک شام کے ایسے اساتذہ سے احادیث پڑھی ہو جو اپنے زمانے کے بڑے بڑے محدث رہے ہوں، جس نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ہزاروں مسائل کا استنباط کیا ہو، قرآن وحدیث کی روشنی میں کئے گئے جس کے فیصلے کو ہزار سال کے عرصہ سے زیادہ امت مسلمہ نیز بڑے بڑے علماء ومحدثین ومفسرین تسلیم کرتے چلے آئے ہوں، جس نے فقہ کی تدوین میں اہم رول ادا کیا ہو، جو صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا علمی وارث بنا ہو، جس نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے فقہاء صحابہ کے شاگردوں سے علمی استفادہ کیا ہو، جس کے تلامذہ بڑے بڑے محدث، فقیہ اور امام وقت بنے ہوں تو اس کے متعلق ایسا تاثر پیش کرنا صرف اور صرف بغض وعناد اور علم کی کمی کا نتیجہ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے متعلق کہے کہ ان کو علم حدیث سے معرفت کم تھی کیونکہ ان سے

گنتی کی چند احادیث، کتب احادیث میں مروی ہیں۔ حالانکہ ان حضرات کا کثرت روایت سے اجتناب دوسرے اسباب کی وجہ سے تھا جس کی تفصیلات کتب میں موجود ہیں۔ غرضیکہ اما م ابوحنیفہؒ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم محدث بھی تھے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور حدیث کی مشہور کتابیں:

احادیث کی مشہور کتابیں (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، طبرانی، بیہقی، مسند ابن حبان، مسند احمد بن حنبل وغیرہ) امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے تقریباً ۱۵۰ سال بعد تحریر کی گئی ہیں۔ ان مذکورہ کتابوں کے مصنفین امام ابوحنیفہؒ کی حیات میں موجود ہی نہیں تھے، ان میں سے اکثر امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ مشہور کتب حدیث کی تصنیف سے قبل ہی امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگردوں (قاضی ابویوسفؒ اور امام محمدؒ) نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حدیث اور فقہ کے دروس کو کتابی شکل میں مرتب کردیا تھا جو آج بھی دستیاب ہیں۔ مشہور کتب حدیث میں عموماً چار یا پانچ یا چھ واسطوں سے احادیث ذکر کی گئی ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے پاس اکثر احادیث صرف دو واسطوں سے آئی تھیں، اس لحاظ سے امام ابوحنیفہؒ کو جو احادیث ملی ہیں وہ اصح الاسانید کے علاوہ احادیث صحیحہ، مرفوعہ، مشہورہ اور متواترہ کا مقام رکھتی ہیں۔ غرضیکہ جن احادیث کی بنیاد پر فقہ حنفی مرتب کیا گیا وہ عموماً سند کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی احادیث ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اساتذہ:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تقریباً چار ہزار مشائخ سے علم حاصل کیا، خود امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ میں نے کوفہ وبصرہ کا کوئی ایسا محدث نہیں چھوڑا جس سے میں نے علمی استفادہ نہ کیا ہو، تفصیلات کے لئے سوانح امام ابوحنیفہؒ کا مطالعہ کریں، امام ابوحنیفہؒ کے چند اہم اساتذہ حسب ذیل ہیں: شیخ حماد بن ابی سلیمانؒ (متوفی ۱۲۰ھ): شہر کوفہ کے امام وفقیہ شیخ حمادؒ

حضرت انس بن مالکؓ کے سب سے قریب اور معتمد شاگرد ہیں، امام ابوحنیفہؒ ان کی صحبت میں ۱۸ سال رہے۔ ۱۲۰ ہجری میں شیخ حمادؒ کے انتقال کے بعد امام ابوحنیفہؒ ہی ان کی مسند پر فائز ہوئے۔ شیخ حمادؒ مشہور ومعروف محدث وتابعی شیخ ابراہیم نخعیؒ کے بھی خصوصی شاگرد ہیں۔ علاوہ ازیں شیخ حمادؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علمی وارث اور نائب بھی شمار کئے جاتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی دوسری بڑی درسگاہ شہر بصرہ تھی جو امام المحدثین شیخ حسن بصریؒ (متوفی ۱۱۰ھ) کے علوم حدیث سے مالا مال تھی، یہاں بھی امام ابوحنیفہؒ نے علم حدیث کا بھرپور حصہ پایا۔

شیخ عطا بن ابی رباحؒ (متوفی ۱۱۴ھ): مکہ مکرمہ میں مقیم شیخ عطا بن ابی رباحؒ سے بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھرپور استفادہ کیا۔ شیخ عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار صحابہ کرام خاص کر حضرت عائشہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت ام سلمہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے استفادہ کیا تھا۔ شیخ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے خصوصی شاگرد شمار کئے جاتے ہیں۔

شیخ عکرمہ بربری رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۰۴ھ): یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے خصوصی شاگرد ہیں۔ کم وبیش ۷۰ مشہور تابعین ان کے شاگرد ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ان میں شامل ہیں۔ مکہ مکرمہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان سے علمی استفادہ کیا۔

مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے حضرت سلیمان اور حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے احادیث کی سماعت کی ہے۔ یہ ساتوں فقہاء مشہور ومعروف تابعین تھے۔ حضرت سلیمان ام المؤمنین حضرت میمونہ کے پروردہ غلام ہیں جبکہ حضرت سالم حضرت عمر فاروق کے پوتے ہیں جنہوں نے اپنے والد صحابی رسول حضرت

عبداللہ عمر رضی اللہ عنہم سے تعلیم حاصل کی تھی۔

ملک شام میں امام اوزاعی اور امام مکحول رحمہا اللہ تعالیٰ سے بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اکتساب علم کیا ہے۔

دیگر محدثین کے طرز پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے احادیث کی سماعت کے لئے حج کے اسفار کا بھرپور استعمال کیا، چنانچہ آپ نے تقریباً ۵۵ حج ادا کئے۔ حج کی ادائیگی سے قبل و بعد مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں قیام فرما کر قرآن وسنت کو سمجھنے اور سمجھانے میں وافر وقت لگایا۔ بنو امیہ کے آخری عہد میں جب امام ابوحنیفہ کا حکمرانوں سے اختلاف ہو گیا تھا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تقریباً ۷ سال مکہ مکرمہ میں مقیم رہ کر تعلیم و تعلم کے سلسلہ کو جاری رکھا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلامذہ:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے درس کا حلقہ اتنا وسیع تھا کہ خلیفہ وقت کی حدودِ حکومت اس سے زیادہ وسیع نہ تھیں۔ سینکڑوں علماء ومحدثین نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے علمی استفادہ کیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص علم فقہ میں کمال حاصل کرنا چاہے اس کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے فقہ کی طرف رخ کرنا چاہئے، اور یہ بھی فرمایا کہ اگر امام محمد (امام ابوحنیفہ کے شاگرد) مجھے نہ ملتے تو شافعی، شافعی نہ ہوتا بلکہ کچھ اور ہوتا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے چند مشہور شاگردوں کے نام حسب ذیل ہیں جنہوں نے اپنے استاذ کے مسلک کے مطابق درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ قاضی ابو یوسف، امام محمد بن حسن الشیبانی، امام زفر بن ہذیل، امام یحییٰ بن سعید القطان، امام یحییٰ بن زکریا، محدث عبداللہ بن مبارک، امام وکیع بن الجراح، اور امام داؤد الطائی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

تدوین فقہ:

عصر قدیم وجدید میں علم فقہ کی مختلف الفاظ کے ساتھ تعریف کی گئی ہے، مگر اُن کا

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں احکام شرعیہ کا جاننا فقہ کہلاتا ہے۔ احکام شرعیہ کے جاننے کے لئے سب سے قبل قرآن کریم اور پھر احادیث کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث میں کسی مسئلہ کی وضاحت نہ ملنے پر اجماع وقیاس (یعنی قرآن وحدیث کی روشنی میں نئے مسائل کے لئے اجتہاد) کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

فقہ کو سمجھنے سے قبل، امام ابوحنیفہؒ کے ایک اہم اصول وضابطہ کو ذہن میں رکھیں کہ میں پہلے کتاب اللہ اور سنت نبوی کو اختیار کرتا ہوں، جب کوئی مسئلہ کتاب اللہ اور سنت رسول میں نہیں ملتا تو صحابۂ کرام کے اقوال وعمل کو اختیار کرتا ہوں۔ اس کے بعد دوسروں کے فتاویٰ کے ساتھ اپنے اجتہاد وقیاس پر توجہ دیتا ہوں۔ جب مسئلہ قیاس واجتہاد پر آجاتا ہے تو پھر میں اپنے اجتہاد کو ترجیح دیتا ہوں۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا اپنا خود بنایا ہوا اصول نہیں ہے بلکہ اُس مشہور حدیث کی اتباع ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو وصیت فرمائی تھی۔ اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہ اصول ہے کہ اگر مجھے کسی مسئلہ میں کوئی حدیث مل جائے خواہ اس کی سند میں کوئی ضعف بھی ہو تو میں اپنے اجتہاد وقیاس کو ترک کر کے اس کو قبول کرتا ہوں۔

فقہ کا دارومدار صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ کی ذات اقدس پر ہے اور اس فقہ کی بنیاد وہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحابۂ کرام مسائل شرعیہ معلوم کرتے تھے۔ کوفہ شہر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قرآن وحدیث کی روشنی میں لوگوں کی رہنمائی فرماتے تھے۔ حضرت علقمہ بن قیس کوفیؒ اور حضرت اسود بن یزید کوفیؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے خاص شاگرد ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود فرماتے تھے کہ جو کچھ میں نے پڑھا لکھا اور حاصل کیا وہ سب کچھ علقمہؒ کو دیدیا، اب میری

معلومات علقمہؒ سے زیادہ نہیں ہے۔ حضرت علقمہؒ اور حضرت اسودؒ کے انتقال کے بعد حضرت ابراہیم نخعی کوفیؒ مسند نشین ہوئے اور علم فقہ کو بہت کچھ وسعت دی یہاں تک کہ انہیں "فقیہ العراق" کا لقب ملا۔ حضرت ابراہیم نخعی کوفیؒ کے زمانے میں فقہ کا غیر مرتب ذخیرہ جمع ہو گیا تھا جو ان کے شاگردوں نے خاصکر حضرت حماد کوفیؒ نے محفوظ کر رکھا تھا۔ حضرت حمادؒ کے اس ذخیرہ کو امام ابوحنیفہ کوفیؒ نے اپنے شاگردوں خاص کر امام یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ کو بہت منظم شکل میں پیش کر دیا جو انہوں نے باقاعدہ کتابوں میں مرتب کر دیا، یہ کتابیں آج بھی موجود ہیں۔ اس طرح امام ابوحنیفہؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے دو واسطوں سے حقیقی وارث بنے اور امام ابوحنیفہؒ کے ذریعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے قرآن وسنت کی روشنی میں جو سمجھا تھا وہ امت مسلمہ کو پہونچ گیا۔ غرضیکہ فقہ حنفی کی تدوین اُس دور کا کارنامہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون قرار دیا اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکمل حفاظت کے ساتھ اسی زمانہ میں کتابی شکل میں مرتب کی گئیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں:

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی نے دورانِ درس جو احادیث بیان کی ہیں انہیں شاگردوں نے حدثنا اور اخبرنا وغیرہ الفاظ کے ساتھ جمع کر دیا۔ امام ابوحنیفہؒ کے درسی افادات کا نام "کتاب الآثار" ہے، جو دوسری صدی ہجری میں مرتب ہوئی، اس زمانہ تک کتابوں کی تالیف بہت زیادہ عام نہیں تھی۔ "کتاب الآثار" اس دور کی پہلی کتاب ہے جس نے بعد کے آنے والے محدثین کے لئے ترتیب وتبویب کے راہ نما اصول فراہم کئے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے "کتاب الآثار" کے متعدد نسخوں کی نشاندہی کی ہے لیکن عام شہرت چار نسخوں کو حاصل ہے۔ ان نسخوں میں سے امام محمدؒ کی روایت کردہ کتاب کو سب سے زیادہ شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی۔

کتاب "الآثار" بروایت امام محمدؒ

کتاب "الآثار" بروایت قاضی ابویوسفؒ

کتاب "الآثار" بروایت امام زفرؒ

کتاب "الآثار" بروایت امام حسن بن زیادؒ

مسانید امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ

علماء کرام نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی پندرہ مسانید شمار کی ہیں جس میں ائمہ دین اور حفاظ حدیث نے آپ کی روایات کو جمع کر کے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا، ان میں سے مسند امام اعظمؒ علمی دنیا میں مشہور ہے، جس کی متعدد شروحات بھی تحریر کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑا کام ملک شام کے امام ابوالموائد خوارزمیؒ (متوفی ۶۶۵ھ) نے کیا ہے جنہوں نے تمام مسانید کو بڑی ضخیم کتاب جامع المسانید کے نام سے جمع کیا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مشہور شاگرد امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی مشہور ومعروف کتابیں بھی فقہ حنفی کے اہم ماخذ ہیں۔ المبسوط۔ الجامع الصغیر۔ الجامع الکبیر۔ الزیادات۔ السیر الصغیر۔ السیر الکبیر۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ:

کتاب وسنت کی تعلیم اور فقہ کی تدوین کے ساتھ امام صاحبؒ نے زہد وتقویٰ اور عبادت میں پوری زندگی بسر کی۔ رات کا بیشتر حصہ اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے، نفل نماز پڑھنے اور تلاوت قرآن کرنے میں گزارتے تھے۔ امام صاحبؒ نے علم دین کی خدمت کو ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ معاش کے لئے ریشم بنانے اور ریشمی کپڑے تیار کرنے کا بڑا کارخانہ تھا جو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کے گھر میں چلتا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کا تعلق خوشحال گھرانے سے تھا اس لئے لوگوں کی خاص طور سے اپنے شاگردوں کی

بہت مدد کیا کرتے تھے۔آپؓ نے ۵۵ حج ادا کئے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ فَكَانَ يَقُوْلُ التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔(رَوَاهُ مُسْلِم)

وَلَمْ أَجِدْ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّحِيْحَيْنِ سَلَامٌ عَلَيْكَ وَسَلَامٌ عَلَيْنَا بِغَيْرِ أَلِفٍ وَلَامٍ وَلٰكِنْ رَوَاهُ صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنِ التِّرْمِذِيِّ۔

اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح ہمیں قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے اسی طرح تشہد سکھایا کرتے تھے چنانچہ کہا کرتے تھے" التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ

بابرکت تعریفیں اور تمام مالی و بدنی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تم پر سلام اور اللہ کی برکت ورحمتیں" ہم پر بھی سلام اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔" (صحیح مسلم)

اور مولف مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ میں نے نہ تو صحیحین (یعنی صحیح البخاری و صحیح مسلم میں) اور نہ جمع بین صحیحین میں لفظ" سلام علیک" اور" سلام علینا" بغیر الف لام

کے پایا ہے البتہ اس طرح اس کو صاحب جامع الاصول نے جامع ترمذی (کے حوالہ) سے نقل کیا ہے۔

اس روایت میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تشہد یعنی التحیات کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں اس پر حضرات شافعیہ عمل کرتے ہیں اور التحیات میں انہی الفاظ کو پڑھتے ہیں لیکن حنفیہ حضرات کے ہاں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روایت کردہ تشہد کے الفاظ پر جو اس سے پہلی روایت میں گذرے ہیں عمل کیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روایت کردہ تشہد کے بارے میں محدثین صراحت کرتے ہیں کہ یہ صحیح تر ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "تشہد کے سلسلے میں جتنی احادیث مروی ہیں ان سب میں سے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث سب سے زیادہ صحیح تر ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ بھی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پر عمل کرتے ہیں اور صحابہ وتابعین میں سے اکثر اہل علم کا معمول بھی انہیں کی حدیث کے مطابق تھا۔ پھر یہ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ تشہد کے لئے حکم فرمایا تھا کہ اسے لوگوں کو سکھایا جائے، چنانچہ مسند امام احمد ابن حنبل میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اسی تشہد کو لوگوں کو سکھائیں۔

ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح

مجھے قرآن کی تعلیم دیتے تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد سکھایا۔

پھر حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایتوں میں یہ بھی بڑا فرق ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو تو بخاری و مسلم دونوں نے نقل کیا ہے جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کو صرف مسلم نے نقل کیا ہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ آپ نے وہ تشہد اختیار فرمایا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے یعنی "التحیات للہ الذاکیات للہ الطیبات للہ السلام علیک ایھا النبی الخ۔

بہر حال علماء لکھتے ہیں کہ یہ پوری بحث صرف اولیت و افضیلت سے متعلق ہے یعنی حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی تشہد پڑھنا افضل ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی تشہد پڑھنا افضل ہے۔ لیکن جہاں تک جواز کا سوال ہے تو مسئلہ یہ ہے کہ ان میں سے جو تشہد بھی چاہے پڑھ لیا جائے جائز ہوگا۔

روایت کے آخری الفاظ ولم اجد (الخ) سے دراصل مولف مشکوٰۃ، صاحب مصابیح پر ایک اعتراض کر رہے ہیں وہ کہ یہ صاحب مصابیح نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی تشہد میں " سلام علیک " اور " سلام علینا " کو بغیر الف لام کے ذکر کیا ہے۔ حالانکہ اس طرح یہ روایت صحیح البخاری و صحیح مسلم میں منقول نہیں لہٰذا صاحب مصابیح کا اس روایت کو پہلی فصل میں ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کا عہدِ صحابہ میں اجتہاد اور خدمت افتاء

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ عہد صحابہ میں اجتہاد کرتے تھے اور ان کے فتوں کو مانا جاتا تھا، چنانچہ امام ابواسحاق الشیرازی الشافعی رحمہ اللہ متوفی ۴۷۶ھ تحریر فرماتے ہیں:

"أصحاب عبدالله بن مسعود رضی الله عنه كشريح و الأسود رحمه الله و علقمة كانوا يجتهدون فی زمن الصحابة ولم ينكر عليهم أحد"۔ (كتاب اللمع)

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد جیسے قاضی شریح، اسود اور علقمہ رحمہم اللہ عہد صحابہ میں اجتہاد کرتے تھے اور کسی نے ان پر نکیر نہیں کی۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کا روایتی وثقاہتی معیار

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو فقہ و حدیث میں جو مرتبہ و مقام حاصل تھا، ان کا اندازہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے، موصوف لکھتے ہیں: "اور لیکن اہل حدیث جیسے شعبہ رحمہ اللہ اور یحیی بن سعید القطان رحمہ اللہ اور اربابِ صحاح ستہ و سنن' حفاظ اور غیر ثقات میں تمیز کرتے تھے، چنانچہ وہ کوفہ اور بصرہ کے ایسے ثقہ راویوں کو جن کی ثقاہت شک وشبہ سے بالاتر ہے، خوب جانتے تھے اور ان میں بہت سے ایسے راوی بھی ہیں جو بہت سے حجازی راویوں سے بھی افضل و برتر تھے۔ اور کوئی عالم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی ثقاہت کے متعلق شک وشبہ میں پڑتا ہی نہیں تھا، جیسے علقمہ رحمہ اللہ، اسود رحمہ اللہ، عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ، حارث تیمی رحمہ اللہ، شریح قاضی رحمہ اللہ، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ، حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ، ان کے بعد انہی جیسے حفاظ رواۃ سب سے زیادہ معتبر اور سب سے بڑھ کر حافظ موجود تھے۔ چنانچہ علماء اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ

شناسانِ حدیث نے جن حدیثوں کو صحیح قرار دیا ہے، ان سے استدلال اور حجت پیش کرنا درست ہے۔ ان اہل علم کا تعلق خواہ کسی شہر سے ہو، اور ابوداؤد سجستانی رحمہ اللہ نے ایسی حدیثوں کو جن کی روایت میں ہر شہر کے علماء منفرد ہیں، انہیں ایک کتاب میں جمع کیا ہے جو ''مفاریداُھل الاُمصار'' کے نام سے مشہور ہے۔'' (مجموع الفتاویٰ)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی کوفہ میں تعلیمی خدمات کا فیضان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی تعلیمی خدمات کے متعلق محمد بن سیرین رحمہ اللہ متوفی ۱۱۰ھ کے بھائی نامور عالم انس بن سیرین بصری رحمہ اللہ (۳۴۔۱۲۰ھ) کا بیان قاضی حسن بن خلاد رحمہ اللہ متوفی ۳۶۰ھ نے بسند متصل ''المحدث الفاصل'' میں زینتِ کتاب کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''قدمت الکوفة قبل الجماجم فرأیت فیها أربعة آلاف یطلبون الحدیث وأربع مائة قد تفقهوا''۔(المحدث الفاصل، ص:۵۶۰۔)

''میں دیر جماجم کے واقعہ یعنی ۸۲ھ سے پہلے کوفہ میں گیا تو میں نے دیکھا کہ یہاں چار ہزار طلبۂ حدیث پڑھتے تھے اور چار سو طلبہ فقیہ بن چکے اور فقہی بصیرت حاصل کر چکے تھے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد تابعین میں صرف کوفے میں چار سو فقیہ موجود تھے۔ دوسرے اسلامی قلمرو کے بلاد اور دیہات کا کیا ذکر؟ ذرا نظر کو بلند کیجئے! عہد صحابہ میں کسی صحابی کے شاگردوں کو کہیں ایسے القاب سے یاد کیا گیا ہے اور کیا کسی مجتہد کی تعلیمی وتدریسی خدمات کو خلافت راشدہ میں ایسے شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا گیا ہے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کو پیش کیا ہے؟ یہ نتیجہ وثمرہ اس فقہی بصیرت کا ہے جو انہیں حاصل تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی تعلیمی

وتدریسی خدمات کے عہد اموی میں جو شاندار نتائج وثمرات اوران کے دیر پا اثرات کوفہ میں نکلے، اس کی نظیر اسلامی قلمرو کے وسیع وعریض قطعہ میں کہیں اور مشکل سے ملے گی۔

عہد عباسی میں اس کا اثر کوفہ میں حدیث کی گرم بازاری

کوفہ میں حدیث کی گرم بازاری کا اندازہ قاضی حسن بن خلاد رامہرمزی رحمہ اللہ (تقریباً ۲۶۰۔۳۶۰ھ) نے ''المحدث الفاصل'' میں محدث بغداد حافظ عفان بن مسلم بصری رحمہ اللہ سے بسند متصل نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''قدمنا الکوفة فأقمنا أربعة أشهر، ولو أردنا أن نكتب مائة ألف حديث لكتبناها، فما كتبنا الا قدر خمسين ألف حديث وما رضينا من أحد الا بالاملاء الا شريكاً، فانه أبى علينا وما رأينا بالكوفة لحاناً مجوزاً''۔ (المحدث الفاصل، ص:۵۵۹۔)

''ہم کوفہ میں آئے تو چار مہینے ٹھہرے، ہم اگر یہاں یہ چاہتے کہ ایک لاکھ حدیثیں لکھیں تو لکھ سکتے تھے، مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثیں لکھیں، پھر کسی اور سے املا کے علاوہ راضی نہ ہوئے، مگر شریک کے سوا کہ انہوں نے ہم سے انکار کیا اور ہم نے کوفہ میں کسی ایسے آدمی کو نہیں دیکھا کو جو عربیت میں غلطی کرے اور اس کو روا رکھے۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کا فقہی مقام حضرت عمر رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ کی نظر میں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو اجتہاد وفقہی بصیرت میں ایسا پختہ کیا تھا کہ دور فاروقی وعثمانی اور عہد مرتضوی میں کوفہ کا قاضی حضرت شریح رحمہ اللہ (۷۸ھ) کو بنایا گیا تھا، جنہوں نے بعض مقدمات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف فتویٰ دیا تھا اور انہیں عہدۂ قضا سے معزول نہیں کیا گیا، چنانچہ ابوبکر الجصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''حضرت عمر وحضرت علی رضی اللہ عنہما نے حضرت شریح رحمہ اللہ کو کوفہ کا قاضی بنایا اور ان کے فیصلوں پر اعتراض نہیں کیا، باوجودیکہ قاضی شریح رحمہ اللہ نے بہت سے مسئلوں میں ان سے اختلاف کیا۔'' (أصول الجصاص، ج:۲، ص:۱۵۶۔۱۵۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھا تو حاضرین مجلس سے فرمایا: ''کنیف ملی علماً''۔۔۔''یہ علم بھرا باڑا ہے'' دوسری مرتبہ فرمایا: ''کنیف ملیء فقھاً'' ''تفقہ وفقہی بصیرت سے بھرا باڑا ہے''۔ (الطبقات الکبری، ج:۲، ص:۳۴۴)

خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو: ''أصحاب سرج ھذہ القریۃ'' (تاریخ الثقات للعجلی، طبع ۱۴۰۵ھ، ص:۲۷۶۔)۔۔۔''یہ اس بستی (کوفہ) کے علمی چراغ ہیں'' کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اس سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے علمی مقام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

※※※※※

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما

نام:۔ آپ کا اسم گرامی عبداللہ اور کنیت ابو عبدالرحمن تھی، مگر ابن عمر کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔ عبداللہ بن عمر: خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے تھے۔

لقب: حبر الامۃ (امت کا بڑا عالم) لقب ہے

خاندان : ابن عمر کا سلسلہ نسب نویں پشت پر رسول اللہ ﷺ سے مل جاتا ہے۔

تاریخ پیدائش:

آپ کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک آپ نبوت کے پہلے سال پیدا ہوئے بعض دوسرے یا تیسرے سال کی تاریخ بتاتے ہیں مگر راجح تاریخ پیدائش نبوی مطابق 611ء ہے۔

حلیہ:

شکل و شباہت میں والد ماجد سے مماثلت تھی: قد لمبا، جسم بھاری، رنگ گندمی، داڑھی مشت بھر، مونچھیں کاٹی ہوئی جس سے لبوں کی سفیدی نمایاں ہو جاتی، بال کاندھوں تک، سیدھی مانگ نکالا کرتے، عموماً زرد خضاب پسند فرماتے تھے۔

لباس:

معمولی موٹا پائجامہ، سیاہ عمامہ اور پاؤں میں سادہ سی چپل، کبھی کبھار قیمتی لباس

زیب تن فرماتے تا کہ کفران نعمت نہ ہو۔ انگوٹھی پر عبدالرحمن بن عمر کندہ تھا جو مہر کا کام بھی دیتی تھی۔

ذریعہ معاش:

تجارت پیشہ تھے، مدینہ کے مقدس بازاروں میں اونٹ کے تاجر تھے۔ علاوہ ازیں عہد رسالت میں جاگیر بھی عطا ہوئی تھی جس کا لگان ملتی تھی۔ عہد فاروقی میں ڈھائی ہزار وظیفہ ملتا تھا۔ عہد عثمانی میں اور عہد بنو امیہ میں وظیفہ میں زیادتی ہوئی لیکن سخی اور فیاض دل تھے۔ اللہ پاک کی راہ میں خرچ کر کے خوش ہوتے تھے اس لیے آخر زندگی میں عسرت سے دوچار رہے۔

عظیم باپ کے عظیم بیٹے زاہد عابد حضرت عبداللہ بن عمر چار معروف عبادلہ میں سے ایک عبداللہ تھے (باقی تین عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاص، اور عبداللہ بن زبیر نادرِ روزگار شخصیت تھیں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُم المومنین حضرت حفصہؓ کے سگے بھائی تھے اور اس فاروق کے بیٹے تھے جس کے متعلق تاجدار مدینہ ختم الرسل نے فرمایا تھا کہ:

”لوکان بعدی نبی لکان عمر نبیا الا انہ لا نبی بعدی،،

”اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں،،۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما زہد وتقویٰ اور علم وفضل میں امتیازی خصوصیت اور منفرد شان کے مالک تھے۔ ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ:

”جس نے بھی دنیا کو پایا اس پر دنیا مائل ہوگئی یا وہ دنیا پر مائل ہوگیا لیکن ابن عمرؓ نہ دنیا پر مائل ہوئے نہ دنیا ان پر مائل ہوسکی،،۔

حدیث سید المرسلین کے حافظ سات، جلیل القدر نابغہ روزگا شخصیات، جن کو محدثین کی صف میں سات مکثرین ”کثرت سے روایت کرنے والوں کے،، خطاب سے نوازا گیا، ان میں سے دوسرے نمبر پر آپ کا اسم گرامی تاقیامت منقش ہو چکا ہے۔

مکثرین کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت عبدالرحمن ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

(۴) حضرت السیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا

(۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

(۶) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما

(۷) حضرت ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ۔

آپ سے دو ہزار چھ سو تیس (2630) احادیث مروی ہیں۔ اصح الاسانید کے نام سے جو سلسلۃ الذہب آپ سے مروی ہے علماء حدیث کے نزدیک یہ ہے:

"مالك عن نافع عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما"

آپ منجملہ خصائص ومناقت کے حال تھے۔ آپ کو ختمی مرتبت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو والہانہ محبت تھی، وہ انہی کا خاصہ تھا۔ ابن عمر کی پوری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسین ودلکش زندگی کا پرتو جمیل تھی۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قدر شدید عامل تھے کہ جہاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضر وسفر میں نماز ادا کی آپ نے وہاں نماز ادا کی۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آرام فرمایا وہاں آپ نے آرام کیا اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند ثانیے توقف فرمایا، وہاں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے توقف کیا۔

صحیح بخاری میں امام بخاری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد قبا میں سوار اور پیدل دونوں صورتوں سے تشریف لے جاتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی عمل تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں اتر کر نماز پڑھی ۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ذوالحلیفہ میں نماز پڑھتے تھے ۔ غرضیکہ عبادت کے علاوہ وضع قطع اور لباس میں بھی اسوہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش نظر رکھتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری عمر میں ایک ہزار عمرے ادا کیے اور ساٹھ حج ۔آپ خوف آخرت سے اکثر ترساں دلرزاں رہتے تھے ۔ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ آخرت کا سبق دینے والے میرے آقا و مربی رسول خدا ہیں ۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دونوں کندھوں سے پکڑ کر فرمایا ''کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل ''یعنی دنیا میں اس طرح رہ جیسے تو پردیسی یا راہ چلتا مسافر ہے''اس روایت کو ابن عمر سے بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔

چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اس ارشاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنے متاثر ہوئے کہ صحابہ کرام کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا مگر نہ بدلے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''ہم میں کوئی ایسا نہیں جسے دنیا نے اپنی طرف مائل نہ کیا ہو وہ خود دنیا کی طرف مائل نہ ہوا ہو لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما نہ دنیا کی طرف مائل ہوئے اور نہ دنیا ان کی طرف مائل ہوئی۔

کسی نے نافع سے پوچھا: ''مجھے کوئی ایسا شخص بتایئے جو بیک وقت عابد و زاہد بھی ہو، متقی و پرہیز گار بھی، خوش الحان قاری بھی اور یوم آخرت سے ڈرنے والا بھی، میں اس کے عقد میں اپنی بیٹی دینا چاہتا ہوں۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ یا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے پاس۔

امام شعبی سے سفیان ثوری روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ عبداللہ بن عمر زبیر، مصعب بن زبیر عبدالملک بن مروان اور عبداللہ بن عمر چاروں خانہ کعبہ میں جمع تھے۔ سب کی رائے ہوئی کہ ہر شخص رکن یمانی پکڑ کر خدا سے اپنی دلی تمناؤں سے متعلق دعا مانگے۔ سب نے اپنی دلی مراد سے متعلق دعا مانگی۔ آخر میں حضرت عبداللہ بن عمر نے اللہ کے حضور جو دعا مانگی اس سے ان کے زہد و ورع اور خشیت الٰہی کا اندازہ ہوتا ہے۔ فرمایا: ''یا اللہ تو رحمن و رحیم ہے، میں تیری اس رحمت کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں جو تیرے غضب پر غالب ہے کہ تو مجھے آخرت میں رسوا و ذلیل نہ کرنا اور اس عالم میں مجھے جنت عطا فرما۔

ایک دفعہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عبید بن عمر سے یہ آیت سنی:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا

سن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! (آخرت کے) اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لا کھڑا کریں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے،،؟

ان آیات کا سننا تھا کہ آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ داڑھی اور گریبان تک آنسوؤں سے بھیگ گئے۔ اللہ اکبر۔ جو انسان خوف خدا اور روز جزاء سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں ان کا دامت زہد و تقویٰ کے آبدار موتیوں سے سدا بھرا رہتا ہے۔ اس صفت میں ابن عمر کا دامنِ حیات بھی بہت گہر بار تھا۔ اور گہر بار کیوں نہ ہوتا ابن عمر کے ایک خواب کی تعبیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ کے متعلق فرمایا تھا کہ ''عبداللہ رجل صالح،، اور یہ اس دعا کا نتیجہ تھا کہ جوانی ہی میں عبداللہ کی پیشانی سے زہد و روع کا نور چمکتا تھا۔

امام زین العابدین کہا کرتے تھے کہ زہد و تقویٰ اور اصابت رائے میں عبداللہ ابن ابن عمر رضی اللہ عنہما ہم سب پر فائق تھے۔ عبداللہ بن عامر نے آپ کی خدمت میں یکے بعد دیگرے بیس بیس ہزار کی رقم بھیجی۔

آپ نے فرمایا: کہیں یہ رقم مجھے فتنہ میں نہ ڈال دے۔آپ نے یہ رقم کھڑے کھڑے وہیں تقسیم کردی۔

پیٹ بھر کھانا کبھی بھی نہ کھاتے تھے۔غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ زاہدانہ زندگی میں خلل واقع نہ ہو۔ابن سعد کا بیان ہے کہ آپ کے غلام عبداللہ بن عدی عراق سے واپس آئے تو آپ کی خدمت میں تحفہ پیش کیا۔آپ نے دریافت فرمایا۔غلام بولا: یہ تحفہ چورن ہے۔اگر کھانا ہضم نہ ہوتا ہو تو اس کے کھانے سے کھانا ہضم ہوجاتا ہے۔آپ نے فرمایا: اس کی مجھے ضرورت نہیں۔میں نے تو مہینوں سے شکم سیر ہوکر کھانا کھایا ہی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر محبت وانس تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اس قدر ملول سکتہ دل ہوئے کہ عمر بھر نہ کوئی مکان بنایا نہ باغ لگایا جب بھی رسول اللہ کی یاد آتی بے قابو ہوکر رونے لگتے۔یحیٰی بن یحیٰی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے اساتذہ سے سنا کہ بعض لوگ عمر کو مجنون کہنے لگے،زید بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جب بھی کبھی ابن عمر کی زبان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی آتا تو ان کی آنکھیں اشکبار ہوجاتیں۔سبحان اللہ۔جب عزوات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقامات سے گزر ہوتا تو آنکھوں کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کا نقشہ آجاتا اور آنکھوں سے بے اختیار آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ پڑتا کیونکہ آپ سچے محبِ سول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر محبت واخلاص تھا کہ افلاس کے باوجود یہاں سے نکلنا پسند نہ کرتے۔کہا کرتے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو شخص مدینہ طیبہ کے مصائب پر صبر کرے گا قیامت کے روز میں اس کی شفاعت کروں گا"۔(مسند احمد بن حنبل)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی اہل بیت سے محبت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غیر معمولی محبت کا فطری تقاضا تھا کہ اہل بیت رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی ایسی ہی غیر معمولی محبت ہو۔ چنانچہ فضائل اہل بیت سے متعلق جو روایات کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں ان میں متعدد روایات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں ۔مثلاً: ''ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ تمام عورتوں سے افضل ہیں''۔

''ام المؤمنین عائشہ صدیقہ ؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب بیوی ہیں۔''

''فاطمہ ؓ جگر گوشہ رسول ہیں۔''

''علی اسد اللہ الغالب اور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی ہیں۔''

''حسن و حسین رضی اللہ عنہما جوانان جنت کے سردار اور باغ دنیا کے دو پھول ہیں ۔'' اہل بیت میں خصوصاً حضرت حسین سے محبت تھی۔ تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ جس وقت حسین کوفہ جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مدینہ منورہ میں معلوم ہوا تو وہ سخت مضطرب و پریشان ہوئے اور دشوار گزار سفر کر کے مدینہ سے مکہ آئے اور ان سے کہا:

''اے ابن عم! اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا اور آخرت میں سے ایک قبول کرنے کا اختیار دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی، آپ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر کے ٹکڑے ہیں اس لیے آپ بھی آخرت ہی کو اختیار کیجیے۔''

یہ سن کر امام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کہ اب تو میں عزم کر چکا ہوں۔ آپ کا عزم دیکھ ابن عمر رضی اللہ عنہما رو پڑے اور آنسوؤں کے ساتھ امام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو الوداع کہا۔

امین حدیث

آپ امین حدیث تھے۔ محمد بن علی کہتے ہیں کہ میں نے کسی صحابی کو رسول سے اس طرح حدیث بیان کرتے نہیں پایا مگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو۔ یعنی سنی ہوئی حدیث کو نہ مفہوم کے لیے زیادہ کیا نہ کم! بلکہ من وعن روایت کیا۔

جنتی ہونے کی گواہی

امام زہری فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما وہ ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی بات پوشیدہ نہیں تھی۔ حضرت سعید بن مسیب کہا کرتے تھے کہ میں کسی کے جنتی ہونے کو گواہی اگر دے سکتا ہوں تو وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ میمون بن مہران کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ متقی اور پرہیز گار نہیں دیکھا۔ مسلمہ بن عبدالرحمن کہتے تھے کہ میں نے ابن عمر کے انتقال کے بعد ان جیسا کوئی نہیں دیکھا، وہ فضیلت میں عمر سے قریب تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی

عوام دعائیں مالگا کرتے تھے کہ خدایا جبتک ہم زندہ ہیں تو ابن عمر رضی اللہ عنہما کو زندہ رکھ تاہم ان کی پیروی کرسکیں۔ اس وقت ان سے بڑھ کر کوئی عہد رسالت کا واقف کار نہ تھا۔ لوگ اس وقت کے صحابہ کرام علیہم الرضوان اور کبار تابعین) آپ کی فضیلت کے بہت زیادہ معترف تھے۔ اور آپ سے والہانہ محبت وشیفتگی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما خود فرمایا فرتے تھے کہ لوگ مجھ سے اتنی محبت رکھتے ہیں کہ اگر میں ان کی محبت چاندی اور سونے کے بدلے خریدنا چاہوں تو نہیں خرید سکتا۔

عہد نبوی کے حالات وکیفیات سے واقف

حضرت عائشہ صدیقہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ عہد نبوی کے حالات و کیفیات کے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ کوئی واقف نہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ثابت قدمی

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل کیا مگر نہ بدلے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما!

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا زہد وتقویٰ اور اصابت رائے

حضرت علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے تھے : زہد وتقویٰ اور اصابت رائے میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ہم سب پر برتری حاصل تھی۔

حق گوئی و بے باکی:

امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں ان کی حق گوئی اور بے باکی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں :امت مسلمہ کا ایک ظالم وفاسق جو حجاج بن یوسف ثقفی کے نام سے بدنام ہے جس نے اپنی شقاوت قلبی سے اس امت مسلمہ کے ساٹھ ہزار سے زیادہ جلیل القدر مسلمانوں کو بے دردی سے شہید کروایا۔بعض تاریخ نگاروں کے بقول اس ظالم نے بیس ہزار عظیم المرتب صحابہ کرام کو شہید کروایا جبکہ چالیس ہزار تابعین کو۔

حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت انس بن مالک اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام کو جہاں شہید کروایا وہاں اس ظالم نے سعید بن جبیر جیسے عظیم فقیہ المدینہ کو بھی شہید کرایا۔

ظالم جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق

ایک دفعہ بیت اللہ میں ظالم حجاج خطبہ دے رہا تھا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کھڑے ہو کر فرمانے لگے: ''دشمن خدا نے حرام کو حلال بنالیا، خانہ خدا کو برباد کیا اور اولیاء اللہ کو قتل کیا۔''

حجاج نے اپنے خطبہ میں یہ بھی کہا تھا کہ ''حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کلام اللہ کو تبدیل کر دیا ہے۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے جواب میں فرمایا: ''تو جھوٹ بکتا ہے نہ ابن زبیر کلام اللہ کو بدل سکتا ہے اور نہ تو۔''

حجاج نے کہا: ''تو بوڑھا کھوسٹ ہے۔''

جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر تو لوٹ کر جوان بن جائے تو بھی میں اسی طرح رہوں گا۔''

شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پُردم ہے اگر تُو تو نہیں خطرہ افتاد

وفات:

اس واقعہ سے ظالم حجاد: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دل ہی دل میں برافروختہ ہو گیا، مگر ظاہراً ان کو نقصان پہنچا نہ سکتا تھا چنانچہ ڈپلومیسی سے اس بدبخت نے ایک آدمی کو تیار کیا اور زہر بجھا تیر عین اس وقت اس ظالم نے آپ کے پاؤں کے آخری حصہ میں مارا جٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف بیت اللہ میں مصروف تھے چنانچہ اس تیر کے زہر سے آپ رضی اللہ عنہما اس دنیا نے فانی سے 74ھ میں رفیق اعلیٰ کو جا ملے۔

آپ رضی اللہ عنہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تھوڑا عرصہ بعد ہی اپنے والدِ ماجد کے اسلام لانے پر اسلام لائے!

اس وقت آپ کی عمر دس سال تھی پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد سے پہلے مدینہ طیبہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق ہجرت کی۔

جنگِ احد میں کفار کے ساتھ جنگ کرنے کی آپ کی بڑی خواہش مگر کم سنی کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو جنگِ احد میں شمولیت سے باحکم منع فرما دیا تھا۔

غزوہ احد کے بعد متعدد غزوات میں رسول اللہ کی معیت میں دادِ شجاعت دی اور متعدد کافروں کا تہ تیغ کیا۔ جنگِ قادسیہ، جنگ یرموک، فتح افریقہ، فتح مصر و فارس اور بصرہ و مدائن میں شمولیت کی۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حکیمانہ اقوال:

☆تم گناہ کرنا چاہتے ہوتو وہ جگہ تلاش کولو جہاں خدا موجود نہ ہو۔

☆دوسروں کی عیب جوئی سے پہلے اپنے عیوب پر نگاہ ڈالو۔

☆ عبادت سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہوتو تنہائی ڈھونڈو۔ دوستوں اور واقف کاروں سے علیحدی گی اختیار کرو مگر یہ اس وقت جبکہ روزی تلاش کرلو اور اہل وعیال کو میٹھی نیند سو لینے دو

☆سب سے آسان نیکی خندہ پیشانی اور شیریں کلامی ہے۔

☆جس طرح میٹھا شربت پی جاتے ہو، غصہ بھی اسی طرح پی جایا کرو۔

☆علم تلاش کرو چاہے وہ دشمن کے پاس ہو۔

☆اخلاق خراب ہیں تو ایمان بھی خراب ہوگا۔

☆میں پہلے خود حدیث پر عمل کرتا ہوں اور پھر لوگوں کو حدیث سناتا ہوں۔

حدیث پاک کے بڑے راوی

آپ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے بعد دوسرے بڑے حافظ دراوی ہیں ۔آپ کی مرویات (2630)ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ابوبکر صدیق ، الفاروق ،عثمان ذوالنورین ، السیدہ عائشہ صدیقہ، السید حفصہ، عبداللہ ابن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین سے احادیث روایت کی ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سعید بن المسیت ،حسن البصری ، ابن شہاب الزہری ، ابن سیرین، نافع، مجاہد، طاؤس، عکرمہ اور متعدد کبار تابعین سے روایت کی ہے۔

غرض اسلام کی بنیادی تعلیمات اور دیگر شعبوں سے متعلق آپ رضی اللہ عنہما کی کثیر تعداد مرویات، احادیث کی کتب میں سچے موتیوں کی طرح بکھری ہوئی ہیں جن کو محدثین کرام نے کتب حدیث میں مختلف ابواب میں مزین ومنقش کردیا ہے جن میں سے چاردرج

ذیل ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بُنِیَ الإِسْلاَمُ عَلٰی خَمْسٍ شَھَادَۃِ أَنْ لاَ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰہِ، وَإِقَامِ الصَّلاَۃِ، وَإِیتَاءِ الزَّکَاۃِ، وَالحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ،،۔

’’حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے: کلمہ کا اقرار، نماز، زکوۃ، حج کی ادائیگی اور رمضان کے روزے رکھنا۔،،

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا أَنَّ تَلْبِیَۃَ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لاَ شَرِیکَ لَکَ لَبَّیْکَ، إِنَّ الحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالمُلْکَ، لاَ شَرِیکَ لَکَ،،۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ’’اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، سب نعمتیں، تعریفیں اور ملک تیرے لیے ہیں بے شک تیرا کوئی شریک نہیں۔،،

’’کن فی الدنیا کأنك غریب أو عابر سبیل،،

’’دنیا میں اس طرح گزر بسر کر جیسے کہ تو پردیسی یا راہ چلتا مسافر ہے۔،،

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَالِفُوا المُشْرِکِینَ وَفِّرُوا اللِّحَی، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ ’’وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلٰی لِحْیَتِہِ، فَمَا فَضَلَ أَخَذَہُ،،

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، مشرکین کی مخالفت کرو یعنی داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کاٹو۔،،

لا الہ الا اللہ کی شہادت

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما فرماتے ہیں۔ کلمہ طیبہ سے مراد لا الہ الا اللہ کی شہادت ہے۔ پاکیزہ درخت کی طرح کا مومن ہے اس کی جڑ مضبوط ہے۔ یعنی مومن کے دل میں لا الہ الا اللہ جما ہوا ہے اس کی شاخ آسمان میں ہے۔ یعنی اس توحید کے کلمہ کی وجہ سے اس کے اعمال آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہیں۔ کہ مراد اس سے مومن کے اعمال ہیں اور اس کے پاک اقوال اور نیک کام۔ مومن مثل کھجور کے درخت کے ہے۔ ہر وقت ہر صبح ہر شام اس کے اعمال آسمان پر چڑھتے رہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجور کا ایک خوشہ لایا گیا۔ تو آپ نے اسی آیت کا پہلا حصہ تلاوت فرمایا اور فرمایا کہ پاک درخت سے مراد کھجور کا درخت ہے۔ صحیح بخاری شریف میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے منقول ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جو آپ نے فرمایا مجھے بتلاؤ وہ کون سا درخت ہے جو مسلمان کے مشابہ ہے۔ جس کے پتے نہیں جھڑتے نہ جاڑوں میں نہ گرمیوں میں جو اپنا پھل ہر موسم میں لاتا رہتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں وہ درخت کھجور کا ہے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ مجلس میں سیدنا ابو بکر ہیں سیدنا عمر (رضی اللہ عنھما) ہیں اور وہ خاموش ہیں تو میں بھی چپ کا ہو رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ درخت کھجور کا ہے۔ جب یہاں سے اٹھ کر چلے تو میں نے اپنے والد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا پیارے بچے اگر تم یہ جواب دے دیتے تو مجھے تو تمام چیزوں کے مل جانے سے بھی زیادہ محبوب تھا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں مدینہ شریف تک سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہا لیکن سوائے ایک حدیث کے اور کوئی روایت انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے ہوئے نہیں سنا اس میں ہے کہ یہ سوال آپ نے اس وقت کیا۔

جب آپ کے سامنے کھجور کے درخت کے بیچ کا گودا لایا گیا تھا۔ میں اس لئے خاموش رہا کہ میں اس مجلس میں سب سے کم عمر تھا۔ اور روایت میں ہے کہ جواب دینے والوں کا خیال اس وقت جنگلی درختوں کی طرف چلا گیا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور مالدار لوگ درجات میں بہت بڑھ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ یاد رکھو اگر تمام دنیا کی چیزیں لگ کر انبار لگا دو تو بھی وہ آسمان تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ تجھے ایسا عمل بتلاؤں جس کی جڑ مضبوط اور جس کی شاخیں آسمان میں ہیں اس نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا دعا (لا الہ الا اللہ واللہ اکبر وسبحان اللہ والحمد للہ) ہر فرض نماز کے بعد دس بار کہہ لیا کرو جس کی اصل مضبوط اور جس کی فرع آسمان میں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ پاکیزہ درخت جنت میں ہے۔ ہر وقت اپنا پھل لائے یعنی صبح شام یا ہر ماہ میں یا ہر دو ماہ میں یا ہر ششماہی میں یا ہر ساتویں مہینے یا ہر سال۔ لیکن الفاظ کا ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ مومن کی مثال اس درخت جیسی ہے جس کے پھل ہر وقت جاڑے گرمی میں دن رات میں اترتے رہتے ہیں اسی طرح مومن کے نیک اعمال دن رات کے ہر وقت چڑھتے رہتے ہیں اس کے رب کے حکم سے یعنی کامل، اچھے، بہت اور عمدہ۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی عبرت ان کی سوچ سمجھ اور ان کی نصیحت کے لئے مثالیں واضح فرماتا ہے۔ پھر برے کلمہ کی یعنی کافر کی مثال بیان فرمائی۔ جس کی کوئی اصل نہیں ، جو مضبوط نہیں ، اس کی مثال اندرائن کے درخت سے دی۔ جسے حنظل اور شریان کہتے ہیں۔ ایک موقوف روایت میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے بھی آیا ہے اور یہی روایت مرفوعا بھی آئی ہے۔ اس درخت کی جڑ زمین کی تہ میں نہیں ہوتی جھٹکا مارا اور اکھڑ آیا۔ اسی طرح سے کفر بے جڑ اور بے شاخ ہے، کافر کا نہ کوئی نیک عمل چڑھے نہ مقبول ہو۔ تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی میں سے مشت بھر سے زائدہ کو کٹواتے۔

غزوات میں شرکت

غزوہ بدر کے وقت آپ چھوٹے تھے، اس لیے جنگ میں شریک نہ ہو سکے۔ سب سے پہلی جنگ، جس میں آپ نے شرکت کی تھی وہ غزوۂ خندق تھی۔ غزوۂ موتہ میں جعفر بن ابی طالب کے ساتھ شرکت کی تھی۔ آپ جنگ یرموک اور فتح مصر وافریقہ میں شامل تھے

اتباع سنت

آپ رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے حد اتباع کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جہاں آپؐ اترتے تھے وہیں آپ اترتے، جہاں پیغمبر نے نماز پڑھی وہاں نماز پڑھتے تھے اور یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے نیچے اترے تھے تو حضرت ابن عمر اس کو پانی دیا کرتے تھے کہ خشک نہ ہو جائے۔

فقیہ

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سلمانوں کے امام اور مشہور فقہاء میں سے تھے۔ بے حد محتاط تھے اور فتویٰ میں اپنے نفس کی خواہشات کے مقابلہ میں اپنے دین کی زیادہ حفاظت کرنے والے تھے۔ باوجود یہ کہ اہل شام ان کی طرف مائل تھے اور ان سے اہل شام کو محبت تھی۔ انہوں نے خلافت کے لیے جنگ چھوڑ دی اور فتنوں کے زمانہ میں کسی مقابلہ میں جنگ نہیں کی۔ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کی مشکلات کے زمانہ میں بھی علی کے ساتھ جنگ میں شرکت نہیں کی۔ اگرچہ اس کے بعد وہ حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہونے پر ندامت کا اظہار کرتے تھے۔ جابر بن عبداللہ کہا کرتے تھے کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ جس کی طرف دنیا مائل نہ ہوئی ہو اور وہ دنیا کی طرف مائل نہ ہوا ہو، بجز عبداللہ بن عمر۔ آپ سے اکثر تابعین نے روایت کی ہے۔ جن میں سب سے زیادہ آپ سے روایت کرنے والے صاحبزادے سالم اور ان کے مولیٰ نافع تھے۔ شعبی فرماتے ہیں ہ ابن عمر حدیث میں جید تھے

اور فقہ میں بھی جید تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد 60 سال زندہ رہے۔موسم حج وغیرہ میں لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تھے۔

دوسروں کے لئے نمونہ

آپ رضی اللہ عنہما کی ذات دوسروں کے لیے نمونہ تھی لوگ دعا کرتے تھے کہ خدایا ہماری زندگی میں عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو زندہ رکھ کہ ان کی اقتداء سے فیض یاب ہوتے رہیں ان سے زیادہ عہد رسالت کا کوئی واقف کار نہیں۔

(ابن سعد جزء 4 قسم اول ص 106)

صحبت نبوی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ان کا سرمایہ حیات اور جان حزین کی تسکین کا باعث تھی۔آپ کی وفات کے بعد ایسے دل شکستہ ہوئے کہ اس کے بعد نہ کوئی مکان بنایا اور نہ باغ لگایا (ازالۃ الخفاء ص 189)

سفر سے جب واپس آتے تو روضہ نبوی پر حاضر ہو کر سلام کہتے (ابن سعد تذکرۃ ابن عمر) شیخ الاسلام ابن عمر کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہما کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ،آپ کی بارگاہ کی دائمی حاضر باشی ،سفر حضر کی ہم رکابی سیدنا عمر فاروق کی تعلیم وتربیت اور خسد ان کی تلاش وجستجو نے مذہبی علوم کا دریا بنا دیا تھا قرآن تفسیر حدیث فقہ وغیرہ تمام مذہبی علوم کا بحر بیکراں تھے آپ کا شمار علمائے مدینہ کے اس زمرہ میں تھا جو علم وعمل کے مجمع البحرین سمجھے جاتے تھے۔

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج 1 ص 35 طبع حیدر آباد)

شیخ الاسلام اور تلاوت وفہم قرآن:

(۱) آپ کو تلاوت قرآن سے بڑا شغف تھا ایک رات میں پورا قرآن ختم کر لیتے تھے۔

(سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم ج 1 ص 25)

(۲) آپ کو تلاوت قرآن کے غیر معمول شغف کے ساتھ ساتھ اس کی سور و آیات پر فکر و تدبر میں عمر عزیز کا بہت بڑا حصہ صرف کیا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف سورہ بقرہ کے سیکھنے پر 8 برس صرف کر دیئے۔ (تفسیر قرطبی ص 80)

اس غیر معمولی شغف نے آپ میں قرآن کی تفسیر و تاویل کا ملکہ پیدا کر دیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہما قرآن کا ملکہ جوانی میں ہی پیدا ہو گیا تھا ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ کا مجمع تھا جس میں ابن عمر بھی موجود تھے تو آپ نے شجرہ طیبہ کے متعلق صحابہ سے سوال کیا کہ اس سے کیا مراد ہے تو اس کے جواب میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جن میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما خود فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا جواب آتا تھا لیکن میں اکابر صحابہ کی موجودگی اور خاموشی کی وجہ سے چپ رہا جواب نہیں دیا۔

(بخاری فتح الباری کتاب التفسیر سورہ ابراہیم و کتاب العلم باب الفہم)

طلب حدیث:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو حدیث نبوی کا اتنا شوق اور اس کی اس قدر تلاش تھی کہ اپنی غیر حاضری کے اقوال اور افعال نبوی ان لوگوں سے جو آپ کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے پوچھ لیا کرتے تھے۔ اور ان کو یاد رکھتے تھے۔

(اصابہ ج 2 ص 1097)

اگر کوئی ایسی حدیث یا مسئلہ سنتے جو ان کے علم میں نہ ہوتا تو فوراً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا راوی حدیث کے پاس جا کر اس کی تصدیق کرتے۔ ایک مرتبہ کسی نے ایک مسئلہ بیان کیا جو ان کے علم میں نہ تھا فوراً خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اس کی تصدیق کی۔

(صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافر و قصرہا)

اسی طرح ایک مرتبہ لیثی نے ابوسعید خدری کے حوالے سے بیان کیا کہ آپ نے سونا چاندی کی بیع صرف اس میں جائز رکھی ہے کہ برابر ہو۔ان کو اس کا علم نہ تھا اس لیے ابوسعید خدری کے پاس جا کر اس کی تصدیق کی.(صحیح مسلم باب الرباء)

اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہما کا شمار اساطین حفاظ حدیث میں ہے اگر ان کی مرویات کی تعداد حدیث کی کتابوں سے علیحدہ کرلی جائے تو ان کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائیں۔

اشاعت و تعلیم حدیث:

اس تلاش نے آپ رضی اللہ عنہما کو حدیث کا دریا بنا دیا تھا جس میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مسلمانوں نے اپنی علمی پیاس بجھائی آپ کے ذریعے سے حدیث کا وافر حصہ اشاعت پزیر ہوا۔آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد 60 سال سے زیادہ حیات رہے اس عرصہ میں آپ کا مشغلہ صرف علم کی اشاعت تھا (الاستیعاب ص 381) مدینہ منورہ میں آپ کا مستقل حلقہ درس تھا اس کے علاوہ اشاعت کے لیے سب سے بہترین موقع حج کا تھا جس میں تمام اسلامی ممالک کے مسلمان جمع ہوتے تھے چنانچہ آپ اس موقع پر فتوی دیتے تھے اس سے بہت جلد مشرق سے مغرب تک احادیث اور علم دین و شریعت پھیل جاتی۔(اسد الغابہ ج 3 ص 133)

احتیاط فی الحدیث:

آپ رضی اللہ عنہما اس وسعت علم اور دقت نظر کے باوجود حدیث بیان کرنے میں حد درجہ محتاط تھے۔محمد بن علی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی جماعت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ حدیث بیان کرنے میں کوئی محتاط نہ تھا وہ حدیث میں کمی وبیشی سے بہت ڈرتے تھے.(تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 34)

ابوجعفر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں کمی وزیادتی سے بہت زیادہ خائف رہتے تھے۔(مستدرک حاکم ج 3 ص 560)

حضرت سعید اپنے والد کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ حدیث نبوی میں ابن عمر سے زیادہ محتاط میری نظر سے کوئی نہیں گزرا.(اصابہ ص 1096)

اس احتیاط کی بناء پر اکابر علماء آپ کی مرویات کو اتنی قابل اعتماد سمجھتے تھے کہ پھر کسی مزید توثیق کی ضرورت باقی نہیں رہتی.

امام شعبی فرماتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بہت درست ہوتی تھی.

(اسد الغابہ ج 3 ص 133)

امام ابن شہاب زہری ان کی رائے کے بعد پھر کسی دوسرے کی رائے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔

فقہ:

فقہ تشریع اسلامی کا دارومدار ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو تفقہ فی الدین میں درجہ کمال حاصل تھا۔آپ کی ساری عمر علم افتاء میں کٹی، مدینہ کے مشہور صاحب فتاوی صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جن کے فتاوی کی تعداد زیادہ ہے۔ان میں ایک ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے (اعلام الموقعین ج 1 ص 13)

اور فقہ مالکی کا دارومدار ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فتاوی پر ہے۔

تعداد مرویات:

آپ کی مرویات کی تعداد کے متعلق علامہ ذہبی اپنی مشہور کتاب سیر اعلام النبلاء کی ج 4 ص 124 پر لکھتے ہیں:

ولاء بن عمر (مسند بقی) الفان وست مائۃ وثلاثون حدیثا بالمکرر واتفقالہ علی مائۃ

وثمانیۃ وستین حدیثاوانفرد لہ البخاری باحدوثمانین حدیثاومسلم باحدوثلاثین،

آپ کی روایات کی کل تعداد 2630، ان میں سے 168 پر بخاری ومسلم متفق ہیں یعنی ان احادیث کو امام بخاری وامام مسلم دونوں نے اپنی اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور 81 صرف صحیح بخاری میں ہیں اور 31 صرف صحیح مسلم میں موجود ہیں۔

چند مرویات کا تذکرہ:

(۱) ترک قراۃ خلف الامام اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے امام کے پیچھے قراءۃ کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا آپ نے فتویٰ دیا کہ جو آدمی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کا قراءۃ کرنا مقتدی کے لیے کافی ہے۔ اور جب اکیلا پڑھے تو قراءت کرلے اور خود اپنا عمل کان عبداللہ بن عمر لایقرء خلف الامام، امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔ (موطا مالک ص 69)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ترک رفع یدین کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب انہوں نے نماز شروع کی، تو آپ نے رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین نہیں کیا:

وان ارادان یرکع وبعدمایرفع راسہ من الرکوع فلایرفع

(مسند الحمیدی ج 2 ص 277 رقم 614)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مرد اور عورت کی نماز کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں

قال رسول اللہ اذا جلست المراۃ فی الصلوۃ وضعت فخذھا علی فخذھا الاخریٰ واذا سجدت الصقت بطنھا فی فخذھا کاستر مایکون لھا فان اللہ ینظر الیھا یقول یاملائکتی اشھد کم انی قد غفرت لھا،

کہ آپ فرمایا کہ جب عورت نماز میں بیٹھے تو ایک ران کو دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکا لے اس طرح کہ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت فرما کر ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتوں میں تمہیں گواہ بناتا ہوں اس بات پر کہ میں نے اس کو بخش دیا ہے۔(الکامل لابن عدی ج2 ص 501)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میت کی تدفین کے بعد سر اور پاوں کی جانب قرآن مجید پڑھنے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں

ویقرا عند راسه بفاتحة الکتاب وعند رجلیه بخاتمة البقرة

(معجم الکبیر طبرانی ج6 ص 255 رقم 13438)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تین طلاق کے بعد رجوع نہ کرنے اور جدائی ہو جانے کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا سوال اور آپ کا جواب بیان کرتے ہیں:

وقلت یا رسول الله افرائت لو انی طلقها ثلاثا کان یحل لی ان اراجعها، قال لا کانت تبین منك وتکون معصیة۔ (سنن الکبریٰ بیہقی ج7 ص 334)

گویا کہ آپ نے فرمایا کہ ایک طلاق کے بعد تو رجوع ہو سکتا ہے لیکن تین طلاق کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا بلکہ عورت جدا ہو جاتی ہے اگر کوئی آدمی تین طلاق دینے کے بعد بھی بیوی کو اپنے گھر میں رکھتا ہے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

آخر کار پیکر علم و عمل فاتبعونی اور اطیعوا الرسول کی عملی تصویر شیخ الاسلام سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مکہ المکرمہ 74ھ، عمر عزیز کی 84 بہاریں گزار کر اس دار فانی کو خیر باد کہہ گئے۔(سیر اعلام النبلاء ج4 ص 121، اسد الغابہ ج3 ص 135، الاصابہ ج2 ص 1098)

شیخ الاسلام کی نماز جنازہ اور تدفین:

آپ رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ حجاج بن یوسف نے پڑھائی اور تدفین ذی طوی مقام یا فخ مقبرہ المہاجرین ہوئی۔ (اسد الغابہ، سیر اعلام النبلاء)

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آپ رضی اللہ عنہما کے جذبہ اتباع میں سے کچھ عطا فرمادے۔ آمین۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بطور مفتی

آپ بال کی کھال اتارنے کے سخت خلاف تھے۔اس لئے واقع ہونے سے پہلے فرضی مسائل کا جواب ہی نہیں دیتے تھے۔

ایسے سوالات کے بارے میں آپ فرماتے "لا ادری" یعنی میں نہیں جانتا۔ (المعرفۃ والتاریخ ۱/۴۹۰ واسنادہ حسن)

ایک دفعہ ایک شخص کے سوال پر آپ نے فرمایا" لا ادری"

کیا تمھارا یہ ارادہ ہے کہ جہنم میں ہماری پیٹھوں کا پل بنا کر کہو: ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہ فتویٰ دیا تھا؟ (الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی ۲/۱۷۲ واسنادہ حسن)

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا تو انھوں نے سر جھکا لیا اور کوئی جواب نہ دیا لوگ سمجھے کہ آپ نے سوال نہیں سنا۔ کہا گیا: اللہ آپ پر رحم کرے، کیا آپ نے سوال نہیں سنا؟ فرمایا: جی ہاں! سنا ہے لیکن تمھارا کیا خیال ہے، کیا اللہ تعالیٰ ہم سے نہیں پوچھے گا کہ تم لوگوں کو کیا مسئلے بتاتے تھے؟ ہمیں سوال سمجھنے دو، اگر ہمارے پاس جواب ہوا تو دیں گے ورنہ کہیں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔ (ابن سعد ۴/۱۶۸ وسندہ حسن)

ایک شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے حجر اسود کو چومنے کا پوچھا۔ انھوں نے

کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ اس کو ہاتھ لگاتے اور چومتے تھے۔ اس شخص نے کہا بھلا بتائیں! اگر ہجوم ہو یا عاجز ہو جاؤں تو کیا کروں؟ انھوں نے کہا: یہ اگر مگر یمن میں جا کر رکھو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ حجر اسود کو ہاتھ لگاتے اور چومتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب الحج باب تقبیل الحجر ۳۷۳/۳ حدیث ۱۶۱۱)

ایک دفعہ آپ سے وتر کا مسئلہ پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا وتر رات کے آخری حصے میں ہوتا ہے۔ پوچھنے والے نے کچھ کہنا چاہا: ارایت ارایت (یعنی اگر مگر) تو آپ نے فرمایا اپنی اس اگر مگر کو اس ستارے پر رکھو۔ آپ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا: رات کی نماز دو رکعت ہے اور وتر رات کی آخری ایک رکعت ہوتی ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ٢٦٤/١٢ واسنادہ حسن)

آپ کی اس سختی کی وجہ سے لوگوں کے منہ بند ہو گئے جو فرضی مسائل اور موشگافیوں میں سرگرداں تھے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور خلافت

ایک صحابی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: آپ اپنی بیعت کیوں نہیں کروا لیتے؟ آپ امیر المومنین کے بیٹے ہیں اور خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ انھوں نے فرمایا: کیا اس بات پر سارے لوگوں کا اجماع ہو گیا ہے؟ اس صحابی نے کہا: جی ہاں تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر سب کا اجماع ہو گیا ہے۔ عبداللہ بن عمر نے فرمایا: ایک ہجر (ایک علاقہ) میں تین حبشی بھی اس بات کے خلاف ہوئے تو مجھے خلافت کی کوئی حاجت نہیں۔ سائل نے پوچھا: اگر آپ کو جائیداد اور مال دیا جائے تو کیا خلافت پر بیعت کے لئے تیار ہو جائیں گے؟ فرمایا: دور ہو، نکل جا یہاں سے، پھر یہاں نہ آنا، میرا دین تمھارے درہم و دینار کا محتاج

نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں میں اس حالت میں دنیا سے سفر کروں کہ میرے ہاتھ صاف شفاف ہوں۔ (ابن سعد ١٦٤/٤، وسندہ صحیح)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ سنتے اُسے یاد کرلیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں پوچھتے رہتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال کا پورا ریکارڈ رکھتے۔ اتباعِ سنت میں جس جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازیں پڑھی ہوتیں وہیں پہ سجدہ ریز ہوتے۔ سفر کیلئے وہ راستے اختیار کرتے جن پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر کیا ہوتا اور ہر سال حج ادا کرتے اور وقوفِ عرفہ کے وقت اس جگہ ٹھہرتے جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام فرمایا ہوتا۔

(عسقلانی، الاصابہ، 186:4)

کتب احادیث وسیر میں ان کے حوالے سے ایک روایت ہے:

ما ذکر ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إلا بکی، ولا مرّ علی ربعھم إلا غمض عینیہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرتے رو پڑتے، اور جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ٹھکانوں پر گذرتے آنکھیں بند کر لیتے۔ (بیہقی، المدخل الی السنن الکبریٰ: 2113)

حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ ان کا پاؤں سُن ہو گیا، میں نے تجویز پیش کی: ''أذکر أحب الناس إلیک، فقال یا محمداہ، فانتشرت'' جو ہستی آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اُس کا نام لیجئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے (آقا علیہ السلام کو پکارتے ہوئے)

کہا: اے محمد، صلی اللہ علیک وسلم! مدد فرمایئے۔ دوسرے ہی لمحے ان کا پاؤں ٹھیک ہو چکا تھا۔ (الشفاء، 218:2)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ شماران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے جو محدث بھی تھے اور فقیہ و مجتہد بھی۔ یعنی الفاظ پیغمبر کو بھی یاد کیا اور اللہ نے مسائل کے استنباط کی طاقت بھی عطا فرمائی۔

لسان نبوت سے آپ رضی اللہ عنہما کے صالح ہونے کی شہادت:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وہ عظیم صحابی ہیں جس کے صالح اور متقی ہونے کی گواہی خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ دو فرشتے مجھے پکڑ کر ایک کنویں کے پاس لے گئے میں ڈر کی وجہ سے یہ جملہ کہا: اعوذ باللہ من النار اعوذ باللہ من النار فرشتے نے کہا ڈرنے کی کوئی بات نہیں میں نے یہ خواب اپنی ہمشیرہ ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتایا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نعم الرجل عبداللہ لو کان یصلی من اللیل ،عبداللہ بہترین شخص ہے اگر وہ تہجد کا اہتمام کرتا تو کیا ہی اچھا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے حضرت سالم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد میرے والد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رات کو بہت کم سوتے تھے (یعنی اکثر حصہ عبادت میں گزارتے تھے) (بخاری)

ترمذی شریف میں آپ رضی اللہ عنہما کا ایک اور خواب مذکور ہے فرماتے ہیں کہ میں نے خواب کی حالت میں خود کو جنت میں دیکھا میرے ہاتھ میں ایک ریشمی کپڑے کا ٹکڑا ہے جنت کی جس طرف اشارہ کرتا ہوں وہ کپڑا مجھے اڑا کر وہیں لے جاتا ہے میں خواب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتایا انہوں نے حضور علیہ السلام کو بتایا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''ان

اخاک رجل صالح" (ترمذی)

اے حفصہ! آپ کا بھائی نیک آدمی ہے۔

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ رضی اللہ عنہما کے فضل وکمال۔ اور زہد وتقویٰ کے معترف تھے۔ سید الفقہاء حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ان املك شباب قریش لنفسه عن الدنیا عبداللہ بن عمر

نوجوان قریش میں حضرت ابن عمر سب سے زیادہ اپنے نفس پر کنٹرول کرنے والے تھے۔ (الاصابہ ج2 ص1096)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مالنا من ادرك الدنیا الامالت ومال بھا غیر عبداللہ بن عمر" حضرت ابن عمر دنیا سے بالکل بے رغبت تھے۔

(الاصابہ ج2 ص1096)

محبت واتباع رسول:

مومن کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے محبت اور آپ کی اتباع دونوں ضروری ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما میں یہ دونوں وصف درجہ کمال میں موجود تھے محبت رسول کا یہ عالم تھا کہ آپ علیہ السلام کے انتقال کے بعد جب بھی آپ سفر سے واپس آتے تو سیدھا روضہ اقدس پر جا کر سلام کرتے۔ حضرت نافع فرماتے ہیں:

کان ابن عمر اذا قدم من سفر اتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال السلام علیك یا رسول اللہ، الحدیث (مصنف عبدالرزاق: 6753)

حضرت ابن عمر جب سفر سے واپس آتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر جا کر سلام عرض کرتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل سے دو باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔

(۱) قبر اسی زمین والے گڑھے کو کہتے ہیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر والی قبر پہ تشریف لے گئے تھے نہ کہ علیین میں۔

(۲) جب روضہ مبارک پر حاضری کا موقع ملے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے سلام کہنا چاہیے کیونکہ آپ علیہ السلام قبر میں زندہ ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہما کی اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ دوران سفر جہاں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا وہاں پر آپ بھی رکتے تھے۔اس جگہ اترتے جہاں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اترے تھے۔ جہاں کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی آپ رضی اللہ عنہما بھی وہاں نماز پڑھتے تھے، یہاں تک کہ اگر حضور علیہ السلام نے کسی موقع پر کھڑے ہو کر دعا فرمائی تو اتباع رسول کے شوق میں آپ نے بھی دعا حالت قیام میں ہی فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما شب زندہ دار

آپ رضی اللہ عنہما ایسے جلیل القدر صحابی کا تذکرہ جنہوں نے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے تعلق کا آغاز ۱۳ برس کی عمر میں کیا۔ یہ وہ وقت ہے جب ۱۳ برس کے اس بچے نے اپنے باپ کی ہمراہی میں غزوۂ بدر میں ایک مجاہد کی حیثیت سے شرکت کا ارادہ کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کم سنی کے باعث اسے واپس لوٹا دیا۔اس دن سے...... جی ہاں! اس بچے کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے ساتھ اس دن سے شروع ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی قبل یعنی اس وقت سے جب اس نے اپنے باپ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔

اس دن سے لے کر آج کے دن تک جبکہ آپ رضی اللہ عنہما اپنے رب سے ملاقات کر رہے ہیں۔ زندگی کے ان پچاسی برسوں میں ہم ان سے جہاں کہیں بھی ملتے ہیں، انھیں

مستقل مزاج اور فرمانبردار ہی پاتے ہیں۔ ایسا استقلال اور ایسی فرمانبرداری کہ اپنے راستے سے سرِمو انحراف کرتے ہیں نہ اس بیعت سے ذرہ بھر سرکتے ہیں جو انھوں نے کر رکھی ہے اور نہ کسی عہد کو توڑتے ہیں جو انھوں نے باندھ رکھا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خوبیاں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میں دکھائی دینے والی خوبیاں تو بہت سی ہیں: علم و تواضع، زہد وسخاوت، ضمیر و منہج کی استقامت، عبادت میں دوام اور بہترین مؤقف پر قائم رہنے کی صداقت ان کی بہترین خوبیاں ہیں۔ آپؓ نے اپنی شخصیت اور پاکیزہ زندگی کو ان تمام فضائل وخصائل میں ڈھال لیا تھا۔ آپؓ نے اپنے والد عمرؓ بن خطاب سے خیرِ کثیر سمیٹی تھی اور والد ہی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام تر خیر اور عظمت سے اپنا دامن بھر لیا تھا۔ پھر والد کی مانند اللہ ورسولؐ پر اپنے ایمان کو کمال تک پہنچا لیا تھا۔ اس لحاظ سے جب دیکھا جائے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقوشِ قدم کی پیروی کا آپؓ ایسا مظاہرہ کرتے ہیں کہ عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر فعل کو بہ نظر غائر دیکھتے ہیں۔ پھر اسے پوری باریکی اور دقت سے بیان کرتے ہیں۔ مثلاً جہاں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی، آپؓ بھی وہیں وہیں نماز پڑھتے ہیں۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر دعا کرتے ہیں، آپؓ بھی وہاں کھڑے ہو کر دعا کرتے ہیں۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ کر دعا کرتے ہیں، آپؓ بھی وہاں بیٹھ کر دعا کرتے ہیں۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راستے میں ایک جگہ اپنی اونٹنی سے اترے اور دو رکعت ادا کیں۔

آپ رضی اللہ عنہما بھی جب سفر میں اس مقام پر پہنچتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں وہی انجام دیتے ہیں۔ بلکہ آپؓ کو یاد آجاتا ہے کہ مکہ میں اس جگہ آپؐ کے اونٹنی

سے اترنے اور دو رکعت ادا کرنے سے قبل آپؐ کی اونٹنی نے دو چکر لگائے تھے۔ لہٰذا آپؓ جونہی اس جگہ پہنچتے ہیں اونٹنی کو دو چکر لگواتے ہیں پھر دو رکعت ادا کرتے ہیں۔ آپؓ یہ سارا کام اسی طرح کرتے ہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کرتے آپؓ نے دیکھا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اہتمام اور جذبۂ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرطِ جذبات میں کہتی ہیں: ''عبداللہ بن عمر سے بڑا نقوشِ نبویؐ کا اتباع کرنے والا کوئی نہیں ہے۔'' حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی طویل و مبارک زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی مضبوط دوستی کو نبھاتے گزار دی۔ حتیٰ کہ مسلمانوں پر ایک وقت ایسا آیا کہ ان کا نیک آدمی بھی یہ دعا کرتا دکھائی دیتا ہے: ''اے اللہ! جب تک میں زندہ رہوں تب تک عبداللہ بن عمرؓ کو بھی زندہ رکھ تاکہ میں ان کی اقتدا کرتا رہوں، میں تو ان کے سوا کسی کو نہیں جانتا جو دورِ اول کے طریقوں پر عمل پیرا رہتا ہو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقوشِ قدم اور سنت کی پیروی کی یہ شدید خواہش ہی تھی کہ آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کرنے سے ڈرتے تھے۔ اس وقت تک آپؓ کوئی حدیث بیان نہیں کرتے تھے جب تک اس کا ایک ایک حرف یاد نہ آجاتا۔ آپؓ کے ہم عصر کہتے ہیں: ''اصحابِ رسول میں عبداللہ بن عمرؓ سے بڑھ کر اس بات سے خوف کھانے والا کوئی نہیں کہ وہ حدیث میں کوئی کمی بیشی کرے۔''

اسی طرح آپ رضی اللہ عنہما فتویٰ دینے میں بھی نہایت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے پاس ایک سائل کوئی فتویٰ پوچھنے کے لیے آیا تو انھوں نے جواب دیا: ''جو بات آپ پوچھ رہے ہیں مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں۔'' آدمی چلا گیا، ابھی وہ چند قدم ہی دور گیا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خوشی سے اپنی ہتھیلیوں کو بھینچ رہے تھے اور کہہ رہے تھے: ''عبداللہ بن عمرؓ سے ایک ایسا مسئلہ پوچھا گیا جس کا اسے علم نہیں تھا تو اس نے کہہ

دیا کہ مجھے یہ معلوم نہیں!''

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی چند احادیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک جماعت کا امیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بنایا۔ ان کی امارت پر بعض لوگوں کو اعتراض ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج تم کو اس کی امارت پر اعتراض ہے تم ہی کچھ دن پہلے اس کے باپ کی امارت پر اعتراض کر چکے ہو۔ حالانکہ خدا کی قسم وہ امارت کے مستحق و اہل تھے۔ اس کے علاوہ وہ مجھے سب سے زیادہ عزیز تھے جس طرح یہ اسامہ رضی اللہ عنہ ان کے بعد مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ موتہ کے لشکر کا امیر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمادیا تھا کہ اگر زید رضی اللہ عنہ شہید ہوجائیں تو جعفر رضی اللہ عنہ امیر ہوں اور اگر جعفر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوجائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ امیر ہوں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس غزوہ میں' میں بھی شریک تھا۔ بعد میں جب ہم نے جعفر کو تلاش کیا تو ان کی لاش ہمیں شہداء میں ملی اور ان کے جسم پر کچھ اوپر نوے زخم نیزوں اور تیروں کے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کتابیں کیا ہیں؟ ہم نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نہیں جانتے مگر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں خبر دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ کتاب جو میرے دائیں ہاتھ میں ہے یہ کتاب اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے اس میں

اہل جنت کے نام اور ان کے باپوں کے نام اور ان کے قبائل کے نام درج ہیں آخر میں میزان ہے نہ ان میں کسی کا اضافہ ہوگا نہ کسی کی کمی ہوگی۔ پھر اس کتاب کے متعلق فرمایا جو بائیں ہاتھ میں تھی کہ یہ کتاب ہے رب العالمین کی طرف سے اس میں نام درج ہیں دوزخ والوں کے اور ان کے باپ دادوں کے نام ہیں اور ان کے قبیلوں کے پھر حساب لگایا گیا ہے آخر میں پس نہ ان میں اضافہ ہوگا اور نہ کمی ہوگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو ایک ایسا امر ہے کہ ہم اس سے فارغ ہو گئے یعنی جب دوزخی اور جنتی ہونا مقرر ہو چکا ہے پھر عمل سے کیا حاصل ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک تم متوسط انداز سے چلو سیدھے راستہ پر اور صواب کے قریب ہو جاؤ اس لئے کہ صاحب جنت کا خاتمہ ایسے اعمال پر ہوتا ہے جو صاحب جنت کے اعمال ہیں اور دوزخی کا خاتمہ اہل دوزخ کے اعمال پر ہوتا ہے اس سے قبل اس کا عمل کیسا ہی ہو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کتابوں کو رکھ دیا اور فرمایا فارغ ہو چکا ہے تمہارا رب بندوں سے ایک گروہ جنت میں اور ایک دوزخ میں جائے گا۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر فتح مکہ کے دن مکہ کے بالائی علاقہ کی طرف سے شہر میں داخل ہوئے۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما آپ کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ اور کعبہ کے حاجب عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آخر اپنے اونٹ کو آپ نے مسجد (کے قریب باہر) بٹھایا اور بیت اللہ کی کنجی لانے کا حکم دیا پھر آپ بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ اسامہ بن زید' بلال اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ اندر کافی دیر تک ٹھہرے' جب باہر تشریف لائے تو لوگ جلدی سے آگے بڑھے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سب سے پہلے اندر جانے والوں میں تھے۔ انہوں نے بیت اللہ کے دروازے

کے پیچھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کھڑے ہوئے دیکھا اور ان سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں نماز پڑھی تھی۔ انہوں نے وہ جگہ بتلائی جہاں آپ نے نماز پڑھی تھی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں یہ پوچھنا بھول گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے، انہوں نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا تو دشمن کا کچھ بھی نقصان نہیں کیا۔ آخر آپ نے فرمایا کہ اب ان شاء اللہ ہم واپس ہو جائیں گے۔ مسلمانوں کے لیے ناکام لوٹنا بڑا شاق گذرا۔ انہوں نے کہا کہ واہ بغیر فتح کے ہم واپس چلے جائیں (راوی نے) ایک مرتبہ (نذھب) کے بجائے (نقفل کا لفظ استعمال کیا یعنی ہم ـــ لوٹ جائیں اور طائف کو فتح نہ کریں (یہ کیونکر ہو سکتا ہے) اکر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر صبح سویرے میدان میں جنگ کے لیے آجاؤ پس صحابہ سویرے ہی آگئے لیکن ان کی بڑی تعداد زخمی ہوگئی۔ اب پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان شاء اللہ ہم کل واپس چلیں گے۔ صحابہ نے اسے بہت پسند کیا۔ آن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ہنس پڑے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیل بنایا ہے جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا۔ قیامت کے دن جنت میں میرا مقام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام دونوں آمنے سامنے ہوں گے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ (ہم دونوں کے) اللہ کے دو خلیلوں کے درمیان ایک مومن ہوں گے۔'' (ابن ماجہ)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کی قصواء اونٹنی پر پیچھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ اور نعمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے آپ نے کعبہ کے پاس اپنی اونٹنی بٹھادی اور عثمان (بن طلحہ) سے فرمایا کہ کعبہ کی کنجی لاؤ، وہ کنجی لائے اور دروازہ کھولا۔ حضور اندر داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسامہ، بلال اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی اندر گئے، پھر دروازہ اندر سے بند کرلیا اور دیر تک اندر (نماز اور دعاؤں میں مشغول) رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو لوگ اندر جانے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے اور میں سب سے آگے بڑھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ بلال رضی اللہ عنہ دروازے کے پیچھے کھڑے ہوئے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کہاں پڑھی تھی؟ انہوں نے بتایا کہ خانہ کعبہ میں چھ ستون تھے۔ دو قطاروں میں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نے آگے کی قطار کے دوستونوں کے درمیان نماز پڑھی تھی۔ کعبہ کا دروازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ کی طرف تھا اور چہرۂ مبارک اس طرف تھا، جدھر دروازے سے اندر جاتے ہوئے چہرہ کرنا پڑتا ہے۔ آپ کے اور دیوار کے درمیان (تین ہاتھ کا فاصلہ تھا) ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہ پوچھنا میں بھول گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعت نماز پڑھی تھی۔ جس جگہ آپ نے نماز پڑھی تھی وہاں اب سرخ سنگ مرمر بچھا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس وقت لوگ صبح کو قباء میں نماز پڑھ رہے تھے تو ایک آدمی نے آکر کہا کہ بے شک حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن نازل ہوا ہے اور اس میں حکم دیا گیا ہے کہ آپ کعبہ کی طرف منہ کرلیں تو خبردار تم لوگ کعبہ کی طرف منہ کرلو اور لوگوں کا منہ اس وقت شام کی طرف تھا تو انہوں نے منہ کعبہ کی طرف کرلیا۔

حضرت اسحاق بن سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے والد محترم رضی اللہ عنہ سے بیان

کرتے ہوئے سنا: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت یحیٰی بن سعد کے پاس گئے تو یحیٰی کی اولاد میں سے ایک لڑکے کو دیکھا کہ وہ مرغی کو باندھ کر اسے پتھر مار رہا ہے، تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کے پاس تشریف لے گئے یہاں تک اس مرغی کو آزاد کر دیا۔ پھر مرغی اور اس لڑکے کو ساتھ لے کر حضرت یحیٰی بن سعید رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: اپنے لڑکے کو منع کیجئے کہ پرندے کو اس طرح بے بس نہ کرے کیونکہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مویشیوں وغیرہ کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں: حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے یا چاندی کی انگوٹھی پہنی اور اس کا نگینہ ہتھیلی کی جانب رکھا اور اس کے اندر محمد رسول اللہ نقش کروایا، پس لوگوں نے بھی اسی طرح پہن لیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پہنے ہوئے دیکھا تو اپنی انگوٹھی اتار دی اور فرمایا: میں اب اسے کبھی نہیں پہنوں گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی تیار کروائی تو لوگوں نے بھی چاندی کی انگوٹھیاں بنوالیں، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وہ انگوٹھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہنی، پھر حضر عمر رضی اللہ عنہ نے پہنی پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہنی یہاں تک کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے وہ انگوٹھی اریس کنویں کے اندر گر گئی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”حسن اور حسین رضی اللہ عنہما جنتی جوانوں کے سردار ہیں، اور ان کے والدان سے افضل ہیں۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ ان کے پاس عبداللہ بن زبیر کی آزمائش کے زمانہ میں دو آدمی آئے اور وہ کہنے لگے کہ دیکھیئے لوگ کیسا چاند چڑھا رہے ہیں، حالانکہ آپ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہے ہیں لہذا باہر نکل کر اصلاح احوال کرنے میں آپ کو کیا چیز مانع ہے تو آپ رضی اللہ

عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ چیز مانع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان بھائی کا ناحق خون بہانا حرام فرمایا ہے تو وہ دونوں کہنے لگے کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے تو فرمایا ہم نے لڑائی کر لی یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہیں رہا اور صرف ایک خدا کی عبادت ہونے لگی لیکن آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپس میں لڑیں اور جھگڑا کریں یہاں تک کہ فتنے کھڑے ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کی عبادت ہونے لگے۔

واحدی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام میں سے ایک آدمی کو بکری کا سرا ہدیہ بھیجا گیا تو اس نے کہا کہ میرا بھائی اور اس کے عیال اس کے مجھ سے زیادہ حق دار ہیں اس طرح اس سری کو ایک شخص دوسرے کو بھیجتا رہا یہاں تک کہ سات گھرانوں نے اس کو حاصل کیا گیا یہاں تک کہ یہ پہلے شخص کے پاس پہنچ گئی تو یہ آیت کرمہ نازل ہوئی۔ ''اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بے شک زید بن عمرو بن نفیل شام کی طرف نکل گئے تاکہ کسی سے پوچھ کر برحق دین کی اتباع کریں پس انہیں ایک یہودی عالم ملا انہوں نے اس کے دین کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ شائد میں تمہارا دین اختیار کرلوں وہ کہنے لگا کہ تم ہمارے دین میں اس وقت نہیں آسکتے جب تک غضبِ الٰہی سے اپنا حصہ حاصل نہ کرلو، انہوں نے کہا کہ میں تو خدا کے غضب سے کوسوں دور بھاگتا ہوں اور خدا کا ذرا سا قہر بھی برداشت کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے پس کیا تم مجھے کسی دوسرے دین کے بارے میں بتا سکتے ہو؟ وہ کہنے لگا کہ مجھے حنیف کے سوا اور کسی دین کا پتہ نہیں ہے زید نے پوچھا حنیف دین کون سا ہے؟ جواب دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین جو یہودیت اور نصرانیت کے علاوہ ہے اور اس میں خدا کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کی جاتی پس زید وہاں سے چلے گئے اور ایک نصرانی عالم سے ملے اسے بھی ایسا ہی پوچھا تو اس نے کہا تم ہمارے دین پر اس وقت نہیں

آ سکتے جب تک اللہ کی لعنت سے اپنا حصہ حاصل نہ کرو انہوں نے جواب دیا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کی لعنت سے کوسوں دور بھاگتا ہوں نیز خدا کی لعنت اور اس کے غضب کو ذرا بھی برداشت کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے پس کیا تم مجھے کسی اور دین کے بارے میں بتاؤ گے؟ اس نے جواب دیا کہ میں دینِ حنیف کے سوا اور کسی دین کو نہیں جانتا، پوچھا کہ دینِ حنیف کیا ہے؟ جواب دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین جو نہ یہودیت ہے نہ نصرانیت اور نہ اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کی جاتی ہے جب زید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ان کی زبانی یہ بات سنی تو اس کے پاس سے چلے آئے۔ باہر نکل کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہا: اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں ابراہیمی دین پر ہوں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو قسم اٹھائے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے قسم نہ اٹھائے پس قریش اپنے آباؤ اجداد کی قسمیں اٹھاتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے آباؤ اجداد کی قسمیں نہ اٹھاؤ۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ بیوہ ہوگئیں جو حضرت خنیس بن حذافہ سہمی کے نکاح میں تھیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے تھے اور بدری صحابی تھی اور مدینہ منورہ میں ان کا وصال ہو گیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں اپنی صاحبزادی حفصہ رضی اللہ عنہ کا آپ سے نکاح کر دوں؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں اس بارے میں غور کروں گا مجھ پر یہ بات واضح ہوئی ہے کہ میں ان دنوں نکاح نہ کروں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی

اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کر دوں؟ تو اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خاموشی اختیار کی اور مجھے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا ان کے طرزِ عمل کا مجھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جواب سے بھی زیادہ دکھ ہوا کئی دن گزر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لئے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا پیغام بھیجا پس میں نے ان کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دیا اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا شائد آپ کو یہ بات ناگوار گزری ہوگی جب آپ نے حفصہ کا میرے ساتھ نکاح کرنا چاہا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرضی کے مطابق جواب نہیں دیا تھا؟ میں نے کہا ہاں انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس لئے تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا کیونکہ میرے علم میں یہ بات تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے لئے اس بارے میں مجھ سے مشورہ کیا تھا پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راز فاش نہیں کر سکتا تھا ہاں اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ارادہ ترک فرما دیتے تو پھر اسے میں قبول کر لیتا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بنی نضیر اور بنی قریظہ نے لڑائی کی تو بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا گیا اور بنی قریظہ پر احسان کر کے انہیں رہنے دیا گیا جب انہوں نے دوبارہ لڑائی کی تو ان کے مردوں کو قتل کر دیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو نیز مال اسباب کو مسلمانوں میں بانٹ دیا گیا ماسوائے ان لوگوں کے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل گئے یعنی ایمان لا کر مسلمان ہو گئے۔ چنانچہ مدینہ منورہ کے سارے یہودی یعنی بنی قینقاع جو حضرت عبداللہ بن سلام کے ہم قوم تھے بنی حارثہ کے یہود اور مدینہ طیبہ کے دوسرے تمام یہودی جلاوطن کر دیئے گئے

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوات یا حج یا عمرہ سے واپس تشریف لاتے تو پہلے تین مرتبہ تکبیر کہتے پھر زبان مبارک پر یہ کلمات ہوتے نہیں کوئی معبود مگر اللہ، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے

اور اسی کے لئے سب تعریفیں ہیں اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے ہم اسی کی طرف لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، سجدہ کرنے والے اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔ اللہ عالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اسی نے اکیلے کافروں کی فوجوں کو شکست دی ہے۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے احرام باندھا اور کہا کہ اگر مجھے بیت اللہ جانے سے روکا گیا تو میں بھی وہی کام کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کیا تھا جب آپ کو کفار قریش نے بیت اللہ جانے سے روکا تھا پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تلاوت کی کہ "یقیناً تم لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔"

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عبید اللہ بن عبداللہ اور سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ ان دونوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے گفتگو کی (دوسری سند) امام بخاری نے کہا اور ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا' ان سے جویریہ نے بیان کیا اور ان سے نافع نے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے کسی لڑکے نے ان سے کہا' اگر اس سال آپ (عمرہ کرنے) نہ جاتے تو بہتر تھا کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ آپ بیت اللہ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے تھے تو کفار قریش نے بیت اللہ پہنچنے سے روک دیا تھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی کے جانور وہیں (حدیبیہ میں) ذبح کر دیئے اور سر کے بال منڈوا دیئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی بال چھوٹے کروا لئے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا کہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے اوپر ایک عمرہ واجب کر لیا ہے (اور اسی طرح تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی وہ واجب ہو گیا) اگر آج مجھے بیت اللہ تک جانے دیا گیا تو میں طواف کر لوں گا اور اگر

مجھے روک دیا گیا تو میں بھی وہی کروں گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ پھر تھوڑی دور چلے اور کہا کہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے اوپر عمرہ کے ساتھ حج کو بھی ضروری قرار دے لیا ہے اور کہا میری نظر میں تو حج اور عمرہ دونوں ایک ہی جیسے ہیں' پھر انہوں نے ایک طواف کیا اور ایک سعی کی (جس دن مکہ پہنچے) اور دونوں ہی کو پورا کیا۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ عبداللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام میں داخل ہوئے تھے، حالانکہ یہ غلط ہے۔ البتہ عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنا ایک گھوڑا لانے کے لیے بھیجا تھا' جو ایک انصاری صحابی کے پاس تھا تاکہ اسی پر سوار ہو کر جنگ میں شریک ہوں۔ اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے نیچے بیٹھ کر بیعت لے رہے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ کو ابھی اس کی اطلاع نہیں ہوئی تھی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پہلے بیعت کی پھر گھوڑا لینے گئے۔ جس وقت وہ اسے لے کر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو وہ جنگ کے لیے اپنی زرہ پہن رہے تھے۔ انہوں نے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے نیچے بیعت لے رہے ہیں۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر آپ روانہ ہوئے اور ان کا بیٹا ان کے ساتھ گیا حتیٰ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ اتنی سی بات تھی جس پر لوگ اب کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے ابن عمر رضی اللہ عنہما اسلام لائے تھے۔

حضرت نافع نے مجھ کو خبر دی انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' مختلف درختوں کے سائے میں پھیل گئے تھے۔ پھر اچانک بہت سے صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا بیٹا عبداللہ! دیکھو تو سہی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع کیوں ہو گئے ہیں؟ انہوں نے دیکھا تو صحابہ

بیعت کر رہے تھے۔ چنانچہ پہلے انہوں نے خود بیعت کر لی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آ کر خبر دی پھر وہ بھی گئے اور انہوں نے بھی بیعت کی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فضول بات کہنے والے اور فضول کام کرنے والے نہ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تم میں سے وہ آدمی زیادہ پسند ہے جس کا اخلاق زیادہ اچھا ہے اور فرمایا کہ قرآن کریم چار آدمیوں سے پڑھو: عبداللہ بن مسعود، حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ، ابی بن کعب اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں اگر کوئی شخص خواب دیکھتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور اسے بیان کرتا۔ مجھے بھی تمنا تھی کہ میں بھی کوئی خواب دیکھوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کروں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانہ میں میں مجرد لڑکا تھا اور مسجد میں سویا کرتا تھا۔ پس میں نے خواب میں دو فرشتوں کو دیکھا کہ وہ مجھے پکڑ کر ایسی دوزخ کے قریب لے گئے جو پیچ در پیچ کنویں کی طرح تھی اور کنویں کی طرح اس کے دو کنارے تھے اور اس کے اندر کتنے ہی لوگ تھے انہیں پہچان کر میں کہنے لگا میں دوزخ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔ میں دوزخ سے پناہ چاہتا ہوں۔ اس سے ایک فرشتہ نے مجھ سے کہا مجھے خوف زدہ نہیں کیا جائے گا۔ پس میں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے سامنے یہ خواب بیان کیا اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عبداللہ بہت اچھا آدمی ہے کاش! وہ رات کو نماز پڑھا کرے۔ سالم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت عبداللہ کو رات نہ سوتے مگر تھوڑی دیر۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بہن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا بے شک عبداللہ مرد صالح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ بے شک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خواب میں مجھے دکھایا گیا کہ میں ایسے کنویں سے ڈول کے ساتھ پانی نکال رہا ہوں جس پر چرخی لگی ہوئی ہے پھر ابوبکر آئے اور انہوں نے ایک یا دو ڈول نکالے لیکن کمزوری کے ساتھ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے ان کے بعد عمر بن خطاب آئے تو وہ ڈول چرس (بڑا ڈول) بن گیا اور میں نے کسی بھی جوان مرد کو اس طرح کام کرتے نہیں دیکھا یہاں تک کہ تمام لوگ جانوروں کو سیراب کر کے ان کو ٹھکانے پر لے گئے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو از راہِ تکبر کپڑا گھسیٹے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے کہ میرے کپڑے کا ایک کونہ عموماً لٹک جاتا ہے لہٰذا اب میں احتیاط کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم ایسا از راہِ تکبر نہیں کرتے۔ موسیٰ بن عقبہ نے سالم سے دریافت کیا کہ کیا حضرت عبداللہ بن عمر و نے ''مَنْ جَرَّ اِزَارَہٗ'' کہا ہے؟ جواب دیا: نہیں بلکہ میں نے تو ''ثَوْبَہٗ'' سنا ہے

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برکت والے معجزات شمار کرتے تھے اور تم ان خوف (وعید) والے معجزات شمار کرتے ہو۔ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے پس پانی کم ہو گیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بچا ہوا پانی لاؤ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لے آئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس برتن میں اپنا ہاتھ داخل فرمایا پھر فرمایا بابا پاک پانی کی طرف آجاؤ اور یہ برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (راوی کہتے ہیں) میں نے دیکھا کہ پانی چشمہ کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے ابل رہا ہے اور جس وقت کھانا کھایا جاتا ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا: ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا اس نے بلی کو ایسا باندھ رکھا کہ وہ مرگئی پس وہ عورت دوزخ میں داخل کی گئی کیونکہ نہ اسے کھلاتی تھی نہ پلاتی تھی اور ہمیشہ باندھے رکھتی تھی چھوڑتی بھی نہ تھی تاکہ کم از کم کیڑے مکوڑے ہی کھا لیتی۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے اگلے لوگوں میں سے تین آدمی سفر کر رہے تھے کہ بارش آگئی وہ ایک غار میں داخل ہوگئے سوء اتفاق کہ غار کا منہ ایک پتھر سے بند ہوگیا وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے تمہیں اب سچائی کے سوا کوئی چیز نہیں بچا سکتی تم میں سے ہر آدمی اس کام کو بیان کر کے دعا کرے جس میں وہ خود کو سچا سمجھتا ہے پس ان میں سے ایک نے کہا اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے تین صاع چاولوں پر ایک مزدور رکھا تھا وہ اپنے چاول میرے پاس چھوڑ کر چلا گیا میں نے اس کے چاول بو دیئے ان سے اتنا فائدہ ہوا کہ میں نے کئی گائے خرید لیں پھر وہ اپنی مزدوری لینے آیا تو میں نے اس سے کہا یہ گائیں تیری ہیں انہیں لے جاوہ کہنے لگا میں نے تو صرف تین صاع چاول لینے تھے میں نے اس سے کہا کہ یہ گائیں اسی تین صاع چاولوں سے خریدی ہوئی ہیں پس وہ انہیں ہانک کر لے گیا اگر تو جانتا ہے کہ میں نے محض تیرے خوف سے کیا تھا تو ہمارا غم دور فرما دے پس وہ پتھر تھوڑا سا ہٹ گیا دوسرا کہنے لگا اے اللہ تو جانتا ہے کہ میرے والدین بڑھاپے کی عمر کو پہنچے ہوئے تھے میں روزانہ رات کو انہیں بکریوں کا دودھ پلایا کرتا تھا ایک رات جب میں دودھ لے کر حاضر ہوا تو وہ دونوں سو چکے تھے اس وقت میرے اہل وعیال بھوک سے تڑپ رہے تھے میری عادت تھی کہ پہلے اپنے والدین کو دودھ پلاتا پھر اپنے اہل وعیال کو دودھ پلایا کرتا تھا میں نے انہیں جگانا مناسب نہ سمجھا اور یہ بھی ناگوار ہوا کہ ان کو دودھ پلائے بغیر چلا جاؤں پس میں صبح تک ان کے انتظار میں کھڑا رہا اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میں نے صرف تیرے خوف سے کیا ہے تو ہماری مشکل آسان فرما دے پس

تھوڑا سا پتھر ہٹ گیا یہاں تک کہ انہیں آسمان نظر آنے لگا تیسرا شخص کہنے لگا اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرے چچا کی بیٹی تھی جو مجھے سب سے زیادہ پیاری تھی اور میں دل و جان سے اسے چاہتا تھا میری تمنا تھی کہ اس سے اپنی نفسانی خواہش پوری کروں لیکن وہ سو دینار لئے بغیر رضا مند نہ ہوتی تھی پس میں نے تگ و دو کی تو مطلوبہ دینار حاصل ہو گئے تو وہ کہنے لگی خدا سے ڈرو اور شرعی حق کے بغیر مہر بکارت کو نہ توڑ میں اسی طرح اٹھ کھڑا ہوا اور سو دینار بھی چھوڑ دیئے اگر تو جانتا ہے کہ میں نے ایسا تیرے خوف سے کیا تھا تو ہمیں راستہ عطا فرما دے پس اللہ تعالیٰ نے انہیں راستہ دے دیا اور وہ باہر نکل آئے

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گزشتہ امتوں کے مقابلے میں تمہاری مزدوری کے وقت کی مثال ایسی ہے جیسے نماز عصر سے غروب آفتاب تک کی مثال ہے۔ تمہاری اور یہود و نصاریٰ کے اوقات کار کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مزدوروں سے کہے کون ہے جو میرے لئے ایک قیراط کے بدلے دوپہر تک کام کرے؟ پس یہود نے ایک قیراط کے بدلے دوپہر تک کام کیا پھر اس نے کہا کون ہے جو دوپہر سے عصر تک میرے لئے ایک قیراط کے بدلے کام کرے؟ پس نصاریٰ نے دوپہر سے عصر تک ایک قیراط کے بدلے میں کام کیا پھر اس نے کہا: کون ہے جو میرے لئے عصر سے غروب آفتاب تک دو قیراط کے لئے کام کرے تو وہ تم ہو جنہوں نے نماز عصر سے غروب آفتاب تک کام کیا اور اجرت میں دو قیراط پائے خبردار ہو جاؤ کہ تمہارا اجر دوگنا ہے اس پر یہود و نصاریٰ ناراض ہو کر کہنے لگے ہم نے کام زیادہ کیا مزدوری تھوڑی ملی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تمہیں تمہارے حق میں کچھ کم دیا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں فرمایا یہ تو میرا فضل ہے کہ جس کو جتنا چاہوں دوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میرے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ

بات پہنچائی گئی کہ میں نے یہ کہا ہے کہ خدا کی قسم میں زندگی بھر ہمیشہ دن کو روزہ رکھا کروں گا اور ہمیشہ رات کو قیام کیا کروں گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے یہ کہا ہے کہ میں زندگی بھر ہمیشہ دن کو روزے رکھا کروں گا اور ہمیشہ راتوں کو قیام کیا کروں گا؟ میں نے جواب دیا ہاں یہی کہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم یہ نہیں کرسکو گے یوں کرو کہ روزے رکھا کرو اور چھوڑا بھی کرو راتوں کو قیام بھی کرو اور سویا بھی کرو لہٰذا مہینے میں تین دن روزے رکھ لیا کرو اس لئے کہ نیکی کا ثواب دس گنا ہے تو ہمیشہ روزہ رکھنے جیسا ہوجائے گا انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں زیادہ رکھ سکتا ہوں فرمایا تو ایک دن روزہ رکھو اور دوسرے دن نہ رکھو یہ داؤدی روزہ ہے اور ہے بھی معتدل روزہ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس سے بھی زیادہ رکھ سکتا ہوں فرمایا اس سے زیادہ میں فضیلت نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی بندیوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے منع نہ کرو۔'' ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک بیٹے نے کہا: ہم تو انہیں منع کریں گے۔ سالم رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: میں تجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سناتا ہوں اور تو کہتا ہے ہم تو منع کریں گے۔ (ابن ماجہ:١٦)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کی خدمت میں کھجور کا گابھی پیش کیا گیا پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک درخت ایسا ہے جس کی برکت مسلمان جیسی ہے پس میں سمجھ گیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے پس میں نے ارادہ ای کہ عرض کردوں: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کھجور کا درخت ہے لیکن جب میں نے دوسرے حضرات پر نظر ڈالی تو محسوس کوہا کہ میں تو ان حضرات کا عشر عشیر بھی نہیں ہوں کہ منہ کھولوں پس میں خاموش رہا پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ

کھجور کا درخت ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن ایک آنت میں کھاتا ہے لیکن کافر یا منافق سات آنتون میں کھاتا ہے عبدہ راوی کا بیان ہے کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ عبید اللہ نے ان میں سے کونسا لفظ فرمایا تھا۔ابن بکیر، مالک، نافع، حضرت ابن عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح روایت کی ہے۔

حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس وقت تک کھانا نہیں کھایا کرتے تھے جب تک کسی غریب کو لاکر اپنے ساتھ کھانا نہ کھلاتے پس ایک آدمی آپ کے ساتھ کھانا کھانے کے لئے آیا تو اس نے بہت کھانا کھایا۔پس آپ نے فرمایا ایک نافع! یہ شخص آئندہ میرے پاس نہ آئے کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صلاۃ (نماز) بغیر وضو کے قبول نہیں کی جاتی ۲؎ اور نہ صدقہ حرام مال سے قبول کیا جاتا ہے (ترمذی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نصرانیہ اور یہودیہ کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا حرام فرمایا ہے اور میں نہیں جانتا کہ اس پر بڑا اور کونسا شرک ہے کہ کوئی یہ کہے کہ میرا رب عیسیٰ ہے حالانکہ وہ تو اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر ایک سے پوچھا جائے گا پس امام (بادشاہ) حاکم ہے اور اس سے (رعیت کے متعلق) پوچھا جائے گا ہر شخص اپنے اہل وعیال کا حاکم ہے اور ان کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا عورت اپنے خاوند کے گھر میں حاکم ہے اس سے پوچھا جائے گا

غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس بارے میں پوچھا جائے گا پس تم میں سے ہر ایک حاکم ونگران ہے اور ہر ایک سے پوچھا جائے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے مبارک عہد میں ہم عورتوں کے ساتھ زیادہ گفتگو اور دل لگی کرنے سے پرہیز کیا کرتے تھے کہ کہیں ہمارے بارے میں آسمان سے کوئی حکم نازل نہ ہو جائے جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا تو ہم ان کے ساتھ گفتگو اور دل لگی کرنے لگ گئے۔

حضرت ابو عبداللہ ابی رحمن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے بہتر خرچ جس کا سب سے زیادہ اجر ہے وہ جو شوہر اپنے بیوی بچوں پر کرے اور اس کے بعد فرمایا: جو خرچ اللہ کی راہ میں جہاد پر کیا جائے'' جس کا درجہ بیوی بچوں کے خرچ کے بعد آتا ہے۔ اگر یہ بات سمجھ میں آجائے تو 50 فیصد جھگڑے ختم ہو جائیں کیونکہ جو بچوں اور بیوی پر خرچ ہوتا ہے یہ احسان نہیں ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''میں نے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ بنو سلمہ کا جو خاندان ہے وہ میری اولاد میں میرے بیٹے ہیں'' میں ان پہ خرچ کروں کیا تو کیا مجھے اجر ملے گا؟ فرمایا: ''ہاں جو پائی پائی خرچ کرو گی اس کا اجر اللہ کے ہاں ملے گا۔ یہ سب سے بڑی خیرات ہے''۔ ایک حدیث مبارکہ میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کہ تم جو خرچ اللہ کی راہ میں اس کی رضا کے لئے کرتے ہو، اس کا اجر ملتا ہے حتیٰ کہ پیار محبت کے طور پر ایک لقمہ اپنے ہاتھ سے اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو''۔

لوگ سمجھتے ہیں یہ عمل عاشق معشوق کا ہے، کوئی ایسے عمل کو رن مرید کہتا ہے اگر کوئی ایسا کہتا ہے کہ یہ رن مرید کا عمل ہے تو اس پر خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لعنت ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اللہ کے احکام کو ٹھکرا دیا۔ یہ صرف ہندوستان کا کلچر ہے جس نے انہیں دین اور ایک دوسرے کے حقوق کی پہچان سے دور کر رکھا ہے۔ اگر وہ رن مرید نہیں تو کیا نفرت مرید ہے، تکبر مرید ہے، کفر مرید ہے، جہالت مرید ہے۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالنے سے محبت کے طریقے سکھا رہے ہیں۔

حضرت ابو مسعود البدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا: ''آدمی اپنے بیوی بچوں پر جو خرچ کرتا ہے۔ اللہ کے ہاں اس کے نامہ اعمال میں صدقہ وخیرات لکھا جاتا ہے''۔ قیامت کے دن وہ اللہ کے ہاں نیکیاں بن جائیں گی۔ ایک اور مقام پر آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کون سا صدقہ بہتر ہے؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہتر صدقہ یہ ہے کہ اپنی ضرورت کا خرچ کرو مگر بعد میں بھوکے ہو کر مانگتے نہ پھرو''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا: ''ایک وہ دینار پیسے، ڈالر، پونڈ اور درہم ہیں جو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو، دوسرا وہ پیسہ ہے جو کسی غلام کو آزاد کرتے ہوئے خرچ کرتے ہو، تیسرا وہ دینار و پیسہ ہے جو تم کسی غریب، مسکین پر خرچ کرتے ہو اور چوتھا وہ پیسہ ہے جو اپنی بیوی اور بچوں پر خرچ کرتے ہو، یہ چار قسمیں بیان کر کے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان ساری اقسام میں سب سے بڑا اجر اس خرچ کا ہے جو بیوی بچے پر کیا جائے''۔ غلام کو آزاد کرانے کا صدقہ بھی بعد میں آتا ہے۔ اللہ کی راہ میں کئے ہوئے جہاد کا خرچہ بھی بعد میں حتی کہ مسکین محتاج کو دیا ہوا پیسہ بھی بعد میں جبکہ بیوی بچے پر خرچ کئے ہوئے پیسے کا اجر اللہ کے ہاں زیادہ ہوگا''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں صدقہ وخیرات کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''صدقہ خیرات کیا کرو۔ ایک صحابی شخص کھڑا ہوا۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے پاس ایک دینار ہے اسے میں کہاں خرچ کروں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پہلے اپنی جان پر خرچ کر، باعزت لباس پہن۔ اس نے پوچھا میرے پاس دوسرا دینار بھی ہے وہ کس پر خرچ کروں فرمایا: اپنی اولاد پر خرچ کر۔ اس نے کہا میرے پاس تیسرا دینار بھی ہے وہ کس پر خرچ کروں فرمایا: اپنی بیوی پر خرچ کر۔ فرمایا: اگر یہی پیسہ بیوی کے پاس ہو اور خیرات کرنے کی ترتیب پوچھے تو جو ترتیب اس کے شوہر پر ہے اگر شوہر کے وسائل کم ہیں تو بیوی اپنے شوہر پر خرچ کرے۔ یہ اس کے لئے صدقہ ہوگا اس کو اجر ملے گا۔ اس نے کہا میرے پاس چوتھا دینار ہو تو پھر آقا علیہ السلام نے فرمایا: پھر سوچ سمجھ کر جہاں بہتر سمجھو خرچ کردو''

"آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا میں مجھے کبھی کسی پر رشک نہیں آیا مگر حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا پر ہمیشہ رشک آتا تھا۔ حالانکہ میں نے انہیں دیکھا بھی نہیں تھا۔ میرے آنے سے پہلے ہی مکہ مکرمہ میں ان کا وصال ہوگیا تھا۔ مجھے ان پر ہمیشہ رشک اس لئے آتا تھا کیونکہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں اکثر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ذکر کرتے تھے۔ حدیث صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ یہاں تک عرض کردیا کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اب آپ کے رشتہ زوجیت میں ہیں مگر آپ آج تک اس سرخ گالوں والی کو نہیں بھولے۔ کیا ہم آپ کی زوجیت میں نہیں؟ تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عائشہ (رضی اللہ عنہا) تمہیں کیا پتہ جب اعلان نبوت ہوا تو وہ مشکلات کا وقت تھا تب خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے میرا کتنا ساتھ دیا۔ میں اس کو کیسے بھول سکتا ہوں؟" (ترمذی، ابواب المناقب)

سیدنا عمرو بن احوص جشمی رضی اللہ عنہ اس روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خطبہ حجۃ الوداع کے خطبے میں یہ فرماتے ہوئے سنا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کی حمد وثنا بیان کی اور وعظ وتذکیر کی اس کے بعد فرمایا: سنو! عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو اس لیے کے وہ تمہارے پاس قیدی ہیں، تم ان سے اس (ہم بستری اور اپنی عصمت اور تمہارے مال کی حفاظت) کے علاوہ اور کچھ اختیار بھی نہیں رکھتے، ہاں اگر وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں، (پھر تم انہیں سزا دو) پس اگر وہ ایسا کریں تو انہیں بستروں سے علیحدہ چھوڑ دو اور انہیں مارو، لیکن اذیت ناک مار نہ ہو پھر اگر وہ تمہاری فرماں برداری اختیار کرلیں تو ان کے لئے کوئی اور راستہ مت ڈھونڈو یاد رکھو! جس طرح تمہارا حق تمہاری بیویوں پر ہے پس تمہارا حق ان پر یہ ہے، کہ وہ تمہارے بستر ایسے لوگوں کو نہ روندنے دیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو اور ایسے لوگوں کو گھر کے اندر آنے کی اجازت نہ دیں جنہیں تم اچھا نہیں سمجھتے (چاہیے وہ اجنبی مرد ہو یا عورت) سنو! اور ان کا حق تم پر یہ ہے، کہ تم ان کے ساتھ خوراک اور پوشاک میں اچھا سلوک کرو (طاقت کے مطابق انہیں یہ چیزیں فراہم کرو)۔ (سنن ترمذی (۱۱۶۳)، سنن ابن ماجہ (۱۸۵۱)، وسندہ، صحیح

٤۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے۔؟ تو آپ نے فرمایا: جب تو کھائے تو اسے بھی کھلا جب تو لباس پہنے تو اسے بھی پہنا اور اس کے چہرے پر مت مار نہ اسے برا بھلا (بدصورت) کہہ اس سے بطور (تنبیہ) علیحدگی اختیار کرنی ہو تو گھر کے اندر ہی کر۔ مسند احمد (٥/٣،٥)، سنن ابی داود (٢١٤٢)، اس حدیث کو امام ابن حبان (٤١٧٥،١٦٠) نے صحیح اور امام حاکم (٢/٢٠٤) نے صحیح الاسناد کہا ہے۔

کامل ترین مومن:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے زیادہ اچھا ہے، اور تم میں سب سے بہتر ہے وہ ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں سب سے بہتر ہے۔ مسند احمد: (٢/٢،٤٧٢/٢٥٠)، سنن ترمذی، ا(١١٦٢)، اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن صحیح، امام حاکم (١/٤٣) نے امام مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے، امام ابن حبان (٤١٧٦،١٩٢٦) نے اسے صحیح کہا ہے۔

بیوی کو مارنے سے بچو:

سیدنا ایاس عبداللہ بن ابی ذباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ کی باندیوں کو مت مارو۔

" سیدنا عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتیں اپنے خاوندوں پر دلیر ہوگئی ہیں تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مارنے کی رخصت عنائت فرمادی۔ جس پر مردوں نے عمل کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ؓ کے پاس کثرت سے عورتیں آنے لگیں جو اپنے خاوندوں کی شکایت کرتیں تھیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں کے پاس بہت سی عورتوں نے ہجوم کیا ہے جو اپنے خاوندوں کی شکایت کرتیں ہیں یاد رکھو! ایسا

کرنے والے لوگ تم میں بہتر نہیں ہیں۔ سنن ابی داود (۲۱٤٦) اس حدیث کو امام ابن حبان (٤١٨٩) اور امام حاکم (۲/ ۲۰۵، ۲۰۸) نے صحیح کہا ہے۔

دنیا کا بہترین متاع:

سیدنا عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دنیا سازو سامان ہے، اور دنیا کی بہترین سامان نیک عورت ہے۔ صحیح مسلم (۱٤٦۹)

عورت کے چلنے کے احکام:

(۱) عورت کو راستے کی ایک طرف ہو کر چلنا چاہئے نہ کہ مردوں کے درمیان میں تا کہ اختلاط لازم نہ آئے۔

(۲) عورت مٹک مٹک کر نہ چلے۔

(۳) عورت کندھوں اور کولہوں کو ہلا ہلا کر نہ چلے۔

(٤) زمین پر اس طرح سے چلے کہ اس کی زینت ظاہر نہ ہو۔

(٥) نظریں جھکا کر چلے۔

(٦) محرم کے بغیر سفر نہ کرے

(۷) با پردہ ہو کر چلے۔

(۸) ایڑھی والی جوتی پہن کر نہ چلے۔

(۹) پاؤں میں گھنگرو پہن کر چلنا حرام ہے۔

(۱۰) خوشبو لگا کر باہر نکلنا حرام ہے۔

(۱۱) باریک لباس پہن کر چلنے والی پر لعنت برستی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ہماری کتاب (سلسلہ احکام صیحہ جلد ۲)

فائدہ: گاڑی وغیرہ میں مرد کا غیر محرم عورت کے ساتھ بیٹھنا حرام ہے کیونکہ اس سے مرد اور عورت کا ایک دوسرے سے جسم لگتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم میں سے کسی ایک کے سر میں لوہے کی سوئی ماری جائے یہ بہتر ہے اس سے کہ کوئی غیر محرم عورت کو چھوئے۔(المعجم الکبیر للطبرانی:۲۰/۲۱۱۔۲۱۲)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا وہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تمہاری دعوت کی جائے تو اس (ولیمہ کی) دعوت کو قبول کرلیا کرو۔ان (نافع) کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر روزہ دار ہونے کے باوجود شادی وغیرہ کی دعوتوں میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی پاک کے آخری زمانے میں عشاء کی نماز پڑھی۔جب سلام پھیرا تو کھڑے ہو کر فرمایا تم نے اس رات کو دیکھا اب سے لے کر سو برس کے ختم تک جتنے لوگ اس وقت زمین پر ہیں ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب سورج کا کنارہ نکل آئے تو ٹھہر جاؤ اس وقت نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے تب بھی ٹھہر جاؤ نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ سورج کا کنارہ بالکل ڈوب جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا دنیا میں رہنا اُمم سابقہ کے مقابلہ میں ایسے ہے جیسے عصر سے سورج ڈوبنے تک کا وقت۔جن کو تورات دی گئی تو انھوں نے عمل کیا۔یہاں تک کہ جب دوپہر کا وقت ہوا تو تھک گئے (کام پورا نہ کرسکے) تو ان کو ایک قیراط (اجر) دیا گیا۔پھر انجیل والوں کو انجیل ملی۔انھوں نے عصر کی نماز تک کام کیا۔پھر عاجز آ گئے۔تو ان کو بھی ایک قیراط دیا گیا۔پھر ہم کو قرآن ملا اور ہم نے غروب شمس تک کام کیا تو ہمیں دو قیراط (اجر) عطا کیا گیا۔تو اہل تورات وانجیل کہنے لگے الٰہی! تو نے ان مسلمانوں کو دو قیراط عطا فرمائے اور ہم کو ایک قیراط عطا فرمایا۔حالانکہ ہم نے ان سے زیادہ کام کیا۔اللہ عزوجل نے فرمایا کیا میں نے تمہارے عمل کا پورا اجر دینے میں کوتاہی کی۔کہنے لگے نہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو پھر یہ میرا فضل ہے جس پر چاہوں کروں۔(بخاری)۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی عصر قضا ہوگئی گویا اس کا گھر بار مال واسباب لٹ گیا۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا (اگرچہ) اس میں کوئی قباحت نہیں کہ آدمی کعبہ کے جس کونہ میں چاہے نماز پڑھے۔ (بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عید کے دن نماز کے لیے تشریف لے جاتے تو خادم کو برچھی لے کر چلنے کا حکم دیتے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے گاڑی جاتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف نماز پڑھتے اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ہوتے اور سفر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا ہی کرتے چنانچہ امراء نے اسی لیے اپنے ساتھ برچھی رکھنے کو عادت بنا لیا۔ عون بن ابی جحیفہ کہتے ہیں میں نے اپنے باپ سے سنا۔ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بطحاء میں نماز پڑھائی (اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سامنے برچھی گڑی ہوئی تھی) ظہر کی دو رکعتیں اور عصر کی دو رکعتیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے سے عورتیں اور حمار گزر رہے تھے۔ (بخاری)

سترہ کے مسائل: (۱) ہاتھ میں کوئی آلہ رکھنا (خصوصاً سفر میں) جس سے دشمن کو دفع کر سکے، مستحب ہے۔ (۲) امام و منفرد صحرا میں یا کسی ایسی جگہ نماز پڑھیں جہاں سے لوگوں کے گزرنے کا اندیشہ ہو تو مستحب ہے کہ سترہ گاڑیں۔ (۳) امام کا سترہ مقتدی کے لیے بھی کافی ہے مقتدی کو جدید سترہ کی ضرورت نہیں اور سترہ بقدر ایک ہاتھ کے اونچا اور انگلی برابر موٹا ہو یا زیادہ سے زیادہ تین ہاتھ اونچا ہو۔ سترہ نزدیک ہونا چاہیے سترہ بالکل ناک کی سیدھ پر نہ ہو۔ بلکہ دائیں یا بائیں ابرو کی سیدھ پر ہونا افضل ہے اگر سترہ نصب کرنا ناممکن ہو تو کوئی چیز آڑی رکھ دے یہ بھی نہ ہو تو خط کھینچ دے۔ غرضیکہ جو چیز بھی آڑ بن سکے وہ سترہ کے کام آسکتی ہے۔ مثلاً لکڑی، پتھر، درخت، آدمی جانور وغیرہ مگر آدمی کو اس حالت میں سترہ بنایا جائے جب اس کی پیٹھ مصلیٰ کی طرف ہو کیونکہ مصلیٰ کی طرف منہ کرنا منع ہے۔

سترہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اب سترہ کے آگے سے گزرنا جائز ہو جاتا ہے اور اگر کسی

نے بلاسترہ شارع عام پر نماز پڑھی اور عورت و مرد و جانور وغیرہ آگے سے گزرے تو نماز فاسد نہ ہوگی اس حدیث سے بھی ثابت کہ سفر میں چار رکعتی نماز کی دو رکعت ہی پڑھنی چاہئیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر و عصر کی نمازِ قصر پڑھی۔

سلام کے سلسلے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا شوق

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اتباع سنت میں شہرت رکھتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی نقل حد سے زیادہ کرتے تھے، محبت کی بات ہے، محبت والے سمجھیں گے...... سلام کے سلسلے میں ان کا ایک واقعہ پڑھیے:

حضرت طفیل ابن ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کرتے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ انہیں لے کر بازار جاتے تھے اور (راستہ میں) ہر ایک کو سلام کرتے تھے، چاہے وہ معمولی درجے کا دوکاندار ہو یا بڑا تاجر، خواہ غریب و مسکین ہو یا کوئی بھی شخص، ہر ایک کو سلام کرتے تھے۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے ایک دن ان سے پوچھا:

"کہ آپ بازار کیوں جاتے ہیں؟ وہاں نہ آپ کہیں رکتے ہیں، نہ خرید و فروخت کرتے ہیں، آخر بازار جانے کا سبب کیا ہے؟..... بازار جانے سے بہتر ہے کہ ہم یہیں بیٹھ کر احادیث کی سماعت کریں یا دینی باتیں کریں۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں بازار صرف اس لیے جاتا ہوں تاکہ ہر ملنے والے کو سلام کروں۔"

(موطا مالک، رقم: 1732، جامع السلام)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس جذبہ اور شوق کی وجہ کیا تھی؟ شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی صاحب (رح) نے اس پر روشنی ڈالی ہے: انہوں نے اپنی کتاب میں طبرانی کی ایک مرفوع روایت نقل کی ہے:

"جس نے ایک دن میں بیس مسلمانوں کو سلام کیا، چاہے اکٹھے طور سے یا الگ الگ:

پھر اسی دن اس کا انتقال ہو جائے تو جنت اس کے لیے واجب ہو جاتی ہے۔"

اسی طرح ابن جریر کی ایک روایت نقل کی ہے:

" جس نے دس مسلمانوں کو سلام کیا، گویا اس نے ایک غلام آزاد کیا، اور اگر اسی دن اس کی وفات ہو گئی تو جنت اس کے لیے واجب ہو جاتی ہے۔" (الترغیب:489)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام نافع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ کے کسی کنارے کی طرف نکلے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے چند ساتھی بھی تھے۔ ساتھیوں نے آپ کے کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا۔ اسی دوران وہاں سے ایک چرواہے کا گذر ہوا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: "چرواہے آؤ آؤ! اس دسترخوان سے تم بھی کچھ کھا پی لو" چرواہا بولا: "میں روزے سے ہوں"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: "اس طرح کے سخت گرم دن میں تم روزے کی مشقت برداشت کر رہے ہو جبکہ لُو نہایت تیز ہے اور تم ان پہاڑوں میں بکریاں بھی چرا رہے ہو۔"

چرواہے نے جواب دیا: جی ہاں! میں ان خالی ایام کی تیاری کر رہا ہوں جن میں عمل کرنے کا موقع نہیں ملے گا، اسی لیے دنیوی زندگی میں عمل بجا لا رہا ہوں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے چرواہے کے تقوی اور خوف الٰہی کا امتحان لینے کے ارادے سے اس سے کہا: کیا تم اس ریوڑ میں سے ایک بکری بیچ سکتے ہو، ہم تمہیں اس کی نقد قیمت دیں گے، مزید تمہارے افطار کے لیے گوشت بھی دیں گے؟ چرواہے نے جواب دیا:

"یہ بکریاں کوئی میری نہیں ہیں جو بیچ دوں بلکہ میرے آقا کی ہیں، اس لیے میں تصرف نہیں کر سکتا"۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: تمہارا آقا اگر کوئی بکری کم پائے گا اور تم اس سے کہہ دو گے وہ بکری گم ہو گئی ہے تو وہ کچھ نہیں کہے گا، کیوں کہ ریوڑ سے ایک دو بکریاں پہاڑوں میں گم ہوتی ہی رہتی ہیں۔ یہ سنتا تھا کہ چرواہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے چل دیا، وہ اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر یہ جملہ کہے جا رہا تھا:

أَینَ اللّٰہُ ”پھر اللہ کہاں ہے۔ اللہ کہاں ہے؟“

جب چرواہا چلا گیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کا یہ جملہ بار بار دہرانے لگے: أَینَ اللّٰہُ ”پھر اللہ کہاں ہے۔ اللہ کہاں ہے؟“

جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ آئے تو چرواہے کے آقا کے پاس انہوں نے اپنے آدمی بھیجے اور اس سے بکریاں اور اس چرواہے کو خرید کر اسے آزاد کر دیا اور وہ بکریاں اسے ہبہ کر دیں۔ (شعب الایمان، للبیھقی، اسد الغابۃ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے پتھروں والے یعنی قوم ثمود کے بارے میں فرمایا اس قوم کے گھروں کے پاس سے نہ گزرو کیونکہ انہیں عذاب دیا گیا ہے سوائے اس کے کہ وہاں سے روتے ہوئے گزرو اور اگر تمہیں رونا نہیں آتا تو پھر وہاں سے نہ گزرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہ عذاب مسلط ہو جائے کہ جو عذاب قوم ثمود پر مسلط ہوا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عورت تین دن کا سفر نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم ہو، (محرم سے مراد وہ شخص ہے جس سے شرعاً نکاح نہ ہو سکتا ہو)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خبری دیتے ہیں کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قوم ثموذ کے علاقہ میں اترے تو انہوں نے اس جگہ کے کنوؤں سے پینے کا پانی لیا اور انہوں نے اس پانی سے آٹا بھی گوندھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو حکم فرمایا پینے والا پانی بہا دیا جائے اور اس پانی سے گوندھا گیا آٹا اونٹوں کو کھلا دیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم فرمایا کہ اس کنوئیں سے پانی لیا جائے کہ جس کنوئیں پر حضرت صالح کی اونٹنی پانی پینے آئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک مجلس ہے، جلیل القدر صحابہ کرام مثلاً ابو بکر، عمر، ابو ہریرہ اور انس بن مالک وغیرھم رضی اللہ عنہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد ہالہ بنائے تشریف فرما ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیارے صحابہ سے دریافت فرماتے ہیں: ”وہ کون سا

درخت ہے جس کے (سارے) پتے (خزاں میں بھی) نہیں گرتے؟" مسلمان کی مثال اس درخت جیسی ہے۔

نفوس قدسیہ اس مقدس محفل میں خاموشی چھا جاتی ہے۔صرف ایک لڑکا ایسا ہے جس کے دل میں خیال گزرتا ہے کہ یہ کھجور کا درخت ہے مگر وہ اپنی کم سنی کی وجہ سے اور بڑوں کا ادب کرتے ہوئے حیا کے سبب خاموش رہتا ہے۔آخرکار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جانباز ساتھی آپ سے پوچھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بتادیں کہ یہ کون سا درخت ہے؟ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان سے موتی بکھرتے ہیں: "یہ کھجور کا درخت ہے۔

بعد میں یہ ہونہار لڑکا اپنے عظیم المرتبت والد کو ساری بات بتا دیتا ہے۔اسکا مجاہد باپ فرماتا ہے: اگر تو یہ کہہ دیتا کہ یہ کھجور کا درخت ہے تو مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا (بخاری، مسلم)

یہ عظیم الشان لڑکا تاریخ اسلام میں سیدنا عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کے نام سے مشہور ہے۔آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔آپ کی سخاوت ظرب المثل تھی۔

ایک دفعہ آپ نے کہا: میرا دل آج مچھلی کھانے کا ہے۔آپ کے گھر والوں نے مچھلی پکا، کر تیار کی اور آپ کے سامنے رکھ دی، اتنے میں ایک سائل آیا۔آپ نے وہ مچھلی اسے دے دی۔(طبقات ابن سعد)

میمون بن مہران سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی کو لوگوں نے برا بھلا کہا کہ تم ان کی خدمت صحیح کیوں نہیں کرتی؟ وہ کہنے لگی: میں کیا کروں، ان کے لیے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں۔اس کے بعد آپ کی بیوی نے ان مسکینوں کو جو راستہ میں بیٹھے تھے بلا بھیجا اور انہیں کھانا کھلا کر کہا: آج آپ لوگ اُن کے راستہ میں نے بیٹھیں، اور دوسرے مسکینوں کے گھر پہلے ہی کھانا بھیج دیا اور کہہ دیا کہ: تمھیں اگر ابن عمر بلائیں تو نہ آنا۔اتنے میں ابن عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور مسکینوں کو بلایا تو وہ نہ آئے۔آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے فرمایا: کیا تمہارا یہ ارادہ ہے کہ میں آج رات کا کھانا نہ کھاؤں؟

اس کے بعد آپ نے اس رات کھانا نہ کھایا۔ (ابن سعد)

آپ عشاء کا کھانا اکیلے نہ کھاتے (ابن سعد)

ایک دفعہ آپ بیمار تھے۔ آپ کے لئے انگور خریدے گئے۔ اتنے میں ایک سائل آیا تو آپ نے وہ انگور اسے دے دیئے۔ (ابن سعد)

آپ کو جو چیز زیادہ پسند ہوتی اس کو اللہ کی راہ میں دے دیتے۔ (حلیۃ الاولیاء)

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: آپ رضی اللہ عنہ آئمہ دین میں سے تھے۔ (المعرفۃ والتاریخ)

※※※※

حمامۃ المسجد

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما

آپ کا نام، کنیت ولقب:

حضرت امیر المومنین عبداللہ بن زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب الاسدی القرشی، ابوبکر، ابوخبیب آپ کی کنیت تھی آپ کا نسب قصی پر حضور علیہ السلام سے جا ملتا ہے اور آپ کا لقب حمامۃ المسجد۔

حضرت عبداللہ بن زبیر، زبیر ابن العوام کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی والدہ حضرت اسماء حضرت ابوبکر صدیق کی بڑی بیٹی اور حضرت عائشہ کی حقیقی بہن تھیں۔ مدینہ منورہ میں 2 ھ کو پیدا ہوئے۔ اس سے پہلے مہاجرین کے ہاں چونکہ کافی عرصہ تک کوئی اولاد نہ ہوئی اس لیے یہود مدینہ نے اسے سحر کاری کا کرشمہ قرار رکھا تھا۔ لہٰذا آپ کی پیدائش پر مسلمانوں نے خوب خوشیاں منائیں۔ تقریباً 8 برس کی عمر میں رسول اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ کا شماران مشاہیر اسلام میں ہوتا ہے جنہوں نے حق وصداقت کا علم بلند رکھنے کے لیے اپنی جان تک بھی نثار کرنے سے دریغ نہ کیا۔

بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے بڑائی کے آثار ہوا ید تھے۔ دلیری بہادری، شجاعت اور صاف گوئی کے اوصاف کی وجہ سے خواص وعوام میں معروف تھے۔ خلافت راشدہ کے دور میں آپ کئی ایک مہمات میں شریک ہوئے اور قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ جنگ جمل میں اپنی خالہ حضرت عائشہ کی حمایت میں بڑی بے جگری سے لڑے۔ اس

لڑائی میں ان کے جسم پر 40 سے زیادہ زخم لگے۔ جب امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں یزید کو خلیفہ نامزد کیا تو آپ نے شدید مخالفت کی۔ امیر معاویہ کی وفات کے بعد جب یزید کے قاصد آپ سے بیعت لینے آئے تو آپ ایک دن کی مہلت لے کر مدینہ سے نکل کر مکہ میں آ گئے اور حدود حرم میں پناہ لی۔ آپ کی پیہم کوششوں کے نتیجہ کے طور پر اہل حجاز نے اموی خلافت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔

بچپن میں بلندی کے آثار

عموماً جو اشخاص مستقبل میں بڑے ہونے والے ہوتے ہیں، ان کے بچپن ہی کے واقعات ان کے روشن اور پر عظمت مستقبل کا پتہ دیتے ہیں، اگر دنیا کے اکابر رجال کے ابتدائی حالات کا پتہ چلایا جائے تو ان کی صغر سنی ہی کے واقعات سے ان کی آئندہ عظمت کا پتہ چل جائے گا۔

چونکہ حضرت عبداللہ کو آگے چل کر اکابر رجال کی فہرست میں داخل ہونا تھا اور تاریخ اسلام میں عزم و حوصلہ اور تہور و شجاعت کی داستانیں چھوڑنی تھیں اس لئے بچپن ہی سے وہ نہایت جری، بیباک، باحوصلہ تھے، بچوں میں عموماً خوف و ہراس غالب ہوتا ہے اور وہ معمولی معمولی باتوں سے ڈر جاتے ہیں، لیکن عبداللہ اس عمر میں بھی بڑے نڈر تھے، اسی زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ ایک شخص نے چیخ مار کر بچوں کو بھگا دیا، لیکن عبداللہ فوراً سنبھل کر لوٹ پڑے اور لڑکوں سے کہا تم لوگ ہمیں اپنا سردار بنا کر اس شخص پر حملہ کر دو؛ چنانچہ اسی وقت ایک چھوٹی سی فوج مرتب کر کے اس شخص پر حملہ کر دیا۔

بچپن میں جب بیعت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر کئے گئے تو ان کے دو اور ہم سن حضرت جعفرؓ کے لڑکے عبداللہ اور ابوسلمہ کے لڑکے عمر بھی بیعت کے لئے

پیش کئے تھے، یہ دونوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر جھجکے لیکن عبداللہؓ بڑی دلیری سے آگے بڑھ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تیزی دیکھ کر مسکرا دیئے اور فرمایا اپنے باپ کا بیٹا ہے۔

(البدایہ والنہایہ: ۸/ ۳۳۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت مزاج تھے، اس لئے لڑکے انہیں دیکھ کر شرارت بھول جاتے تھے اور بھاگ نکلتے تھے ایک مرتبہ ابن زبیرؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، حضرت عمرؓ ادھر سے گذرے تو سب بچے ان کو دیکھ کر بھاگ گئے؛ لیکن عبداللہ بدستور اپنی جگہ کھڑے رہے، حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کیوں نہیں بھاگے انہوں نے کڑک کر جواب دیا، میں کیوں بھاگتا نہ میں نے کوئی جرم کیا تھا اور نہ راستہ تنگ تھا کہ آپ کے لئے چھوڑتا، (ابن اثیر)

آپ کے والدین اور خاندان:

آپ کے والد حواری رسول سیدنا زبیر بن العوام تھے اور آپ کی والدہ اسماء بنت ابی بکر الصدیق ذاۃ العطا قین ہین (یہ لقب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر دیا تھا)۔آپ کی دادی صفیہ رضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں ۔ام المومنین سیدہ عائشہ آپ کی خالہ تھیں۔۔آپ قریش کے قبیلہ بنو اسد سے تعلق رکھتے تھے اسد قصی بن کلاب کے پوتے تھے اور آپ کا شجر قصی بن کلاب پر رسول اللہ سے جا ملتا ہے۔آپ کے والدہ اسماء بنت ابی بکر رضہ کا خاندان مرہ بن کعب پر رسول اللہ سے جا ملتا ہے آپ والد اور والدہ دونوں کی طرف سے قرشی ہیں۔

اعلان خلافت

شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے دلوں کے اندر سوئے ہوئے جذبات کو اس قدر شدت سے برانگیختہ کیا کہ ملک کے طول و عرض میں اموی اقتدار کے خلاف عام ناراضی اور بغاوت کی ایک زبردست لہر اٹھ کھڑی ہوئی چنانچہ جب ابن زبیر نے اہل حجاز کو

انقلاب کی دعوت دی تو اہل مکہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔اس وقت دنیائے اسلام میں آپ جیسی موثر شخصیت کا حامل کوئی دوسرا شخص نہ تھا اس لیے اہل مدینہ نے بھی جلد آپ کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔

آپ کی اولاد:

خبیب (جنہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ولید کے حکم سے سردی میں مار ڈالا تھا)، عباد، ابو بکر، حمزہ، زبیر، ثابت، ہاشم، قیس، عروہ (تینوں آپ کے ساتھ شہید ہوئے)، عامر، موسیٰ و بکر یہ سب آپ کے بیٹے تھے ام حکیم، فاطمہ، فاختہ، رقیہ و نفیسہ یہ آپ کی بیٹیاں تھیں۔(بحوالہ طبقات ابن سعد)

آپ کا پیدا ہونا:

آپ رضہ کی پیدائش کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے ہم اسے یہاں پیش کرتے ہیں۔

ابن کثیر رحمہ اللہ تاریخ میں لکھتے ہیں:

وَثَبَتَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَسْمَاءَ أَنَّهَا خَرَجَتْ بِعَبْدِ اللهِ مِنْ مَكَّةَ مُهَاجِرَةً وَهِيَ حُبْلَى بِهِ فولدته بقباأَوَّلَ مَقْدِمِهِمِ الْمَدِينَةَ، فَأَتَتْ بِهِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَنَّكَهُ وَسَمَّاهُ عَبْدَ اللهِ وَدَعَالَهُ، وَفَرِحَ الْمُسْلِمُونَ بِهِ لِأَنَّهُ كَانَتِ الْيَهُودُ قَدْ زَعَمُوا أَنَّهُمْ قَدْ سَحَرُوا الْمُهَاجِرِينَ فَلَا يُولَدُ لَهُمْ فِي الْمَدِينَةِ، فَلَمَّا وُلِدَ ابْنُ الزُّبَيْرِ كَبَّرَ الْمُسْلِمُونَ، وَقَدْ سَمِعَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ جَيْشَ الشَّامِ حِينَ كَبَّرُوا عِنْدَ قَتْلِهِ، فَقَالَ أَمَا وَاللهِ لَلَّذِينَ كَبَّرُوا عِنْدَ مَوْلِدِهِ خَيْرٌ مِنْ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ كبروا عند قتله، وأذن الصديق في أذنه حِينَ وُلِدَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، وَمَنْ قَالَ إِنَّ الصِّدِّيقَ طَافَ بِهِ حَوْلَ الْكَعْبَةِ وَهُوَ فِي خِرْقَةٍ فَهُوَ وَاهِمٌ وَاللهُ أَعْلَمُ وَإِنَّمَا طَافَ الصِّدِّيقُ بِهِ فِي الْمَدِينَةِ لِيَشْتَهِرَ

أَمْرُ مِيلَادِهِ عَلَى خِلَافِ مَا زَعَمَتِ الْيَهُودُ

کئی طریق سے اسماء رضہ سے ثابت ہے کہ جب آپ ہجرت کر کہ آئیں تو عبداللہ رضہ کے حمل سے تھیں اپ نے انہیں قبا میں جنم دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئیں آپ علیہ السلام نے انہیں گھٹی دی اور ان کا نام عبداللہ رکھا اور مسلمانوں کو آپ کے پیدائش سے بہت خوشی ہوئی کیوں (ذہبی یہاں فرحا شدیدا کا لفظ لکھتے ہیں مطلب حد سے زیادہ خوشی) کہ یہود کہتے تھے کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اپ ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوگی بس جب عبداللہ رضہ پیدا ہوئے تو مسلمانوں نے مسرت سے تکبیر کہی، اور جب عبداللہ بن عمر رضہ آپ کے قتل ہونے پر شامی لشکر کی تکبیریں سنیں تو فرمایا کہ اللہ کی قسم ان کے پیدا ہونے پر تکبیریں کہنے والے ان کے قتل ہونے تکبیریں کہنے والوں سے زیادہ افضل تھے۔ حضرت ابی بکر صدیق نے آپ کے کان مین آزان دی اور جو لوگ کہتے ہیں حضرت صدیق نے آپ کو اٹھا کر کعبہ کا طواف کیا وہ ان کا وہم ہے واللہ عالم بلکہ حضرت صدیق نے انہیں اٹھا کر مدینہ کا چکر لگایا تا کہ یہود کے خلاف آپ کی پیدائش کی بات مشہور ہو جائے۔

(انصار میں اس طرح پیدا ہونے والے بچے سیدنا نعمان بن بشیر تھے یہ عبداللہ رضہ کے ہم عمر تھے چناچہ انصار و مہاجرین میں دونوں کی پیدائش پر خوشی کی گئی اور اس کی تشہیر کی گئی تا کہ یہود کی بات کو غلط ثابت کیا جا سکے حیرت کا مقام ہے کہ ان دونوں مین عبداللہ بن زبیر رضہ بنی امیہ کی حکومت کے خلاف تھے اور نعمان بن بشیر رضہ بنی امیہ کے حامی تھے لیکن یزید کی موت کے بعد انہوں نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت کر لی تھی۔ حمص میں آپ کے گورنر تھے۔ اور نعمان بن بشیر رضہ کو مروان نے قتل کروایا اور عبداللہ بن زبیر رضہ کو مروان کے بیٹے

عبدالمالک کے حکم سے سولی دی گئی ۔۔ساتھ پیدا ہوئے اور شہادت بھی ایک ہی جیسی آئے ۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مین آپ چھوٹے بچے تھے ۔اس کے علاوہ آپ کے بارے میں بہت سی روایات آتی ہین کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پی لیا تھا کہیں پر پسینے کے الفاظ ہیں ۔اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دعا دی ۔آپ کو جنگ خندق کا واقعہ یاد تھا آپ اس کو روایت کرتے تھے

صحیح مسلم باب فضائل فضائل طلحہ وزبیر رضہ میں آپ کی یہ روایت موجود ہے

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، قَالَ كُنْتُ يَوْمَ الأَحْزَابِ جُعِلْتُ أَنَا وَعُمَرُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ فِي النِّسَاءِ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا أَنَا بِالزُّبَيْرِ، عَلَى فَرَسِهِ، يَخْتَلِفُ إِلَى بَنِي قُرَيْظَةَ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا، فَلَمَّا رَجَعْتُ قُلْتُ يَا أَبَتِ رَأَيْتُكَ تَخْتَلِفُ، قَالَ أَوَهَلْ رَأَيْتَنِي يَا بُنَيَّ؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ »مَنْ يَأْتِ بَنِي قُرَيْظَةَ فَيَأْتِينِي بِخَبَرِهِمْ« فَانْطَلَقْتُ، فَلَمَّا رَجَعْتُ جَمَعَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَوَيْهِ فَقَالَ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي

آپ فرماتے ہیں کہ احزاب کے دن میں اور عمر بن ابی سلمہ پیچھے عورتوں کے ساتھ تھے اور میں نے اپنے والد کو دو یا تین مرتبہ دیکھا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر بنو قریظہ سے آرہے تھے میں نے اپنے والد سے کہا کہ اے پیارے بابا میں نے اپ بنو قریظہ سے آتے ہوئے دیکھا انہوں کہا کہ کیا وقعی میں تم نے دیکھا میں نے کہا ہاں تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ

بنوقریظہ کون جائے جو مجھے آکر خبر دے ؟ پھر میں بنوقریظہ گیا اور جب مین واپس آیاتو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میرے لئے اپنے والدین کوجمع کرکہ فرمانے لگے فداک ابی امی۔

اور امام نووی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ

وإن کان ابن أربع أو دونها وفیه منقبة لابن الزبیر لجودة ضبطه لهذه القضیة مفصلة فی هذا السن والله أعلم

اور اس وقت ابن زبیر چار سال کے تھے یا کچھ کم اور اس میں ابن زبیر کی منقبت ہے کیوں کہ اس واقعے کوانہوں تفصیلی یادرکھا اتنی سی عمر مین۔۔۔۔واللہ اعلم

اس کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ سے بھی بہت سی روایت کرتے ہین۔آپ کی ان روایات میں دو پر امام بخاری ومسلم متفق ہیں اور باقی ۶ روایات میں دونوں منفرد ہیں۔

سیدنا ابوبکر الصدیق رضہ کی خلافت میں بھی آپ ابھی چھوٹے ہی تھے آپ سیدنا صدیق سے بھی روایت کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانہ میں بھی بچپن ہی تھا، البتہ آخری عہد میں نوجوانی کا آغاز ہوگیا تھا؛ چنانچہ ۲۲ھ میں جبکہ ان کی عمر ۲۱ سال کی تھی، سب سے اول یرموک کی جنگ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ شریک ہوئے، (اصابہ: ۴/۷۱) اور یہ غالباً ان کے میدان جہاد میں قدم رکھنے کا پہلا موقع تھا، اس شرکت نے ان کی فطری صلاحیت کوابھار دیا اور میدان جنگ ایسا بھایا کہ پھر مرتے دم تک تلوار ہاتھ سے نہ چھوٹی۔

خلافت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

آپ کی عملی زندگی کا آغاز سیدنا عثمان رضہ کے دور میں ہوا اس وقت اپ 24 برس کے تھے آپ نے سیدنا عثمان رضہ کی خلافت مین افریقہ کے جہاد مین بھرپور شرکت کی

جہاد طرابلس

آپ نے جہاد افریقہ میں حصہ لیا اور طرابلس کے جہاد مین آپ ہی کی شجاعت اور تدبیر سے مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اس کی تفصیل یہ ہے

افریقہ کا حکمران گریگوری (جرجیر) تھا اور یہ بہت ہی قابل جرنیل تھا اس کی شجاعت کی مورخین نے تعریف کی ہے اس کی ایک خوبصورت بیٹی تھی۔ جب مسلمان طرابلس پہنچے تو عیسائیوں کو جنگ کے لئے تیار پایا اور پھر گریگوری نے اعلان کر دیا کہ جو مسلمانوں کے سپہ سالار کا سر کاٹ کر لائے گا اسے اپنی بیٹی بیاہ دے گا اس سے عیسائیوں میں ولولہ اور جوش پھیلا اور وہ مسلمانوں کی صفوں میں گھس گئے۔ مسلمانوں کے سالار حضرت عبداللہ بن ابی سرح رضہ تھے اور انہوں نے حالات امیر المومنین عثمان کو لکھ بھیجے تو امیر المومنین عثمان رضہ مدینہ سے ایک تازہ دم فوج ان کی امداد کے لئے روانہ کر دی اس میں عبداللہ بن زبیر رضہ، عبداللہ بن عمر رضہ عبداللہ بن عباس رضہ حسن رضہ و حسین رضہ بھی شامل تھے یہ آ کر طرابلس مین لشکر اسلام سے شامل ہوئے اس وقت تک صرف جھڑپیں ہوتی رہیں عبداللہ بن زبیر رضہ نے امیر کو مشورہ دیا کہ صبح سے لے کر دوپہر تک لڑائی کی جائے پھر مسلمان لوٹ کر آجائیں سب کو یہ مشورہ پسند آیا اور اسی طرح مسلمان کرتے رہے کہ جنگ اور زیادہ طول پکڑتی گئی تو ایک دن عبداللہ بن زبیر رضہ امیر حضرت عبداللہ بن ابی سرح کے پاس ائے اور کہا کہ آپ باہر کیوں نہیں نکلتے تو انہوں نے کہا عیسائی مسلمانوں مین گھس چکے ہیں اور ان کے امیر نے میرے سر کی قیمت اس کی بیٹی رکھ دی ہے اس لئے باہر میرے لئے بہت خطرہ ہے اور میرہ قتل ہوا تو کہیں مسلمان بددل نہ ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضہ نے ان سے کہا کہ آپ بھی ایسا کریں کہ انکے سردار کے سر کی قیمت ایک لاکھ مقرر کرین اور انعام میں اس کی بیٹی کو مقرر کر دیں امیر کو یہ مشورہ بہت پسند آیا اور انہوں اس کا اعلان کر دیا کہ جو عیسائیوں کے سردار کا سر لائے گا اسے ایک لاکھ درہم

اوراس کی بیٹی انعام میں دی جائی گی جس سے گریگوری بہت پریشان ہوالیکن ہمت کرکہ ڈٹا رہا ،عبداللہ بن زبیر رضہ نے کہا کہ ہمیں ساری فوج ایک دم نہین لڑانی چاہئے بلکہ ایک دستہ جنگ کرے وہ تھک جائے تو دوسرہ پھر حملہ آور ہواور پہلا لوٹ آئے اس تدبیر سے عیسائیوں کو بہت نقصان آٹھانا پڑا۔اگلے دن خود حضرت عبداللہ بن زبیر رضہ لشکر کی کمان کرتے ہوئے گئے اور شدید حملہ کیا کہ عیسائیوں کی فوج نے بہت کوشش کی قدم جمانے کی لیکن اس شدید حملے مین ناکام رہی اور بھاگ کھڑے ہوئے حضرت عبداللہ بن زبیر رضہ نے اس دن خود بہت ہی شجاعت کا مظاہرہ کیااوراس وجہ سے آپ بلاد اسلام میں شہسوار مشہور ہوئے۔گریگوری مارہ گیا اوراس کی بیٹی وعدہ کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیر رضہ کے حصہ مین آئی اورآپ نے اس سے نکاح کرلیا۔

آپ نے شمالی افریقہ بقیہ جہاد میں بھی حصہ لیا اور 30 ہجری کوآپ نے طبرستان کے جہاد مین بھی حصہ لیا۔

شہادت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ

امت مسلمہ جب اپنی اتحاد ویقین پر قائم تھی اوران کا اتحاد مثالی تھا تو اسلام کے حاسدین اس اتحادکو پارہ پارہ کرنے کے چکر میں لگے ہوئے تھے کبھی قبیلائی نفرت کا صحارہ لیتے کبھی امیروں پرالزام بازی کرتے ،کبھی خو دامیر المومنین پرالزام بازی کرکہ عام آدمی کے دل مین وسوسہ ڈالتے انہوں 10 سال یہ سرتوڑ کوشش کی لیکن کامیاب نہین رہے آخر کارامیر المومنین عثمان رضہ کے آخری ایام میں انہوں نے مسلمانوں کے چند نوجوانوں کواپنے باطن خیالات کا ساتھی بنالیا اوران کے سہارے ہی پروپیگنڈہ کرتے رہے تانکہ مدینۃ النبی پر خفیہ طریقے واردات کردی اور مدینہ کے لوگوں کو یرغمال بنالیا۔امیر المومنین عثمان رضہ کا محاصرہ کرلیا اورآپ پر صاف پانی کی فراہمی بھی بند کردی اورخو دوہی پانی پیتے جوخریداہ بھی امیر

المومنین عثمان نے تھا۔اس حالات مین صحابہ نے بہت بار کوشش کی کہ امیر المومنین کا دفاع کیا جائے لیکن آپ نے سب کو خون ریزی سے منع کر دیا اور ہتھیار نہ آٹھانے کی قسم لی انصار کے سردار حاضر ہوئے لیکن امیر المومنین نے منع کر دیا پھر مسلمانوں کے نوجوان آگے بڑھے جن میں حسن رضہ، حسین رضہ، ابو ہریرہ رضہ اور انہین مین عبداللہ بن زبیر رضہ بھی تھے اور عین مسجد نبوی مین ان کی باغیون کے ساتھ جھڑپ بھی ہوئی جسی امیر المومنین عثمان نے سخت ناپسند کیا خاص کر حسن وحسین رضوان اللہ علیہم کا باغیوں سے لڑنا آپ نے پسند نہیں فرمایا اور کہاں رسول اللہ کی اولاد کو باقی رہنے دیا جائے ان شہزادوں کی خاص فکر کرو۔اور عبداللہ بن زبیر رضہ نے ہی امیر المومنین کو مکہ چلے جانے کا مشورہ دیا تو امیر المومنین نے مدینہ چھوڑنے سے انکار کیا ۔پھر عبداللہ بن زبیر رضہ امام حسن وحسین رضہ کے ساتھ امیر المومنین کی حفاظت کے لئے ان کے دروازے پر کھڑے ہو گئے غرض یہ عبداللہ بن زبیر رضہ آخری وقت تک امیر المومنین کی حفاظت کی کوشش کرتے رہے اور بس جو خدا کو منظور تھا وہ ہو گیا۔

خلافت سیدنا علی ابن علی طالب رضی اللہ عنہ

امیر المومنین عثمان رضہ کی شہادت کے بعد، لوگوں نے امیر المومنین علی رضہ کے ہاتھ پر بیعت کی ہمیں کسی بھی زریعے سے معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے شروع میں حضرت علی رضہ کی بیعت کی تھی، مصدقہ روایت کے مطابق آپ کے والد زبیر رضہ نے اپنی بیعت قصاص سے مشروط کر دی تھی تو آپ نے اپنے والد کی راء سے ہی اتفاق کیا ہو گا۔

حادثہ جمل

امیر المومنین عثمان رضہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں اختلاف رونما ہوا اور کبار صحابہ حضرت علی رضہ کی بیعت سے رکے رہے جن میں حضرت زبیر رضہ بھی تھے کیوں کہ حضرت علی رضہ کے آس پاس جو لوگ تھے وہ وہی تھے جنھوں امیر المومنین عثمان رضہ کو قتل کیا

تھااور پھر حضرت علی رضہ نے انہیں لوگوں کے مشورہ پر اہل شام سے جنگ کا فیصلہ کرلیا اور ابن عباس رضہ کا مشورہ نہ مانا۔ اس لئے حضرت طلحہ و زبیر رضہ مکہ چلے گئے اور وہاں ام المومنین حضرت عائشہ کے پاس آئے اور انہیں حالات سے آگاہ کیا اور امیر المومنین علی رضہ کے فیصلہ اور امیر المومنین عثمان کے قصاص کی بات کی اور مشورہ دیا کہ آپ ام المومنین ہیں ہمارے ساتھ چلئے لوگ آپ کی بات سنے گے اور ہم قاتلین سے قصاص لیں گے اسی بات پر بصرہ و کوفہ جانے کا قصد ہوا کیوں کہ قاتلین کی اکثریت یہیں کی تھی، یہ لوگ بصرہ آئے اور جیسا کہ امام طبری نے اپنی تاریخ میں بیان کیا کہ قاتلین کو کتوں کی طرح گھسیٹ کر لایا جاتا تھا اور انہیں قتل کر دیا جاتا تھا۔

نَادَى مُنَادِي الزُّبَيْرِ وَطَلْحَةَ بِالْبَصْرَةِ أَلا مَنْ كَانَ فِيهِمْ مِنْ قَبَائِلِكُمْ أَحَدٌ مِمَّنْ غَزَا الْمَدِينَةَ فَلْيَأْتِنَا بِهِمْ فَجِيءَ بِهِمْ كَمَا يُجَاءُ بِالْكِلَابِ، فَقُتِلُوا فَمَا أَفْلَتَ مِنْهُمْ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ جَمِيعًا إِلا حُرْقُوصُ بْنُ زُهَيْرٍ،

حضرت طلحہ و زبیر رضہ نے بصرہ میں اعلان کیا کہ جن جن قبائل کے پاس وہ لوگ موجود ہیں جو مدینہ پر چڑھ گئے تھے اور امیر المومنین عثمان کو شہید کیا تھا انہیں ہمارے پاس لے او ، لوگ ان قاتلین کو کتوں کی طرح گھسیٹ کر لائے اور انہیں قتل کر دیا گیا اور اہل بصرہ میں کوئی ایسا نہیں بچا جس نے حضرت عثمان کے قتل میں حصہ لیا ہو سواء حرقوص بن زہیر کے۔

اس میں عبداللہ بن زبیر رضہ بھی اپنے والد اور خالہ ام المومنین کے ساتھ تھے ام المومنین نے آپ کو لوگوں کو نماز پڑھانے پر مقرر کیا تھا۔ قاتلین عثمان رضہ نے امیر المومنین علی رضہ کو جھوٹ کسوٹ جا کر بولے کہ طلحہ و زبیر رضہ آپ پر حملہ کرنے مدینہ آرہے ہیں تو آپ رضہ مدینہ سے نکلے حضرت امام حسن رضہ نے مخالفت کی لیکن آپ نے کہا میں لڑنے تھوڑی جا رہا

ہوں میرہ مقصد صرف اور صرف اصلاح ہے اور واللہ یہی معاملہ تھا امیر المومنین علی رضہ جنگ کرنے واقعے میں نہیں جار ہے تھے ملاحضہ ہو۔

واقعہ جمل

جب آپ مدینہ سے نکلنے لگے تو آپ کے پاس ابن رافع آئے اور کہا:

قَالَ فَلَمَّا عَزَمَ عَلَى الْمَسِيرِ مِنَ الرَّبَذَةِ قام إليه ابن أبي رفاعة بْنِ رَافِعٍ، فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَيَّ شَيْءٍ تُرِيدُ وَأَيْنَ تَذْهَبُ بِنَا فَقَالَ أَمَّا الذى نريد وننوى فالاصلاح، وإن قبلوا مِنَّا وَأَجَابُوا إِلَيْهِ، قَالَ فَإِنْ لَمْ يجيبوا إليه قال نعدهم بِعُذْرِهِمْ وَنُعْطِيهِمُ الْحَقَّ وَنَصْبِرُ قَالَ فَإِنْ لَمْ يَرْضَوْا قَالَ نَدَعُهُمْ مَا تَرَكُونَا، قَالَ فَإِنْ لَمْ يَتْرُكُونَا قَالَ امْتَنَعْنَا مِنْهُمْ، قَالَ فَنَعَمْ إِذًا فَقَامَ إِلَيْهِ

جب امیر المومنین علی رضہ نے مقام ربذہ (مدینہ سے باہر ایک جگہ) سے کوچ کرنے ارادہ کیا تو ابن ابی رفاعة بن رافع آپ کے آئے اور کہا اے امیر المومنین آپ کیا چاہتے ہیں ہمیں کہاں لے جاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر وہ ہماری بات قبول کرلیں تو ہم اصلاح کے خواں ہاں ہیں اس نے کہا اگر وہ نہ مانے تو۔آپ نے کہا پھران کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم انہیں چھوڑ دیں گے ان کا حق ادا کریں گے اور صبر کریں گے اس نے کہا کہ اگر وہ راضی نہ ہوں تو؟ آپ نے فرمایا کہ جب تک ہمین چھوڑے رکھیں گے ہم بھی چھوڑے رکھیں گے اس نے کہا اگر وہ نہ چھوڑیں تو آپ نے کہا پھر بھی ہم رکے رہیں گے اس نے کہا آپ نے درست با کہی۔

معلوم پڑا کہ نہ تو امیر المومنین کا جنگ کا ارادہ تھا اور نہ ہی طلحہ وزبیر رضہ امیر المومنین

سے جنگ کرنے نکلے تھے

بہرکیف پھر امیر المومنین کے پہنچنے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہمارہ ارادہ قصاص کا ہے نہ امیر المومنین سے جنگ کا تو امیر المومنین نے بھی یہی بات کہی اور طئے ہوا کہ امیر المومنین قصاص کا اعلان کریں گے اور حضرت طلحہ وزبیر رضہ آپ کے مددگار ہونگے۔ اس دوران باغیوں نے رات کے اندھیرے میں خیموں میں آگ لگادی اور ہر فریق سمجھا کہ دوسرے نے بدعہدی کی ہے بس جنگ چھڑ گئی اور امیر المومنین بھی روکنے پر اور طلحہ رضہ بھی روکنے پر۔اس جنگ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضہ ام المومنین عائشہ رضہ کے بلکل قریب رہے اور آپ کا شاندار دفاع کرتے رہے اور اسی ہی دوراں اشتر فسادی نے آپ پر حملہ کردیا تو آپ رضہ نے اسے دن میں تارے دکھادئے اور بتادیا کہ شجاع کیا ہوتا ہے آپ نے اس میں بہت زخم کھائے تھے، جنگ کے اختتام پر آپ حضرت عائشہ رضہ کے ساتھ بصرہ مین داخل ہوئے اور جب امیر المومنین علی رضہ ام المومنین سے ملنے آئے تو انہوں نے آپ کو بھی طلب کیا اور آپ کو معاف فرمادیا پھر آپ رضہ مدینہ آگئے۔اور کسی بھی جھگڑے میں حصہ نہیں لیا یہاں تک کہ امیر المومنین علی رضہ شہید ہوگئے۔

خلافت سیدنا معاویہ بن ابی سفیان

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور پھر سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی ان سے صلح اس سب میں آپ غائب رہے اور مدینہ ومکہ میں رہے پھر جب مسلمان سیدنا امیرا معاویہ رضہ کی خلافت پر متفق ہوئے تو آپ نے بھی ان سے بیعت کردی اور آپ اکثر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آتے رہتے تھے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کا اکرام کرتے تھے اور آپ کو تحائف سے نوازتے تھے۔

آپ کے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بارے مین بہت سی فضول قسم کی

روایات ہین جنھیں بیان کرنا آپ کے شایاں شان نہیں ہیں، پھر جب سیدنا معاویہ رضہ نے یزید بن معاویہ کی سربراہی مین قسطنطینہ کے لئے لشکر تیار کیا تو اس مین تمام کے تمام صحابہ یہاں تک اس وقت سب ضعیف صحابہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بھی اس میں شامل ہوئے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کے بارے مین پیش گوئی کی تھی اس لشکر مین امام حسین، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بھی شریک ہوئے تھے۔ اسی جنگ مین حضرت ابوایوب انصاری رضہ نے وفات پائی اور آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو وہاں ہی دفن کیا گیا۔ اس واقعے کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ عملا کنارہ کش رہے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور یزید

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت نہ کی اور حرم مکہ میں جا کر پناہ گزین ہو گئے واقعہ کربلا کے بعد لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کو دعوت دینے لگے لیکن آپ نے بیعت نہیں لی اور خاموش رہے پھر مدینہ کے واقعہ حرہ کے بعد لوگوں کی بےچینی اور بڑھ گئی لیکن آپ خاموش ہی رہے اور یزید کی بیعت نہ کرنے پر آڑے رہے اسی دوران یزید سے خط وکتابت بھی کی اور ایک جگہ پر یزید نے آپ کا مشورہ بھی مانا۔ لیکن پھر یزید نے آپ سے زبردستی بیعت لینے اور آپ کو گرفتار کرنے کے لئے لشکر مکہ بھیجا جس کا امیر آپ کا بھائی عمرو بن زبیر تھا اور اس کی اور آپ کی بات چیت چلتی رہی یہان تک آپ کے کچھ لوگوں نے عمرو بن زبیر کو قتل کر ڈالا اس واقعے کے بعد شامیوں نے آپ کو گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی۔ جب یزید نے قسم کھائی کہ وہ آپ کو گرفتار کر کہ ہی رہے گا تو آپ نے بھی خاموشی توڑی اور آپ نے کہا کہ جو مجھ پر زبردستی کرے گا تو میں بھی چپ نہین بیٹھوں گا۔ بھر کیف 64 دن یہ محاصرہ رہا اور اسی دوران یزید کی وفات ہوگئ۔

خلافت امیر المومنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

یزید کی وفات کی خبر سنتے ہی آپ نے اپنی طرف لوگوں کو دعوت دی بعض روایات میں ہے یزید کی ہی زندگی میں آپ نے بیعت کی دعوت دی تو یہ صحیح نہیں کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو مدینہ والے الگ الگ دو امیروں کی بیعت نہ کرتے یعنی ایک انصاری عبداللہ بن حنظل اور ایک مہاجر عبداللہ بن مطیع (یہ ابن زبیر رضہ کے حمایتی تھے اس لئے اپنے بجائے ان کی بیعت لیتے) اور نہ ہی ابن زبیر رضہ نے مکہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا آپ بس یزید کی بیعت نہیں کرنا چاہتے تھے اور اس کی بیجا سختی سے بچنے کے خاطر مکہ میں جا کر پناہ لی لیکن جیسے ہی یزید کی موت ہوئی تو آپ نے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دی

تاریخ خلیفہ بن خیاط (المتوفی 240 ہجری) میں ہے

وَفِي سنة أَربع وَستِّينَ دَعَا ابْن الزبير إِلَى نَفسه وَذَلِكَ بعد موت يَزِيد بن مُعَاوِيَة فبويع فِي رَجَب لسبع خلون من سنة أَربع وَستِّينَ وَلم يكن يَدْعُو إِلَيْهَا وَلَا يدعالها حَتَّى مَاتَ يزِيد وَإِنَّمَا كَانَ ابْن الزبير يَدْعُو قبل ذَلِكَ إِلَى أَن تكون شُورَى بَين الأمة فَلَمَّا كَانَ بعد ثَلَاثَة أشهر من وَفَاة يَزِيد بن مُعَاوِيَة دَعَا إِلَى بيعَة نَفسه فبويع لَهُ بالخلافة لتسع خلون من رَجَب سنة أَربع وَستِّينَ

یہ سال ہے 64 ہجری کا جس مین ابن زبیر رضہ نے یزید بن معاویہ کی موت کے بعد اپنی خلافت کی دعوت دی۔ ان کی بیعت رجب میں ہوئی 64 ہجری میں انہوں اس سے پہلے اپنی طرف نہ دعوی کیا نہ دعوت دی جب تک یزید بن معاویہ کا موت نہیں ہوا۔ انہوں نے یزید کی موت کے 3 تین مہینے بعد امت کی شوری بلانے کی دعوت دی اور پھر رجب میں اپنی بیعت کی طرف دعوت دی۔

امام السیوطی نے تاریخ الخلفاء مین بھی اس کی تصریح کی ہے عبداللہ بن زبیر رضہ کے باب مین لکھتے ہیں

فلما مات یزید بویع له بالخلافة، وأطاعه أهل الحجاز والیمن والعراق وخراسان ولم یبق خارجًا عنه إلا الشام ومصر فإنه بویع بهما معاویة بن یزید، فلم تطل مدته، فلما مات أطاع أهلها ابن الزبیر وبایعوه

جب یزید کی وفات ہوئی تو ابن زبیر خلافت کی بیعت ہوئی اور اہل الحجاز، یمن، عراق وخراسان نے آپ کی اطاعت کی اور شام ومصر میں ان کی بیعت نہیں ہوئی انہوں نے معاویہ بن یزید کی بیعت کی اس کی مدت کم ہوئی پھر جب اس کی موت ہوئی تو اہل مصر وشام نے عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کی اور بیعت کی۔

آپ کی بیعت کا بیان

قَدْ قَدَّمْنَا أَنَّهُ لَمَّا مَاتَ یَزِیدُ أَقْلَعَ الْجَیْشُ عَنْ مَكَّةَ وَهُمُ الَّذِینَ كَانُوا یُحَاصِرُونَ ابن الزبیر وهو عائذ بالبیت فلما رجع حصین بن نمیر السکونی بالجیش إلی الشام،

جب یزید بن معاویہ کی موت ہوئی تو اس کے لشکر نے مکہ سے محاصرہ ختم کیا جو ابن زبیر رضہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے جو بیت اللہ مین پناہ گزین تھے اور حصین بن نمیر السکونی لشکر لے کر شام چلا گیا

استفحل ابن الزُّبَیْرِ بِالْحِجَازِ وَمَا وَالَاهَا، وَبَایَعَهُ النَّاسُ بَعْدَ یزید بیعة هناك،

آپ کی امارت حجاز پر قائم ہوگئی اور لوگوں نے یزید کے بعد آپ کی بیعت

کرلی۔

ابن کثیر لکھتے ہیں

وبویع فی رجب بعد أن أقام الناس نحو ثلاثة أشهر بلا إمام

اور تین مہینے امام کے بغیر رکے رہنے کے بعد رجب میں لوگوں نے اپ کی بیعت کی۔

یعنی یزید کے موت (ربیع الاول مین اسکی موت ہوئی) کے تین مہینے بعد غالبن معاویہ بن یزید کی دستبرداری کے بعد ہی آپ نے بیعت لی:

واستناب علی أهل المدينة أخاه عبيد الله بْنَ الزُّبَيْرِ، وَأَمَرَهُ بِإِجْلَاءِ بَنِي أُمَيَّةَ عَنِ الْمَدِينَةِ فَأَجْلَاهُمْ فَرَحَلُوا إِلَى الشَّامِ، وَفِيهِمْ مَرْوَانُ بن الحكم وَابْنُهُ عَبْدُ الْمَلِكِ،

اہل مدینہ پر آپ نے اپنے بھائی عبیداللہ بن زبیر کو نائب مقرر کیا اور اسے حکم دیا کہ بنو امیہ کو مدینہ سے نکال دے ان مین مروان اور اس کا بیٹا عبدالمالک بھی تھا جو شام چلے گئے

ثُمَّ بَعَثَ أَهْلُ الْبَصْرَةِ إِلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ بَعْدَ حُرُوبٍ جَرَتْ بَيْنَهُمْ و ، ثُمَّ بَعَثُوا إِلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ وهو بمكة يخطبونه لأنفسهم، فَكَتَبَ إِلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ لِيُصَلِّيَ بِهِمْ

بصری والوں کی آپس میں کشمکش کے بعد انہوں نے ابن زبیر رضہ کو لکھا تو آپ نے انس بن مالک رضہ کو ان پر نماز پڑھانے پر مقرر کردیا

سب سے پہلے آپ کی بیعت مصعب بن عبدالرحمن نے کی پھر عبداللہ بن جعفر نے اور عبداللہ بن علی بن ابی طالب نے اپ کی بیعت کردی ابن عمر رضہ ابن حنفیہ وابن عباس رضہ

نے آپ کی بیعت سے رکے رہے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں

وَبَعَثَ ابْنُ الزُّبَيْرِ إِلَى أَهْلِ الْكُوفَةِ عَبْدَ الرحمن ابن يَزِيدَ الْأَنْصَارِيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، وَإِبْرَاهِيمَ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَلَى الْخَرَاجِ، واستوثق له المصران جميعا،

آپ نے عبدالرحمن بن یزید انصاری کو نماز کا امام اور ابراہیم بن محمد بن طلحہ کو خراج پر مقرر کر کے کوفہ بھیجا تو دونوں شہروں نے آپ کی اطاعت کی

وأرسل إلى مِصْرَ فَبَايَعُوهُ وَاسْتَنَابَ عَلَيْهَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ جحدر، وَأَطَاعَتْ لَهُ الْجَزِيرَةُ،

آپ نے مصر والون کی طرف آدمی بھیجا تو انہوں اپ کی بیعت کر لی اور آپ نے عبدالرحمن بن جحدر کوان پر امیر مقرر کیا جزیرہ نے آپ کی اطاعت کر لی

وَبَعَثَ عَلَى الْبَصْرَةِ الْحَارِثَ بن عبد الله بن رَبِيعَةَ، وَبَعَثَ إِلَى الْيَمَنِ فَبَايَعُوهُ، وَإِلَى خُرَاسَانَ فَبَايَعُوهُ،

بصرہ پر حارث بن عبداللہ بن ربیعہ کو امیر بان کر بھیجا یمن وخراسان کی طرف آدمی بھیجے تو انہوں نے بھی اطاعت کر دی

وَإِلَى الضَّحَّاكِ بْنِ قَيْسٍ بِالشَّامِ فَبَايَعَ، وَقِيلَ إِنَّ أَهْلَ دِمَشْقَ وَأَعْمَالَهَا مِنْ بِلَادِ الْأُرْدُنِّ لَمْ يُبَايِعُوهُ

شام میں ضحاق بن قیس کو پیغام بھیجا تو انہوں بیعت کر دی کہتے ہین کہ اردن اور دمشق کے گرد ونواح لوگوں نے اپ کی بیعت نہین کی

ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ تمام بلاد اسلام سواء اردن کے سب میں آپ کی

بیعت ہو چکی تھی اس لئے امام ابن حزم و کچھ علماء آپ کی خلافت کو مانتے ہین اور آپ کے بعد ہی عبدالمالک کو خلیفہ مانتے ہیں

ابن کثیر فرماتے ہیں

وَعِنْدَ ابْنِ حَزْمٍ وَ طَائِفَةٍ أَنَّهُ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ فِی هذا الحین

یعنی ابن حزم و کچھ گروہ کے مطابق آپ رضہ اس وقت امیر المومنین تھے۔

البتہ اکثریت علماء امت آپ کی خلافت کلی کے قائل نہیں ہیں بس حجاز پر ہی آپ کی خلافت کے قائل ہیں اور آپ کے بعد عبدالمالک پر لوگ متفق ہوئے تو اس کی خلافت کے قائل ہین حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس کی تصریح کی ہے فرماتے ہیں

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ أَبِي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ إِنَّ هَذَا الْأَمْرَ لَا يَنْقَضِي حَتَّى يَمْضِيَ فِيهِمْ اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً قَالَ ثُمَّ تَكَلَّمَ بِكَلَامٍ خَفِيَ عَلَيَّ قَالَ فَقُلْتُ لِأَبِي مَا قَالَ؛ قَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ (بخاری)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں

، بقوله فی بعض طرق الحديث الصحيحة كلهم يجتمع عليه الناس "

وإيضاح ذلك أن المراد بالاجتماع انقيادهم لبيعته

والذی وقع أن الناس اجتمعوا على أبی بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علی إلى أن وقع أمر الحكمين فی صفين، فسمی معاوية يومئذ بالخلافة، ثم اجتمع الناس على معاوية عند صلح الحسن، ثم اجتمعوا على ولده يزيد ولم ينتظم للحسين أمر بل قتل قبل ذلك، ثم لما مات يزيد وقع الاختلاف إلى أن اجتمعوا على عبد الملك بن مروان بعد قتل ابن الزبير، ثم اجتمعوا على أولاده الأربعة الوليد ثم سليمان ثم يزيد ثم هشام، وتخلل بين

سلیمان" عمر بن عبد العزیز، فهؤلاء سبعة بعد الخلفاء الراشدین (فتح الباری)

اور جو قول کچھ صحیح احادیث میں آئے ہیں ان سب پر لوگ جمع ہوئے تو اس کی مراد یہ ہے کہ ان کی بیعت کرنے میں لوگ ان کے فرمانبدار ہوئے اور جو واقع ہوا یعنی لوگ جمع ہوئے خلیفہ رسول اللہ ابی بکر الصدیق پر، امیر المومنین عمر الفاروق پر، امیر المومنین عثمان غنی پر، امیر المومنین علی المرتضی پر اور یہ حکمین کے واقعے میں ہوا صفین کے کے دوران، اور اس وقت سے معاویہ رضہ پر لوگ متفق ہوئے جب صلح حسن ہوئی، پھر ان کے بیٹے یزید پر جمع ہوئے اور امام حسین رضہ پر متفق نہیں ہوئے کہ وہ اس امر سے پہلے ہی قتل ہو گئے تھے، اور پھر یزید کے مرنے کے بعد اختلاف ہوا پھر عبد الما لک بن مروان پر متفق ہوئے عبداللہ بن زبیر کی قتل کے بعد، پھر اس کے چار بیٹوں پر یعنی ولید، سلیمان، یزید، ہشام، اور ہشام و سلیمان کے درمیان عمر بن عبدالعزیز پر اور ان کی تعداد سات ہوتی ہے خلفاء راشدین کے بعد۔

بحر حال اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ تمام بلاد اسلامیہ بشمول شام میں و حمص میں آپ کی بیعت ہوئی آپ وہاں خلیفہ رہے تا نکہ مروان نے آپ رضہ پر خروج کیا۔ یعنی مکمل ایک سال تک آپ متفق خلیفہ رہے

امیر المومنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی سیاسی غلطی۔

جب یزید کی موت ہوئی تو حصین بن نمیر آپ کے پاس آیا اور کہا آپ شام چلئے آپ کے علاوہ اس وقت کوئی لائق نہیں مین آپ کی خلافت کی بیعت وہاں لے لوں گا بس آپ شامیوں کو بخش دیں لیکن آپ نے اسے کہا کہ نہیں میں ہر حجازی کے بدلے دس شامیوں کا قتل

کروں گا

یہ بات بعید از قیاس ہے ابن زبیر رضہ نے ایسا کہا ہوگا وہ متقی و پرہیز گار تھے ایسے باتیں نہیں کہتے تھے بحرحا آپ نے منع کردیا اور مدینہ کے عامل کو لکھا کہ بنی امیہ کو نکال دو اور مروان و عبدالمالک کو نکال دیا گیا۔ حالانکہ وہ دونوں اس وقت آپ کے قبضہ میں تھے اور بلاد میں آپ کا معاملہ طئے پاچکا تھا بس مروان شام گیا اور وہاں ابن زیاد اور حصین بن نمیر نے اس کو خلافت پر آمادہ کیا وہ خود حضرت ابن زبیر رضہ کی بیعت کرنا چاہتا تھا لیکن ابن زیاد نے اسے ٹوکا کہ تم بنی امیہ کے سردار ہوکر ابن زبیر کی بیعت کرتے ہو۔

مروان کی بغاوت

السیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں

، ثم خرج مروان بن الحكم فغلب على الشام ثم مصر، والأصح ما قاله الذهبي أن مروان لا يعد في أمراء المؤمنين، بل هو باغٍ خارج على ابن الزبير، ولا عهده إلى ابنه بصحيح، وإنما صحت خلافة عبد الملك من حين قتل ابن الزبير،

مروان بن حکم کا خروج اور اس شام اور مصر پر قبضہ کرلینا صحیح یہ ہے کہ جیسا ذہبی نے کہا ہے کہ مروان بن حکم کو امیر المومنین سمجھنا غلط ہے کیوں کہ اس نے ابن زبیر رضہ کے خلاف خروج کیا تھا اور نہ ہی اس کے بیٹے کی ولی عہد کرنا صحیح تھا اور عبدالمالک کی خلافت ابن زبیر رضہ کے قتل کے بعد صحیح سمجھنی چاہئے

اسی بات کو ابن کثیر اس طرح ذکر کرتے ہیں

وَقَدْ بَايَعَ أَهْلُهَا الضَّحَّاكَ بْنَ قَيْسٍ عَلَى أَنْ يُصْلِحَ بَيْنَهُمْ وَيُقِيمَ لَهُمْ أَمْرَهُمْ حَتَّى يجتمع الناس على إمام، وَالضَّحَّاكُ يُرِيدُ أَنْ يُبَايِعَ لِابْنِ الزُّبَيْرِ، وَقَدْ

بَايَعَ لِابْنِ الزُّبَيْرِ النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيْرٍ بِحِمْصَ، وبايع له زفر بن عبد الله الكلابي بقنسرين، وبايع له نائل بْنُ قَيْسٍ بِفِلَسْطِيْنَ، وَأَخْرَجَ مِنْهَا رَوْحَ بْنَ زِنْبَاعِ الْجُذَامِيَّ،

شامیوں نے ضحاک بن قیس کے ہاتھ پر (ابن زبیر رضہ کی بیعت) اس شرط پر کی کہ وہ ان کے اور شامیوں کے درمیاں صلح کرائیں گے اور معاملہ ٹھیک کریں گے یہاں تک کہ لوگ ایک امام (ابن زبیر رضہ) پر جمع ہوں ضحاک چاہتے تھے کہ ابن زبیر رضہ کی بیعت مکمل ہوجائے اور حمص میں نعمان بن بشیر رضہ (گورنر) نے بیعت کرادی تھی اور اور زفر بن عبداللہ کلابی نے قنسرین میں بیعت کرادی اور نائل بن قیس نے فلسطین میں (ابن زبیر) کی بیعت کرادی اور روح بن زنباع کو وہاں سے نکال دیا۔

مزید لکھتے ہیں

فَلَمْ يَزَلْ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ زِيَادٍ وَالْحُصَيْنُ بْنُ نُمَيْرٍ بِمَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ يحسنون له أن يتولى، حَتّٰى ثَنَوْهُ عَنْ رَأْيِهِ وَحَذَّرُوْهُ مِنْ دُخُوْلِ سُلْطَانِ ابْنِ الزُّبَيْرِ وَمُلْكِهِ إِلَى الشَّامِ، وَقَالُوْا لَهُ أَنْتَ شَيْخُ قُرَيْشٍ وَسَيِّدُهَا، فَأَنْتَ أَحَقُّ بهذا الأمر فرجع عن البيعة لابن الزبير، وخاف ابن زياد الهلاك إن تولى غير بني أمية، فعند ذلك التف هٰؤُلَاءِ كُلُّهُمْ مَعَ قَوْمِهِ بَنِي أُمَيَّةَ وَمَعَ أهل اليمن على مروان، فوافقهم على ما أرادوا، وَجَعَلَ يَقُوْلُ مَا فَاتَ شَيْءٌ

عبیداللہ بن زیاد اور حصین بن نمیر مروان بن حکم کو امارت خوبصورت بنا کر پیش کرتے رہے اور انہوں نے اس کی راء (بیعت ابن زبیر مروان جا رہا تھا آپ کی بیعت کرنے) سے اسے موڑ دیا اور حضرت ابن زبیر رضہ کے شام میں اقتدار

سے اس کو خوفزدہ کیا اور کہا کہ تم قریش کے شیخ وسردار ہو اور اسی پر تمہارہ حق ہے بس اس نے حضرت ابن زبیر رضہ کی بیعت کو ترک کر دیا اور ابن زیاد نے اسے بنی امیہ سے اقتدار جانے کی صورت میں ہلاکت سے ڈرایا اور اسی طرح یہ سب لوگ بنی امیہ اور اہل یمن مروان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کچھ نہیں بدلا ہے۔

یعنی مروان نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضہ کی بیعت کو ترک کر دیا اور حضرت ضحاک بن قیس کو قتل کر کہ دمشق پر قبضہ کرلیا۔ضحاک بن قیس نے اپنی فوج کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا لیکن قتل ہو گئے اور ان کے قتل کے بعد ان کے لوگ مروان کی طرف آ گئے پھر اس نے حمص میں حضرت نعمان بن بشیر رضہ کو قتل کر دیا اور اس پر قبضہ کرلیا اور اسی کے بعد مصر پر بھی قبضہ کرلیا اور اسی دوران مروان کی موت ہوگئی، اس کی بیوی نے بدعہدی کرنے پر اسے مار دیا (واللہ اعلم)

یہاں پر بھی اگر حضرت ابن زبیر رضہ اپنی فوج سے ضحاک بن قیس امداد کرتے تو شاید شام میں ان کی خلافت باقی رہتی اور مصر تو تھا ہی شام کے رحم وکرم پر اور مروان اس طرح بغاوت نہیں کر پاتا۔لیکن حیرت ہے آپ رضہ نے بلکل بھی اسی طرف توجہ نہیں دی کیا سبب تھا اللہ بہتر جانتا ہے۔

عبدالمالک بن مروان اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ

مروان کے مرنے کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کا بیٹا عبدالمالک تخت نشین ہوا لیکن اس کی نہ تو ولی عہدی صحیح تھی اور نہ ہی ابن زبیر رضہ کے قتل ہونے تک وہ خلیفہ کہا جا سکتا ہے۔اس نے حضرت ابن زبیر رضہ کی طرف خصوصی توجہ دی اور خاص طور پر عراق وخراسان میں اس نے لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکایا۔

مختار کا قصاص امام حسین کا بہانہ

آپ کے ہی دور میں مختار نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے کے بہانے ایک تحریک شروع کی جو دراصل عراق میں اپنی حکومت بنانے کی تحریک تھی اس نے بھی حالات کی خرابی کا فائدہ لیا اور امام حسین رضی اللہ عنہ قصاص کے بہانے اچھی خاصی فوجی قوت حاصل کر لی اور عراق پر قبضہ کر لیا اور ساتھ مین حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو بھی لکھتا رہا کہ آپ کا فرمانبردار ہوں اس لئے آپ رضہ نے اس کو کوفہ پر مقرر کر دیا لیکن اس کی بد عادات اور جھوٹے دعوی ظاہر ہونے لگے تو آپ نے اپنے بھائی اور بصرہ کے نائب مصعب بن زبیر کو اس کی سرکوبی پر مقرر کیا اور مصعب نے اس کو آکر شکست دی اور قتل کر دیا پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بصرہ اور کوفہ دونوں پر مصعب کو مقرر کر دیا۔

عبدالمالک نے دو لشکر تیار کر کے روانہ کر دئے ایک تھا عبیداللہ بن زیاد کا لشکر کوفہ پر قبضہ کے لئے اور دوسرہ فوج حبیش بن دجلہ کی سربراہی میں مدینہ بھیجی، عبیداللہ بن زیاد کی راستہ میں تابین سے ٹکراو ہو گیا اور اسے شکست ہوئی اور قتل ہو گیا اور دوسرے لشکر کو شکست دینے کے لئے حضرت ابن زبیر رضہ نے عباس بن سہل بن سعد کو نائب بنا کر مدینہ بھیجا اور اس نے جا کر حبیش کو شکست دی اور حبیش بن دجلہ قتل ہوا۔

سال 68 ہجری مین حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے خراسان، آزربائیجان، آرمینیا اور دوسرے علاقوں میں اپنے نائبین مقرر کئے اور اپنے بھائی مصعب کو بصرہ مین رہنے کی تلقین کی اور وہ جا کر بصرہ میں رہنے لگے۔

خوارج کے ساتھ جنگ

خوارج نے پہلے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت کر لی تھی پھر وہ لوگ مکہ میں آپ سے ملنے آئے اور آپ سے حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں پوچھا

تو آپ نے ان کو جواب دیا جس وہ غصہ ہوکر چل بسے اور پھر آپ کے خلاف خراسان اور مضافات میں خروج کیا اپ کے بصرہ کے عامل عبداللہ بن حرث اور خراسان کے عامل مہلب بن ابی صفرہ نے ان کی مقابلہ کے لیے مسلم بن عبیس کے سربراہی میں لشکر بھیجا جس نے جا کر انہیں شکست فاش دی۔

مصعب اور عبدالما لک کا مقابلہ

عبدالما لک نے آتے ہی کوفہ کے سرداروں سے خط وکتابت شروع کر رکھی تھی ابراہیم بن الاشتر کو عراق وخراسان کا امیر بنانے کی لالچ دی اور بصرہ کے لوگوں کو بھی خطوط لکھے اور اس کے آدمی وہاں پہنچ گئے مصعب مکہ گئے ہوئے تھے پھر جب مصعب لوٹے تو انہوں نے اہل بصرہ کو خوب باتیں سنائیں اور انہوں نے ابراہیم ابن الاشتر کو طلب کیا تو اس نے ابن زبیر رضہ کی بیعت کر دی اور مصعب نے اسے فوج کا سالار بنا دیا، پھر عبدالما لک ایک بڑا لشکر لے کر مصعب پر چڑھ آیا اور مصعب بھی اس کے مقابلہ پر نکلے

جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو عبدالما لک نے عراقی سرداروں کو پناساتھ دینے اور مختلف لالچوں کے خطوط لکھے اور ایک خط ابراہیم الاشتر کے پاس بھی ایا تھا اس نے خط کھول کر مصعب کے پاس رکھ دیا اور کہا اے امیر اس نے مجھے عراق کی امارت کی لالچ دی ہے اپ میری بات مانئے جن سرداروں کو خطوط آئیں ہیں انہیں قتل کر دیجئے تو مصعب نے کہا کہ نہیں اس طرح قبائل ہم سے منھ موڑلیں گے اور پھر ابراہیم نے کہا اے امیر انہین ابیاض میں قید کر دیجئے اگر آپ کو فتح ہوئی تو قتل کر دینا ورنہ وہ خود بخود آزاد ہجائیں گے مصعب نے کہا اللہ تعالی احنف پر رحم کرے ہر وقت مجھے اہل عراق کے دھوکے ودغا سے ڈراتے رہتے تھے گویا کہ وہ ہماری آج کی پوزیشن کو دیکھ رہے تھے۔بس پھر دیر الجاثلین کے مقام پر دونوں فوجوں کا آمنہ سامنہ ہوا اور ابراہیم نے محمد بن مروان کی فوج پر حملہ کر دیا اور

شامیوں کو پیچھے دھکیل دیا عبدالمالک نے عبداللہ بن یزید کو ان پر حملہ کرنے کو کہا اور انہوں بہت زبردست جنگ کی پھر ابراہیم الاشتر شہید ہو گئے۔اس کے بعد مصعب بن زبیر قلب میں کھڑے ہوکر علمبرداروں اور بہادروں کو پکارنے لگے لیکن کسی نے حرکت نہیں کی تو مصعب نے کہا اے ابراہیم آج ہم دوسرہ ابراہیم کہاں سے لائیں بس لوگوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور بہت تھوڑی سی جمیعت آپ کے پاس رہ گئی اور آپ نے اپنے سسر حضرت امام حسین رضہ کو یاد کیا اور کہا کس طرح اہل عراق نے آپ سے دغا کی اور آپ کے بھائی اور والد سے دغا کی پھر مصعب نے کہا انہوں ہمارے ساتھ بھی دغا کی اور عبدالمالک نے اپنے بھائی کے پاتھ مصعب کو امان بھیجی ۔تو آپ نے امان سے انکار کر دیا اور اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر رضہ سے دغا کو دھوکہ تصور کیا اور کہا میرے جیسا آدمی یا تو غالب رہے گا یا مغلوب ہوکر قتل ہوگا۔(یہ حضرت زبیر کے فرزند تھے اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے داماد ان کو ایسے ورغلانہ آسان نہ تھا) بس محمد بن مروان نے پھر آپ کو آواز دی اے میرے بھتیجے میری بات مان لے آور ایسا مت کر لیکن آپ نے انکار کر دیا اور شدید جنگ کی یہاں تک خود آپ ہی کے فوجیوں یعنی اہل عراق نے آپ پر تیر چلا کر آپ کو قتل کر دیا اور آپ کا سر کاٹ کر عبدالمالک کے پاس لے گئے۔ عبدالمالک مصعب سے شدید محبت کرتا تھا اور ان کی پرانی گھری دوستی تھی اس نے اس کے قتل پر افسوس کیا اور اپنے خلافت کے بے برکت تک کہا۔

آپ کی بیوی حضرت سکینہ نے آپ پر بہت دکھ کیا اور اپ کو امام حسین رضی اللہ عنہ کے مثل قتل ہوتے دیکھا کیوں کہ یہ امام حسین کے بھی ساتھ تھیں اور عین جنگ مین اپنے شوہر مصعب کے بھی ساتھ تھیں آپ نے بڑے ہی غمگین انداز میں آپ کو جب مقتول پایا تو آپکا مرثیہ کہا جو تواریخ میں موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو جب مصعب بن زبیر کی شہادت کی اطلاع

ملی تو آپ نے ان پر مرثیہ کہا اور انہیں اپنے سب بھائیوں میں وفا کرنے والا بھائی کہا۔ آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور آپ اس میں مصعب کی شہادت کی اطلاع دی تو لوگ اشکبار ہوئے اور خود آپ رونے لگے کہ خطبہ بھی نہیں دے پائے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے کی تقریر یہ تھی

ابن کثیر فرماتے ہیں

لَمَّا انْتَهَى إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَتْلُ أَخِيهِ مُصْعَبٍ قَامَ فِي النَّاسِ خَطِيبًا فَقَالَ الْحَمْدُ للهِ الَّذِي لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ يُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ يَشَاءُ وَيَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ يَشَاءُ، وَيُعِزُّ مَنْ يَشَاءُ وَيُذِلُّ مَنْ يَشَاءُ، بيده الخير وهو على كل شيء قدير، أَلَا وَإِنَّهُ لَمْ يُذِلَّ اللهُ مَنْ كَانَ الْحَقُّ مَعَهُ وَإِنْ كَانَ فَرْدًا وَحْدَهُ، وَلَنْ يُفْلِحَ مَنْ كَانَ وَلِيَّهُ الشَّيْطَانُ وَحِزْبُهُ وَلَوْ كَانَ مَعَهُ الْأَنَامُ طُرًّا، أَلَا وَإِنَّهُ أَتَانَا مِنَ الْعِرَاقِ خَبَرٌ أَحْزَنَنَا وَأَفْرَحَنَا، أَتَانَا قَتْلُ مصعب فأحزننا فَأَمَّا الَّذِي أَفْرَحَنَا فَعَلِمْنَا أَنَّ قَتْلَهُ لَهُ شهادة، وأما الذي أحزننا فان الحميم لفراقه لوعة يجدها حميمه عند المصيبة ثُمَّ يَرْعَوِي مِنْ بَعْدِهَا، وَذُو الرَّأْيِ جَمِيلُ الصَّبْرِ كَرِيمُ الْعَزَاءِ، وَلَئِنْ أُصِبْتُ بِمُصْعَبٍ فَلَقَدْ أُصِبْتُ بِالزُّبَيْرِ قَبْلَهُ، وَمَا أَنَا مِنْ عُثْمَانَ بخلو مُصِيبَةٍ، وَمَا مُصْعَبٌ إِلَّا عَبْدٌ مِنْ عَبِيدِ اللهِ، وَعَوْنٌ مِنْ أَعْوَانِي، أَلَا وَإِنَّ أَهْلَ الْعِرَاقِ أَهْلُ الْغَدْرِ وَالنِّفَاقِ أَسْلَمُوهُ وَبَاعُوهُ بِأَقَلِّ الثَّمَنِ، فَإِنْ يُقْتَلْ فَإِنَّا وَاللهِ مَا نَمُوتُ عَلَى مَضَاجِعِنَا كَمَا تَمُوتُ بَنُو أَبِي الْعَاصِ، والله ما قتل منهم رَجُلٌ فِي زَحْفٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَلَا فِي الْإِسْلَامِ وَمَا نَمُوتُ إِلَّا بِأَطْرَافِ الرِّمَاحِ أَوْ تحت ظل السيوف، فان بني أبي العاص يجمعون الناس بالرغبات والرهبات، ثم يقاتلون بهم أعداءهم ممن هو خير منهم وأكرم ولا يقاتلون تابعيهم زحفا، أَلَا وَإِنَّ الدُّنْيَا

عَارِيَةٌ مِنَ الْمَلِكِ الْأَعْلَى الَّذِي لَا يَزُولُ سُلْطَانُهُ وَلَا يَبِيدُ مُلْكُهُ، فان تقبل الدنيا لآخذها أخذ الأشر البطر، وإن تدبر لا أبكي عليها بكاء الحزين الأسف المهين، أَقُولُ قَوْلِي هٰذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِي وَلَكُمْ

جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اپنے بھائی مصعب کی شہادت کی اطلاع ملی تو آپ نے کھڑے ہوکر لوگوں میں تقریر کی اور فرمایا۔ سب تعریف اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کے لئے امر وخلق ہے وہ جسے چاہتا ہے حکومت دیتا ہے جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے اس کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے آگاہ رہو کہ جس کے ساتھ حق ہوا سے اللہ تعالیٰ نے کبھی ذلیل نہیں کیا خواہ وہ فرد واحد ہو وہ شخص کبھی کامیاب نہیں ہوا جس کا دوست شیطان اور اس کی پارٹی ہو خواہ اس کے ساتھ سارے لوگ ہوں آگاہ رہو ہمارے پاس عراق سے خبر آئی ہے جس نے ہمیں غمگین کیا ہے ہمارے پاس مصعب کے قتل کی خبر آئے ہے تو اس نے ہمیں غمگین کر دیا ہے وہ یہ کہ بلاشبہ قریبی عزیز کو مصیبت کے وقت غم کی جلن محسوس ہوتی ہے اور بعد آزاں اس سے باز آجاتا ہے اور صحاب رائے اور صبر کرنے والا ہوتا ہے مجھے مصعب کی تکلیف پہنچی ہے اور اس کے قبل مجھے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تکلیف بھی پہنچ چکی ہے اور میں حضرت عثمان کی مصیبت سے بھی خالی نہیں ہوں اور مصعب اللہ کے بندوں مین ایک بندہ اور میرے مددگاروں میں سے ایک مددگار تھا آگاہ رہو عراقی غداروں اور منافقوں نے اس کی مدد چھوڑ دی تھی اور اسے کم تر قیمت میں بیچ ڈالا تھا اگر وہ قتل ہوگیا ہے تو قسم بخدا ہم اپنے بستروں پر نہیں مریں گے جیسا کہ بنو ابی العاص مرا کرتے ہیں خدا کی قسم جاہلیت اور اسلام میں ان میں کوئی شخص لشکر مین قتل نہیں ہوا اور ہم نیزوں کی نوکوں اور

تلواروں کے سائے مین مرتے ہیں بلاشبہ بنوابی العاص لوگوں کورغبت دلانے والی اورڈرانے والی چیزوں سے اکٹھا کرتے ہیں پھران کے سایے ہ لوگوں سے جنگ کرتے ہیں جوان سے بہتر اور معزز ہوتے ہیں اوران پیر کاروں سےفوج کی صورت مین جنگ نہین کرتے آگاہ رہو کہ دنیا اس بلند و برتو بادشاہ سے عاریۃ ہے جس کی بادشاہت کوزوال نہیں اور نہ اس کی حکومت تباہ ہوسکتی ہے اگر دنیا آئے تو میں اسے ایک متکبراور ناپسند کرنے والے کی طرح پکڑوں گا اور اگروپ پشت پھیر جائے تو میں اس پر غمگین اور حقیر آدمی کی طرح نہیں رووَں گا میں یہ بات کہتا ہوں اوراپنے لئے اورتمہارے لئے دینا سے بخشش طلب کرتا ہوں۔

امیر المومنین عبداللہ بن زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اورعبدالما لک کے درمیان کشمکش

عراق میں مصعب کے قتل کے بعد عبدالما لک نے قبضہ کردیا تھااور پھروہ حجاز پرفوج کشی کے بارے میں سوچ رہا تھالیکن کوئی آدمی اس کے لئے تیارنہیں ہو پایا تو حجاج نے جا کر اس کام کوکرنے کا وعدہ کیااور عبدالما لک نے اسے امیر لشکرو گورنر حجاز بنا کر بھیج دیا۔عبدالما لک نے مکہ پر سیدھا چڑ ہنے سے گریز کیااوراس نے چھوٹے لشکر بنا کرحجاز بھیجے ان میں ایک مدینہ کی طرف عروہ بن انیف کی سر براہی میں بھیجا تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے گورنر مدینہ چھوڑ گئے پھر وہ واپس شام چلا گیا تو یہ بھی واپس آ گئے پھرابن زبیر رضی اللہ عنہما انہیں معزول کردیا عبدالما لک نے پھرخیبر پر لشکر بھیجا اس کا امیر عبدالما لک بن حرث تھا اورابن زبیر کے عامل سلیمان بن خالد تھے جواس جنگ میں شہید ہوئے پھر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو حالات کا علم ہوا تو آپ نے جابر بن اسود کو مدینہ کا عامل بنا کر بھیجا اس نے ابوبکر بن قیس کو خیبر روانہ کیااورابوبکر نے سلیمان کوشکست دے کرخیبر واپس فتح کرلیا۔عبدالما لک نے پھرطارق بن عمر کوحجاز روانہ کیا اس نے

اکر خیبر پر حملہ کیا اور خیبر کے عامل ابو بکر بن قیس نے سخت مزاحمت کی لیکن شہید ہوئے تو عامل مدینہ جابر بن اسود نے دو ہزار کا لشکر خیبر روانہ کر دیا اور وہاں بہت سخت جنگ ہوئی اور جابر کی فوج کو شکست ہوئی اور ان کے بہت سے آدمی مارے گئے عبداللہ بن زبیر رضہ کو جب اس علم ہوا تو آپ نے جابر کو معزول کر کہ محمد بن طلحہ کو مدینہ کا عامل بنا کر بھیجا پھر ان کے درمیان جنگ ہوتی رہی اور مدینہ بدستور ابن زبیر رضہ کی حکومت میں رہا۔ اخر کا عبدلما لک نے مکہ پر فوج کشی کا ارادہ کر لیا۔ لیکن سرادارانِ شام مکہ پر حملہ کرنے سے گزیر کرنے لگے عبدلما لک نے پھر ایک نوجون حجاج بن یوسف کو اس کام پر لگا دیا۔

حجاج بن یوسف کی مکہ پر چڑہائی

حجاج بن یوسف حجاز میں طائف مین آیا کیوں کہ یہ اسی کا شہر تھا پھر یہ وہاں سے دستے لڑنے کے لئے مکہ بھیجتا رہتا تھا حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ کی حفاظت کے انتظام کر لئے تھے اور ان کی مکہ کے باہر لڑائی ہوتی رہتی لیکن پھر عبدالما لک نے حجاج کی مدد کے لئے نئی فوج بھیج دی اور اس کے آتے ہی حجاج فوجیں لے کر مکہ پر چڑہ آیا اور اس کا محاصرہ کر لیا اور یہ لوگ روزانہ مکہ وحرم پر سنگ باری کرتے رہتے تھے اور آگ کے گولے بھی پھینکتے تھے اسی سنگ باری کی وجہ صحابی رسول اللہ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے وہ ایک دن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک پتھر آ کر انہیں لگا اور شہید ہوئے۔ حجاج نے مکہ میں رسد بھی بند کر دی تھی حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے پہلے انتظامات کر لئے تھے لیکن محاصرہ طویل ہونے لگا تو خوراک کی کمی ہونے لگی پھر ایام حج بھی آ گئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر حجاج نے ایام حج مین سنگ باری رکوادی۔ لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور آپکے ساتھی حج وقربانی نہیں کر پائے کیوں کہ آپ محصور تھے۔

حرم میں جنگ

ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا اقتدار پہلے ہی رو بہ زوال تھا لیکن مصعب بن زبیر کے قتل نے عبدالملک اور ابن زبیر کے درمیان سیاسی کشمکش اور رسہ کشی کا حتمی فیصلہ کر دیا۔ عراق کے ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی سیاسی اور فوجی قوت بہت زیادہ کمزور ہو چکی تھی۔ لہٰذا ان حالات میں عبدالملک کے لیے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے اقتدار پر ضرب کاری لگانا آسان تھا چنانچہ حجاج بن یوسف کو ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف مہم کا انچارج بنا کر روانہ کیا گیا۔ حجاج 695ء میں مکہ کا محاصرہ کر کے شہر پر سنگباری شروع کر دی۔ حدود حرم بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکیں اور خانہ کعبہ کی عمارت کو بھی خاصہ نقصان پہنچا۔ محاصرہ طویل مدت تک جاری رہا جس کی وجہ سے اہل مکہ کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ محاصرہ اس قدر شدید تھا کی کوئی چیز باہر سے اندر نہ جا سکتی تھی۔ اشیائے خورونوش کی قلت پیدا ہو چکی تھی عام آبادی قحط اور بھوک کا شکار تھی۔ لیکن یہ مصائب ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے پایہ استقلال میں کوئی لغزش پیدا نہ کر سکے۔ محصورین ان صعوبتوں کو آخر کب تک برداشت کر سکتے تھے۔ آہستہ آہستہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا۔

یہاں تک جنگ حرم تک آ گئی بہت لوگوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور یہاں تک آپ کے بیٹوں نے بھی آپ کا ساتھ چھوڑ کر حجاج کی طرف چلے گئے بس آپ کے ساتھ چند مخلصین ساتھی رہ گئے اس صورتحال میں آپ اپنی والدہ محترمہ کے پاس تشریف لائے اور ان سے ملاقات کی۔ اور انہیں اس بات کی شکایت کی کہ مجھے میرے بیٹوں تک نے چھوڑ دیا ہے آپ کا اور آپ کی والدہ کا مقالمہ نصیحت آموز ہے جسے پورہ کا پورہ ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

وَدَخَلَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ عَلَى أُمِّهِ فَشَكَا إِلَيْهَا خِذْلَانَ النَّاسِ لَهُ، وَخُرُوجَهُمْ إِلَى الْحَجَّاجِ حَتَّى أَوْلَادِهِ وَأَهْلِهِ، وَأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ مَعَهُ إِلَّا الْيَسِيرُ، وَلَمْ

يَبْقَ لَهُمْ صَبْرُ سَاعَةٍ، وَالْقَوْمُ يُعْطُونَنِي مَا شِئْتُ مِنَ الدُّنْيَا، فَمَا رَأْيُكِ؟

عبداللہ بن زبیر رضی اپنی والدہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اے امی جان لوگ ہمیں چھوڑ کر حجاج کے پاس چلے گئے ہیں اور میرے اپنے بیٹے بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں اور بہت تھوڑی آدمی میرے پاس رہ گئے ہین جو بھی اب صبر نہیں کر سکتے ،اور دشمن میری ہر بات ماننے کیو تیار ہے (دستبرادری کی صورت میں)اس میں آپ کی کیا راء ہے

توصدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے جواب دیا

فَقَالَتْ يَا بُنَيَّ أَنْتَ أَعْلَمُ بِنَفْسِكَ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّكَ عَلَى حَقٍّ وَتَدْعُو إِلَى حَقٍّ فَاصْبِرْ عَلَيْهِ فَقَدْ قُتِلَ عَلَيْهِ أَصْحَابُكَ، وَلَا تُمَكِّنْ مِنْ رَقَبَتِكَ يَلْعَبْ بِهَا غلمان بني أمية، وإن كنت تعلم أنك إِنَّمَا أَرَدْتَ الدُّنْيَا فَلَبِئْسَ الْعَبْدُ أَنْتَ، أَهْلَكْتَ نَفْسَكَ وَأَهْلَكْتَ مَنْ قُتِلَ مَعَكَ، وَإِنْ كُنْتَ عَلَى حَقٍّ فَمَا وَهَنَ الدِّينُ وَإِلَى كَمْ خلودك فِي الدُّنْيَا؟ الْقَتْلُ أَحْسَنُ

اے میرے بیٹے اپنے متعلق تم بہتر جانتے ہو اگر تو اپنے اپ کو حق پر سمجھتا ہے اور حق کی دعوت دیتا ہے تو صبر کر تیرے اصحاب اس میں ہلاک ہو چکے ہیں، اپنی گردن پر ان کو قابو نہ دینا کہ بنی امیہ کے بچے اس سے کھیلتے پھریں، اور تو جانتا ہے کہ اگر تیرہ مطلب دنیا ہے تو، تو بہت برا آدمی ہے کہ اپنے آپ کو بھی ہلاکت میں ڈالا اور اپنے ان اصحاب کو بھی ہلاکت میں ڈالا جو تیرے ساتھ لڑ رہے ہیں اور اگر تو حق پر ہے تو اللہ کا دین کمزور نہیں ہے اور تم کتنے دن اور زندہ رہو گے اس سے قتل ہو جانا بہتر ہے

ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنی والدہ سے کہا

وَقَالَ هَذَا وَاللهِ رَأْيِي، ثُمَّ قَالَ وَاللهِ مَا رَكَنْتُ إِلَى الدُّنْيَا وَلَا أَحْبَبْتُ الحياة فيها، وما دعاني إلى الخروج إلى الْغَضَبُ لله أَنْ تُسْتَحَلَّ حُرْمَتُهُ، وَلَكِنِّي أَحْبَبْتُ أَنْ أَعْلَمَ رَأْيَكِ فَزِدْتِينِي بَصِيرَةً مَعَ بَصِيرَتِي۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ کی قسم میری بھی یہی راء ہے اور کہا کہ اللہ کی قسم میں نے دنیا کو پسند نہیں کیا اور نہ ہی میں نے اس کی زندگی کی آرزو کی ہے اور خروج پر صرف اللہ کی ناراضگی سے بچنے پر آمادہ ہوا ہوں کہ انہوں نے اس کی حرمت کو جائز سمجھ لیا ہے لیکن میں نے آپ کی راء کو جاننا ضروری خیال کیا اور آپ نے اپنی بصیرت سے میری بصیرت میں اور اضافہ کر دیا

فانظری یا أماہ فانی مقتول فی یَوْمِي هَذَا فَلَا يَشْتَدُّ حُزْنُكِ، وَسَلِّمِي لِأَمْرِ اللهِ، فَإِنَّ ابْنَكِ لَمْ يَتَعَمَّدْ إِتْيَانَ مُنْكَرٍ، وَلَا عَمَلٍ بِفَاحِشَةٍ قَطُّ، وَلَمْ يَجُرْ فِي حُكْمِ اللهِ، وَلَمْ يَغْدُرْ فِي أَمَانٍ وَلَمْ يَتَعَمَّدْ ظُلْمَ مُسْلِمٍ وَلَا مُعَاهِدٍ، وَلَمْ يَبْلُغْنِي ظُلْمٌ عَنْ عَامِلٍ فَرَضِيتُهُ بَلْ أَنْكَرْتُهُ، وَلَمْ يكن عندی آثر من رضی رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ، اللَّهُمَّ إِنِّي لَا أَقُولُ هَذَا تَزْكِيَةً لِنَفْسِي، اللَّهُمَّ أَنْتَ أَعْلَمُ بِي مِنِّي وَمِنْ غَيْرِي، وَلَكِنِّي أَقُولُ ذَلِكَ تَعْزِيَةً لِأُمِّي لِتَسْلُوَ عَنِّي۔

پھر کہا کہ اے میری ماں آج میں قتل ہو جاؤں گا اور آپ کا غم نہ بڑھے اور مجھے اللہ کے حوالے کر دو بلاشبہ آپ کے بیٹے نے کبھی بھی جان بوجھ کر رضا الاہی کے خلاف نہیں کیا اور نہ کبھی برا کام کیا اور نہ حکم الاہی میں زیادتی کی اور نہ کبھی خیانت کی اور نہ ہی جان بوجھ کر ظلم کیا ہے اور نہ ہی میں نے کسی عامل کے ظلم کو پسند کیا میں اس بات کو ناپسند کیا اور نہ ہی میرے پاس اپنے رب کی رضاعت کا کوئی رکھ ہے اے اللہ میں یہ بات اپنے نفس کو پاک کرنے پر نہیں کہتا بلکہ میں اپنی ماں کو

اس سے تسلی دینا چاہتا ہوں تا کہ وہ مجھے بھول سکے۔

آپ کی والدہ نے فرمایا

فَقَالَتْ أُمُّهُ إِنِّي لَأَرْجُو مِنَ اللهِ أَنْ يَكُونَ عَزَائِي فِيكَ حَسَنًا، إِنْ تَقَدَّمْتَنِي أَوْ تَقَدَّمْتُكَ، فَفِي نَفْسِي اخْرُجْ يَا بُنَيَّ حَتَّى أَنْظُرَ مَا يَصِيرُ إِلَيْهِ أَمْرُكَ۔

مجھے اللہ تعالی سے امید ہے اور میرہ صبر ہی تیرے متعلق اچھا ہے خواہ تم مجھ سے مقدم ہو یا میں تجھ سے مقدم ہو کہا اے میرے بیٹے مجھے باہر دیکھنے دے کہ دیکھوں کہ تیرہ معاملہ کہاں تک پھونچا ہے

ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا

فَقَالَ جَزَاكِ اللهُ يَا أُمَّهُ خَيْرًا فلا تدعى الدعاء قبل وبعد فقالت لا أدعه أبدا لمن قُتِلَ عَلَى بَاطِلٍ فَلَقَدْ قُتِلْتَ عَلَى حَقٍّ

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا اے ماں اللہ آپ کو جزا دے اس پہلے اور بعد میں دعا کرنا ترک نہ کرنا آپ کی والدہ نے کہا اسے تو باطل پر لڑنے والوں کے لئے ترک نہیں کرتی تو پھر بھی حق پر ہے،

آپ کی والدہ مزید نے کہا

ثُمَّ قَالَتْ اللَّهُمَّ ارْحَمْ طُولَ ذَلِكَ الْقِيَامِ وَذَلِكَ النَّحِيبِ وَالظَّمَأِ فِي هَوَاجِرِ الْمَدِينَةِ، وَمَكَّةَ، وَبِرَّهُ بِأَبِيهِ وَبِي، اللَّهُمَّ إِنِّي قَدْ سَلَّمْتُهُ لِأَمْرِكَ فِيهِ وَرَضِيتُ بِمَا قَضَيْتَ فَقَابِلْنِي فِي عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِثَوَابِ الصَّابِرِينَ الشَّاكِرِينَ ثُمَّ أَخَذَتْهُ إِلَيْهَا فَاحْتَضَنَتْهُ لِتُوَدِّعَهُ وَاعْتَنَقَهَا لِيُوَدِّعَهَا۔

اے اللہ اس طویل قیام اور رونے اور مکہ و مدینہ کی دوپھر کی پیاس اپنے باپ اور میرے ساتھ حسن سلوک کی وجہ سے اس پر رحم فرما، اے اللہ میں نے اسے

تیرے فیصلہ کے حوالے کیا اور تو نے جو فیصلہ کیا ہے میں اس سے راضی ہوں پس عبداللہ بن زبیر کے بارے میں مجھے صابرین وشاکرین کا ثواب دے پھر آپ نے اپنے بیٹے کو گود میں لے لیا اور اسے الوداع کرنے کے لئے گلے سے لگا لیا

فَوَجَدَتْهُ لَابِسًا دِرْعًا مِنْ حَدِيدٍ فَقَالَتْ يَا بُنَيَّ مَا هذا اللباس من يريد ما نريد مِنَ الشَّهَادَةِ!! فَقَالَ يَا أُمَّاهُ إِنَّمَا لَبِسْتُهُ لِأُطَيِّبَ خَاطِرَكِ وَأُسَكِّنَ قَلْبَكِ بِهِ، فَقَالَتْ لَا يَا بُنَيَّ وَلَكِنِ انْزِعْهُ فَنَزَعَهُ وَجَعَلَ يَلْبَسُ بَقِيَّةَ ثِيَابِهِ وَيَتَشَدَّدُ وَهِيَ تَقُولُ شَمِّرْ ثِيَابَكَ، وَجَعَلَ يَتَحَفَّظُ مِنْ أَسْفَلِ ثِيَابِهِ لِئَلَّا تَبْدُو عَوْرَتُهُ إِذَا قُتِلَ، وَجَعَلَتْ تُذَكِّرُهُ، بِأَبِيهِ الزُّبَيْرِ، وَجَدِّهِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، وَجَدَّتِهِ صَفِيَّةَ بِنْتِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَخَالَتِهِ عَائِشَةَ زَوْجِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وترجيه القدوم عليهما إِذَا هُوَ قُتِلَ شَهِيدًا، ثُمَّ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا فَكَانَ ذَلِكَ آخِرَ عَهْدِهِ بِهَا رَضِيَ اللهُ عنهما

آپ نے اپنے بیٹے کو زرہ پہنے دیکھا تو کہنے لگیں اے میرے بیٹے یہ لباس شہادت کے امیدواروں کا نہیں ہوتا آپ نے کہا کہ اے میرے ماں میں اپ کو تسلی دینے کے خاطر اسے پہنا ہے وہ کہنے لگیں اے میرے بیٹے اسے اتار دے تو آپ نے اسے اتار دیا اور بقیہ کپڑے پہنے لگے تو آپ کی والدہ نے کہا کہ اپنے کپڑوں کو مضبوط کر دو آپ اپنے نچلے حصہ کے کپڑوں کو مضبوط کرنے لگے تا کہ آپ کے قتل کے بعد آپ کے قابل شرم جگہ ظاہر نہ ہو آپ کی والدہ نے پھر آپ کے سامنے زبیر رضی اللہ عنہ، آپ کے نانا ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ آپ کی دادی صفیہ بنت عبدالمطلب اور آپ کی خالہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کا تذکرہ کرنے لگیں اور آپ کو امید دلانے لگیں کہ قتل کے بعد تم ان کے

پاس ہو نگے اس کے بعد آپ باہر آئے اور یہ آپ کی والدہ سے آپ کی آخری ملاقات تھی۔

امیر المومنین عبداللہ بن زبیر بن العوام کی شہادت

یہ محاصرہ تقریباً 7 ماہ جاری رہا۔ دونوں افواج نے حج کے دوران طواف وغیرہ کے لیے جنگ روک دی۔ حج کے اختتام پر جنگ دوبارہ شروع ہوئی تو حجاج نے شہر پر سنگباری کا حکم دیا جس سے شہر کا اکثر حصہ منہدم ہو گیا۔ جب مقابلہ جاری رکھنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو آپ مشورہ کی غرض سے اپنی والدہ حضرت اسماء کے پاس گئے اور عرض کیا کہ ''اب جب کہ میرے بیٹے بھی میرا ساتھ چھوڑ گئے ہیں اور جو چند باقی رہ گئے ان میں بھی لڑنے کی تاب نہیں ہے۔ ہمارا دشمن ہمارے ساتھ کوئی رعایت کرنے کو تیار نہیں ہے۔ ایسی حالت میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟''

حضرت اسماء جو حضرت صدیق اکبر کی بیٹی تھیں نے جواب دیا: ''بیٹا تم کو اپنی حالت کا اندازا خود ہوگا۔ اگر تم حق پر ہو اور حق کے لیے لڑتے رہے ہو تو اب بھی اس کے لیے لڑو کیونکہ تمہارے بہت سے ساتھیوں نے اس کے لیے جان دی ہے اور اگر دنیا طلبی کے لیے لڑتے تھے تو تم سے برا کون خدا کا بندہ ہوگا۔ تم نے خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا اور اپنے ساتھ کتنوں کو ہلاک کیا۔ اگر یہ عذر ہے کہ حق پر ہو لیکن اپنے مددگاروں کی وجہ سے مجبور ہو تو یاد رکھو شریفوں اور دینداروں کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ تم کو کب تک دنیا میں رہنا ہے۔ جاؤ حق پر جان دینا دنیا کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔''

یہ جواب سن کر ابن زبیر نے کہا ماں مجھے ڈر ہے کہ میرے قتل کے بعد بنو امیہ میری لاش کو مثلہ کر کے سولی پر لٹکائیں گے۔ اس خدا پرست خاتون نے جواب دیا۔ ''ذبح ہو جانے کے بعد بکری کی کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ جاؤ خدا سے مدد مانگ کر اپنا کام پورا کرو۔''

ماں کے اس جواب سے ابن زبیر ایک نئے ولولہ اور جذبہ سے اٹھے۔ ماں کو آخری بار الوداع کہہ کر دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور ان کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ لیکن بالآخر میدان جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ حجاج آپ کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا۔ جو تین دن وہیں لٹکتی رہی آپ کی والدہ حضرت اسماء کا ادھر سے گزر ہوا تو دیکھ کر بولیں ''شہسوار ابھی اپنی سواری سے نہیں اترا۔''

حجاج بن یوسف اور اس کی فوج نے شہر فتح کر کے کعبے پر منجنیقوں سے پتھر برسائے اور پھر آگ لگادی۔ جس سے کعبہ کی دیواریں شق ہوگئیں اور حجر اسود کے تین ٹکڑے ہوگئے۔ لوگ کعبہ کی دیواروں کے ٹکرے اور حجر اسود کے ٹکرے اٹھا کر لے گئے جنہیں بعد میں منگوا کر کعبہ کو دوبارہ تعمیر کیا گیا۔

حضرت وہب بن کیسان نے بیان کیا کہ اہل شام (حجاج بن یوسف کے فوجی) شام کے لوگ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو عار دلانے کے لیے کہنے لگے" یا ابن ذات النطاقین" (اے دو کمر بند والی کے بیٹے اور ان کی والدہ) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا، اے بیٹے! یہ تمہیں دو کمر بند والی کی عار دلاتے ہیں، تمہیں معلوم ہے وہ کمر بند کیا تھے؟ وہ میرا کمر بند تھا جس کے میں نے دو ٹکڑے کر دیئے تھے اور ایک ٹکڑے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برتن کا منہ باندھا تھا اور دوسرے سے دستر خوان بنایا (اس میں توشہ لپیٹا) وہب نے بیان کیا کہ پھر جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اہل شام دو کمر بند والی کی عار دلاتے تھے، تو وہ کہتے ہاں۔ اللہ کی قسم! یہ بیشک سچ ہے اور وہ یہ مصرعہ پڑھتے تلک شکاۃ ظاہر منک عارھا یہ تو دیسا طعنہ ہے جس میں کچھ عیب نہیں ہے

حضرت ابونوفل معاویہ ابن مسلم تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کی نعش) کو مدینہ (کے راستہ پر واقع مکہ) کی گھاٹی میں (ایک سولی پر لٹکے ہوئے) دیکھا ابونوفل کہتے ہیں کہ قریش کے لوگوں نے اس نعش کے پاس آنا جانا شروع کیا اور دوسرے لوگ بھی آتے جاتے رہے یہاں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہاں آئے اور نعش کے سامنے کھڑے ہو کر یوں گویا ہوئے السلام علیک اے ابوخبیب! السلام علیک اے ابوخبیب السلام علیک ابوخبیب! آگاہ ہو، اللہ کی قسم میں تم کو منع نہیں کرتا تھا آگاہ ہو اللہ کی قسم، میں تم کو اس کام سے منع کرتا تھا، میں تم کو اس کام سے منع کرتا تھا، (تین مرتبہ یہ الفاظ کہنے کے بعد پھر انہوں نے کہا) آگاہ ہو اللہ کی قسم، بلاشبہ تم وہ شخص تھے جس کو میں جانتا تھا کہ بہت زیادہ روزے رکھنے والے بہت زیادہ شب بیدار و شب خیز اور اہل قرابت سے بہت زیادہ احسان و سلوک کرنے والے ہو، آگاہ ہو اللہ کی قسم وہ گروہ جس کی نظر میں تم برے ہو یقیناً ایک برا اور بدتر گروہ ہے اور ایک روایت میں لامۃ سوء کے بجائے لامۃ خیر کے الفاظ ہیں اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وہاں سے چلے گئے، پھر جب یہ خبر حجاج کے پاس پہنچی کہ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی نعش کے پاس) کھڑے ہو کر ایسا ویسا کہا ہے تو اس نے (فوراً) ایک آدمی بھیجا اور نعش کو اس لکڑی (یعنی سولی) پر سے اتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں ڈلوا دیا پھر حجاج نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا (دختر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے پاس ایک آدمی بھیجا (اور ان کو طلب کیا) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس کے ہاں آنے سے انکار کر دیا، حجاج نے دوبارہ آدمی بھیجا اور کہلایا کہ یا تو فوراً چلی جاؤ ورنہ پھر ایک ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو تمہاری چوٹی پکڑ کر کھینچتا ہوا یہاں لائے گا، ابونوفل کہتے ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے پھر انکار کر دیا اور حجاج کو کہلا بھیجا کہ اللہ کی قسم میں تیرے پاس ہرگز نہیں آؤں گی اب تو تو کسی ایسے آدمی کو بھیج کر دیکھ لے جو میری چوٹیاں پکڑ کر مجھے کھینچتا ہوا لے جائے، روای کہتے ہیں کہ حجاج (نے یہ سنا تو آگ بگولا ہو گیا اور بڑے غضب ناک انداز میں): لاؤ میری جوتیاں میرے سامنے رکھو، پھر اس نے اپنی جوتیاں پیروں میں ڈالیں اور اکڑتا اتراتا ہوا تیز تیز چل کر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے ہاں پہنچا اور (زہریلے لہجہ میں) ان سے بولا کہ (ذرا بتانا) تم نے اس دشمن اللہ (یعنی اپنے بیٹے ابن زبیر رضی اللہ عنہما) کے ساتھ سلوک کرنے میں مجھے کیسا پایا! حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بولیں میں نے تو ایسا پایا کہ تو نے اس کی دنیا تباہ کر دی اور اس نے تیری عاقبت کا ستیاناس کر دیا (یعنی اس ظالمانہ قتل نے تجھے عذاب دوزخ کا مستوجب بنا دیا ہے اور ہاں مجھے معلوم ہے کہ تو میرے بیٹے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو (اس کی زندگی میں یا اس کی

شہادت کے بعد) دو کمر بند والی عورت" کا بیٹا کہہ کر مخاطب کرتا تھا؟ (تو سن لے) اللہ کی قسم میں بلاشبہ دو کمر بند والی عورت ہوں، ایسے دو کمر بند کہ جن میں ایک کمر بند تو وہ تھا جس کے ذریعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کھانا جانوروں سے محفوظ رکھتی تھی اور دوسرا کمر بند عورت کا وہ کمر بند تھا جس سے کوئی عورت بے پرواہ نہیں ہوسکتی اور یاد رکھ ہم سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی کہ قبیلہ ثقیف میں ایک نہایت درجہ کا جھوٹا شخص پیدا ہوگا اور ایک درجہ کا مفسد وہلاکو، تو تیرے بارے میں ہمارا خیال ہے کہ وہ مفسد وہلاکو، جس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی تو ہی ہے، راوی ابونوفل کا بیان ہے کہ (یہ الفاظ سن کر) حجاج حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا اور ان کو کوئی جواب نہیں دیا (مسلم)

مدینہ کی گھاٹی" سے مراد مکہ شہر کا بالائی سرا ہے جو مشرقی سمت واقع ہے، مدینہ کا راستہ چونکہ اسی جگہ سے گزرتا ہے اور مدینہ سے آنے والے یہیں سے مکہ شہر میں داخل ہوتے تھے اس مناسبت سے اس کو" مدینہ کی گھاٹی" سے تعبیر کیا گیا جب ظالم حجاج ابن یوسف نے اپنے لشکر جرار کے ذریعہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو مسجد حرام میں محصور کر کے نہایت بے دردی سے شہید کیا تو بعد میں اس نے نعش مبارک کو مذکورہ جگہ ایک سولی پر لٹکا دیا تھا اور پھر اسی جگہ کے قریب حجون یعنی جنت المعلاۃ میں ان کی تدفین عمل میں آئی لیکن اب تو ان کی قبر کا کوئی نشان باقی بھی نہیں ہے اور نہ کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ ان کی قبر کس جگہ تھی، اسی طرح جنت المعلی میں اور جو صحابہ کرام مدفون ہوئے ان کی قبریں بھی متعین و معلوم نہیں ہیں حضرت خدیجہ الکبری کی قبر بھی اسی جنت المعلیٰ میں ہے مگر ان کی قبر بھی اسی طرح غیر معلوم تھی، ایک زمانہ میں کسی بزرگ نے خواب کی بنیاد پر ان کی قبر کا تعین کیا تھا اور اس قبر پر قبہ بھی بنایا گیا تھا اب وہ بھی بے نشان ہے۔"

"میں نے تم کو اس کام سے منع کیا تھا" میں" کام" سے مراد یزید ابن معاویہ سے خروج اور اپنی خلافت و امارت کا دعویٰ ہے جو حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کیا تھا اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ کے بعد ان کا بیٹا یزید تخت خلافت و امارت پر بیٹھا تو

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کی اطاعت و بیعت سے انکار کر دیا اور مکہ مکرمہ کے لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے چونکہ جلیل القدر صحابی اور بلند و بالا نسبتوں کے اعتبار سے بہت زیادہ عزت و منزلت رکھتے تھے اس لئے جلد ہی ان کی خلافت کو قبول کرنے والوں کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا اور مختلف علاقوں اور خطوں پر کنٹرول حاصل ہو گیا بلکہ جیسا کہ مؤرخین لکھتے ہیں شام کے علاوہ تقریباً تمام ہی عالم اسلام میں وہ خلیفہ تسلیم کر لئے گئے۔ یزید کے بعد پھر مروان ابن حکم اور اس کے بعد عبدالملک ابن مروان کی امارت کو بھی تسلیم نہیں کیا اور بدستور اپنی خلافت کے دعوے اور اقتدار پر قائم رہے لیکن عبدالملک ابن مروان نے ان کے خلاف زبردست فوجی کاروائی کی اور حجاج ابن یوسف ثقفی کو لشکر جرار کے ساتھ مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا، حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے قلیل ترین ساتھیوں کے ساتھ حجاج کی زبردست فوج کا جس بہادری و پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا وہ شجاعت و بہادری اور عزیمت و جرأت کی تاریخ کا نادر المثال کارنامہ ہے آخر کار جام شہادت نوش کیا، بدبخت حجاج نے ان کا سر تن سے جدا کر کے مدینہ منورہ روانہ کیا اور باقی جسم سولی پر لٹکا دیا، اس سے پہلے یہی لشکر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا تھا، اس وقت یزید زندہ تھا (اس لشکر نے مدینہ منورہ کو جس طرح تباہ و برباد کیا اور وہاں کے لوگوں کا جس طرح قتل عام کیا وہ "واقعہ حرہ" کے نام سے اپنی لرزہ خیز تفصیل کے ساتھ تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ پس حضرت عبداللہ ابن عمر نے سولی پر لٹکی ہوئی حضرت زبیر کی نعش کے سامنے کھڑے ہو کر انہی دلدوز واقعات اور ظالم و فاسد لوگوں کے اس گروہ کی وحشیانہ کاروائیوں پر تاسف و تحسر کا اظہار کرتے ہوئے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو مخاطب کیا اور کہا کہ میں نے تمہیں پہلے ہی منع کیا کرتا تھا کہ تم ان ظالموں اور بدکرداروں کے مقابلے نہ آؤ اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے یکسو ہو جاؤ مگر تم نہ مانے حق کی حکمرانی قائم کرنے کے تمہارے اس پاک جذبے نے تمہیں خلافت کے دعوے پر مجبور رکھا اور تم نتائج سے بے پرواہ ہو کر ان دنیا دار اور مفسد حکمرانوں کے خلاف ڈٹے رہے آخر کار تمہیں اس لرزہ خیز انجام سے دوچار ہونا پڑا۔

" تم بہت زیادہ روزے رکھنے والے" بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما بہت ہی زیادہ روزے رکھا کرتے تھے ایسا بھی ہوتا تھا کہ پندرہ پندرہ دن تک مسلسل روزے سے رہا کرتے تھے جس کو طے روزے کہا جاتا ہے اور پوری پوری رات نوافل، تلاوت اور ذکر اللہ میں گزارا کرتے تھے قرابتداروں سے حسن سلوک کے معاملہ میں امتیازی شہرت رکھتے تھے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس موقع پر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ان اوصاف کا ذکر اس لئے کیا کہ حجاج ان کو عدو اللہ (اللہ کا دشمن) اور ظالم کہا کرتا تھا اور نہ معلوم کیا کیا واہی تباہی بکا کرتا تھا لہٰذا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ضروری سمجھا کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی وہ خوبیاں اور نیکیاں بیان کریں جن سے حجاج کو لغو و بے ہودہ باتوں کی تردید ہو اور عام لوگوں پر واضح ہوجائے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کس پایہ کے عابد و زاہد اور بلند مرتبہ مسلمان تھے۔

اور ایک روایت لامۃ خیر" کے الفاظ ہیں، یعنی اصل روایت میں تو یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حجاج ابن یوسف اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں میں واضح الفاظ کے ذریعہ اپنا یہ تاثر بیان کیا کہ جو گروہ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو برا اور حق سے ہٹا ہوا سمجھتا ہے۔ دراصل خود وہی گروہ اپنی بد اعتقادی اور اپنے خیال فاسد کی بناء پر ایک برا اور بدتر گروہ ہے کہ تم جیسے شخص کو شریر اور فسادی لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔لیکن ایک روایت میں یہاں" ایک برا اور بدتر گروہ ہے" کے بجائے یہ ہے کہ" وہ کیا ہی اچھا گروہ ہے" ان الفاظ میں بھی اسی تاثر کا اظہار مقصود ہے جو اصل روایت سے ظاہر ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اس دوسری روایت کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے گویا طنز و تعریض اور استہزاء کا اسلوب اختیار کیا جیسا کہ عام طور پر کسی برے اور فسادی شخص کی شرارت اور بدطینی پر چوٹ کرنے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ واہ میاں تم بھی کیا خوب ہو آپس میں تفرقہ ڈلواتے ہو، تاہم زیادہ موزوں اور قریب الفہم وہی الفاظ ہیں جو اصل روایت میں مذکور ہیں۔

" یہودیوں کے قبرستان میں ڈلوادیا" یعنی مکہ میں رہنے والے یہودی یا باہر سے آئے ہوئے اتفاقاً مکہ میں مرجانے والے یہودی جس جگہ دفن کئے جاتے ہیں وہاں حجاج نے

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی نعش ڈلوادی تھی۔ لیکن یہ بات اس کے منافی نہیں کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی تدفین جنت المعلاۃ میں عمل میں آئی تھی، کیونکہ یہ صورت حال ابتداء پیش آئی تھی کہ ان کی نعش یہودیوں کے قبرستان میں ڈلوادی گئی تھی، لیکن پھر بعد میں ان کی نعش مبارک کو وہاں سے اٹھا کر جنت المعلاۃ میں دفن کیا گیا تھا، واضح رہے کہ اب تو بہت زمانہ سے وہ جگہ متعارف نہیں ہے جہاں یہودیوں کا قبرستان یا ان کی قبریں تھیں لیکن اس زمانہ میں ایسی کوئی جگہ ضرور تھی جو یہودیوں کی قبروں کے لئے مخصوص تھی اور اسی لئے حجاج نے حکم دیا تھا کہ عبداللہ ابن زبیر کی نعش کو سولی سے اتار کر یہودیوں کے قبرستان میں ڈال دیا جائے۔

"لاؤ میری جوتیاں میرے سامنے رکھو" یہ اردنی سبتی کا مطلب ہے۔ سبتی دراصل ی متکلم کے ساتھ سبتیۃ کا تثنیہ ہے اور سبتیۃ اس پاپوش کو کہتے تھے جو دباغت دیئے ہوئے اور بال وغیرہ سے بالکل صاف نرم چمڑے کا بنا ہوتا تھا، اس زمانہ میں امراؤ سلاطین اور عیش پسند لوگ اسی طرح کے جوتے پہنا کرتے تھے۔

"دو کمر بند والی عورت" ذات النطاقین کا ترجمہ ہے، اور یہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق کا لقب تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص واقعہ کی بناء پر مرحمت فرمایا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ان کے مکان سے روانہ ہو رہے تھے تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کے لئے کچھ توشہ تیار کیا تھا۔ توشہ دان باندھنے کے لئے انہیں کوئی تسمہ وغیرہ نہیں ملا تو انہوں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر اس کے دو ٹکڑے کئے، ایک ٹکڑے سے توشہ دان باندھا اور دوسرے ٹکڑے کو اپنی کمر پر لپیٹ لیا۔ دراصل نطاق کا ترجمہ کمر بند کے بجائے کمر پٹہ کرنا زیادہ موزوں ہے، اس زمانہ میں جب کہ عرب عورتوں میں پاجامہ و شلوار جیسی چیز کا زیادہ رواج نہیں تھا، وہ اپنے تہ بند کے اوپر کمر پٹہ استعمال کیا کرتی تھیں تا کہ کام کاج کرتے وقت تہ بند کے کھلنے کا امکان نہ رہے، بہر حال اس موقع پر حضرت اسماء نے جس بے ساختگی کے ساتھ اپنا کمر پٹہ کھول کر اس کے دو حصے کر کے گویا دو نطاق بنائے اس کی مناسبت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ذوالنطاقین کے لقب سے نوازا۔ اس اعتبار سے یہ لقب خود ان کے لئے تو فخر کا موجب تھا کہ

اپنی کوئی چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال وکام میں آجائے اس سے بڑی فضیلت اور کیا ہوسکتی ہے لیکن نادان حجاج ان کے اس لقب کو ان کی حقارت پر محمول کرتا تھا کہ ان کو ایک چیز کے ذریعہ ملقب کیا گیا جو عام طور پر گھروں کا کام کاج کرنے والی عورتوں اور باہر نکلنے والی خادماؤں کی علامت ہے۔

"ہاں، اللہ کی قسم میں دو کمر بند والی عورت ہوں" ذوالنطاقین کا لقب حجاج کے خیال فاسد کے برخلاف حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے لئے چونکہ تفاخر دارین کا موجب تھا اس لئے انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس لقب کو فخر کے ساتھ قبول وتسلیم کیا اور حجاج کے سامنے اس کا برملا اظہار واعتراف بھی کیا بلکہ اس کے بعد وہ وجہ بیان کی جس نے ان کو اس اعزاز تک پہنچایا۔ چنانچہ انہوں نے واضح کیا کہ میں نے اپنے ایک کمر بند کے جو دو کمر بند کر لئے تھے ان میں ایک کے ذریعہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کا کھانا دسترخوان میں لپیٹ کر کسی اونچی جگہ لٹکا دیتی تھی، تا کہ جانوروں یعنی چوہے اور چیونٹی وغیرہ سے محفوظ رہے اور دوسرا کمر بند اس کام کے لئے تھا جس سے کوئی عورت بے پرواہ نہیں ہوسکتی،" بے پرواہ نہیں ہوسکتی" کا ایک مطلب تو یہ ہوسکتا ہے کہ کسی بھی عورت کی تعریف وتحسین اسی صورت میں ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کا کام کاج پوری لگن اور پوری ذمہ داری کے ساتھ کرتی ہو، نطاق یعنی کمر بند یا کمر پٹہ کا اصل مقصد یہ ہوتا تھا کہ عورت اس اپنے تہبند پر باندھ لے تا کہ اس کو تہ بند کھل جانے کا خوف نہ ہو اور وہ اپنے گھر کا کام کاج پورے اطمینان سے کر سکے پس حضرت اسماء نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جو عورت اپنے گھر سے اور اپنے گھر کے کام کاج سے دلچسپی رکھتی ہو وہ نطاق سے بے نیاز نہیں ہوسکتی، دوسرا مطلب یہ ہے کہ عورتوں میں نطاق کا ایک استعمال اس مقصد کے لئے بھی ہوتا تھا کہ پیٹ بڑھنے نہ پائے۔ جیسا کہ ایک زمانے میں عورتوں میں اس کا رواج تھا کہ وہ اپنے پیٹ کی ہیت درست رکھنے کے لئے چمڑے کا کمر پٹہ استعمال کرتی تھیں بلکہ مالدار عورتیں تو سونے چاندی کے کام کا کمر پٹہ باندھتی تھیں، پس حضرت اسماء نے اس طرف اشارہ کیا کہ دوسرا انطاق میں اس مقصد کے لئے استعمال کرتی تھی اور یہ ایک ایسا مقصد تھا جس سے کوئی عورت بے پرواہ نہیں ہوسکتی تھی۔

" اوران کو کوئی جواب نہیں دیا" یہ بہادر خاتون حضرت اسماء کی جرأت و بے باکی اور حق گوئی کا اثر تھا کہ ظالم حجاج جیسا شخص ان کی باتیں سن کر خاموش ہوگیا اوران کا جواب دینے کی جرات نہ کرسکا، منقول ہے کہ حضرت اسماء اپنے بیٹے عبداللہ ابن زبیر کے سانحہ شہادت کے بیس دن بعد انتقال کر گئیں اس وقت ان کی عمر سو سال تھی اوران کا ایک بھی دانت نہیں ٹوٹا تھا۔

علامہ نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر نے حضرت عبداللہ ابن زبیر کی نعش کے سامنے کھڑے ہوکران کو جو سلام کیا اس سے معلوم ہوا کہ میت کو سلام کرنا اور ایک سے زائد مرتبہ کرنا مستحب ہے۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میت کے سامنے ان خوبیوں اور اصاف کو بیان کرنا جن کے ذریعہ وہ مشہور تھا جائز ہے۔اس حدیث سے حضرت عبداللہ ابن عمر کی بھی زبردست فضیلت وخصوصیت واضح ہوتی ہے کہ وہ حق بات کہنے سے باز نہ رہے باوجودیکہ وہ جانتے تھے کہ یہاں میں جو کچھ کہوں گا اس کا ایک ایک لفظ حجاج تک پہنچے گا۔

عبداللہ بن زبیر کے ناکامی کے اسباب

حصین بن نمیر کا مشورہ ماننے سے انکار

یزید کی موت کی خبر پاکر شامی فوج کے سربراہ حصین بن نمیر نے مکہ کا محاصرہ اٹھالیا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بیعت کی پیشکش کی لیکن ابن زبیر نے اس پیشکش کو مسترد کردیا۔اور شامیوں سے حجازیوں کے قتل کا انتقام لینے کا اعلان کرکے شامیوں میں اپنے خلاف شدید ردعمل پیدا کردیا۔اس وقت اگروہ حصین بن نمیر کی بات مان لیتے تو شام پران کا قبضہ ہوسکتا تھا اوران کی بزرگی اور زہد وتقویٰ کی بدولت عام مسلمان بھی ان کی خلافت کو تسلیم کرسکتے تھے لیکن ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے مخالفین کو طاقتور ہونے کا موقع دے دیا۔

مروان بن حکم کا مدینہ سے اخراج

یزید کی موت کے وقت مروان بن حکم مدینہ میں تھا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی

بیعت کرنے کو تیار تھا لیکن حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو بنو امیہ سے سخت نفرت تھی۔ انہوں نے اس سے بیعت لینے کی بجائے اسے مدینہ سے نکال دیا۔ اس نے دمشق میں پہنچ کر اقتدار پر قبضہ کر لیا اور اس کے بیٹے عبدالملک نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی حکومت کو ختم کر ڈالا۔

خوارج کی شورش

خوارج اپنے عجیب و غریب عقائد اور سرکش مزاج کی وجہ سے تمام حکومتوں کے خلاف برسر پیکار رہتے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بھی ایک نہایت نازک موقع پر ان کی شورش کو فرو کرنے کے لیے فوج بھیجنی پڑی۔ فیصلہ کن مراحل میں جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو فوجی قوت کی شدید ضرورت تھی، ان کی بہترین فوج مہلب بن ابی صفرہ کی قیادت میں خوارج کی شورش ختم کرنے میں مصروف تھی۔

توابین اور مختار ثقفی

عبداللہ بن زبیر کی قوت مختار ثقفی اور توابین کی شورشوں کو فرو کرنے میں زائل ہو گئی۔ ان تمام ہنگاموں کے بعد ابن زبیر کی قوت چونکہ کمزور پڑ چکی تھی اس لیے اموی انہیں آسانی سے شکست دینے میں کامیاب ہو گئے۔

عراقیوں کی غداری

عراقی متلون مزاجی اور وفاداریاں تبدیل کرنے میں بدنامی کی حد تک مشہور تھے۔ چنانچہ جب حجاج نے عراق پر فوج کشی کی تو مصعب کی فوج میں افسروں کی ایک کثیر تعداد انعام و اکرام اور عہدوں کے لالچ میں جنگ کے دوران حجاج سے جا ملی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی شکست کا باعث بنی۔

مصعب بن زبیر کی شہادت

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بھائی مصعب بن زبیر ایک اچھے منتظم اور بہادر انسان

تھے عراق پر عبدالملک کے حملہ کے وقت ان کی شہادت سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا

حجاج بن یوسف کی سفاکی

حجاج بن یوسف نہایت ظالم وسفاک تھا۔اس نے مکہ کے محاصرہ میں تمام اخلاقی ومذہبی حدود کو پامال کرتے ہوئے خانہ کعبہ پر پتھراؤ سے بھی گریز نہ کیا۔ اس کی حد سے بڑھی ہوئی سفاکی اور طویل محاصرہ مکہ سے اہل مکہ کے حوصلے جواب دے گئے اور وہ ابن زبیر کا ساتھ چھوڑنے لگے اور تنہا لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

امیر المومنین عمر الفاروق رضی اللہ عنہ، امیر المومنین عثمان وامیر المومنین علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے مسلمانوں کے چوتھے امیر تھے جو شہید کیے گئے۔

آپ رضی اللہ عنہ جب اپنی والدہ رضی اللہ عنہا سے مل کر واپس آئے تو اپنے مخلصین ساتھیوں کو جمع کیا

قَالُوا وَكَانَ يَخْرُجُ مِنْ بَابِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَهُنَاكَ خَمْسُمِائَةِ فَارِسٍ وَرَاجِلٍ فَيَحْمِلُ عَلَيْهِمْ فَيَتَفَرَّقُونَ

مورخین کہتے ہیں کہ آپ مسجد الحرام کے باب سے باہر نکلے اور باہر پانچ سو سوار وہ پیادہ شامی لشکر تھا آپ جب ان پر حملہ کرتے تھے سب کے سب بھاگ کھڑے ہوتے تھے

پھر آپ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے اس قدر زوردار حملہ کیا کہ شامی لشکر حرم کے حدود سے منتشر ہو گیا پھر آپ آگے بڑھے۔مورخین بیان کرتے ہیں کہ حرم کے

سارے دروازوں پر اہل شام نے محاصرہ کیا ہوا تھا آپ اور آپ کے ساتھی ان پر حملہ آور ہوتے اور انہیں پیچھے ہٹا دیتے یہاں تک آپ کے اصحاب بہت کم رہ گئے ۔آپ رضہ ہر دروازے پر ان کا مقابلہ کرتے آپ پر منجنیق سے پتھر برسائے جارہے تھے لیکن آپ برابر ان حملہ کرتے جارہے یہاں تک کہ اہل شام بطح تک پیچھے ہٹ گئے آپ کی عمر مبارک ستر سال تھی بھی کوئی آپ سے مقابلہ کی ہمت نہ کر پاتا آپ کی شجاعت کا اقرار اہل شام بھی کرنے لگے بس 17 جمادی الاول کو آپ رضہ نے ساری رات جاگ کر عبادت میں گزاری اور جب صبح ہوئی تو آپ نے نماز فجر ادا کی اور شامیوں نے پھر سے لڑائی چھیڑ دی آپ رضہ سے لڑنے لگے آپ کی شجاعت سے بجھ کر رہ گئے بس پھر انہوں نے آپ کا مقابلہ کرنے کے بجائے اینٹ اور پتھر آپ پر پھنکنا شروع کر دئے جس سے آپ رضہ سخت زخمی ہو گئے اور ایک بھاری پتھر آپ رضہ کے سر پر آ لگا اس سے بے ساختہ ہو کر گر پڑے اور شامیوں نے آپ کو شہید کر دیا ۔انا للہ وانا الیہ راجعون اور عبد الما لک کے حکم سے اپ کا سر مبارک شام بھیجا گیا اور آپ رضہ کی نعش مبارک کو سولی پر لٹکا دیا گیا اہل شام تکبیر کے نعرے بلند کرنے لگے کہ یہ شور سن کر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آئے اور معلوم کیا کہ کیا بات ہے لوگون نے کہا اہل شام نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا ہے اور خوشی میں تکبیریں کہ رہے ہیں

اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

أَمَا وَاللهِ لَلَّذِينَ كَبَّرُوا عِنْدَ مَوْلِدِهٖ خَيْرٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كبروا عند قتله۔

تو فرمایا کہ اللہ کی قسم ان کے پیدا ہونے پر تکبیریں کہنے والے ان کے قتل ہونے تکبیریں کہنے والوں سے زیادہ افضل تھے۔

پھر آپ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی لٹکی ہوئی نعش پر گئے اور فرمایا

فَقَالَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ يَا أَبَا خُبَيْبٍ، أَمَا وَاللهِ لَقَدْ كُنْتَ صَوَّامًا قَوَّامًا، ثُمَّ

قَالَ أَمَا آنَ لِهٰذَا الرَّاكِبِ أَنْ يَنْزِلَ ... فَبَعَثَ الْحَجَّاجُ فَأُنْزِلَ عَنِ الْجِذْعِ وَدُفِنَ هُنَاكَ (البدایہ النہایہ)

اے اباخبیب اللہ تعالی آپ پر رحمتیں ہوں اللہ قسم آپ قیام وصیام والے تھے پھر کہا کیا اس سوار کے اترنے کا وقت نہیں ایا؟ پھر آپ حجاج نے اپ کو کھلا بھیجا تو آپ نے ان کی نعش اتروا کر دن کر دی۔

واقعہ حرہ

یزید نے اہل مدینہ کو بیعت پر مجبور کرنے کے لیے مسلم بن عقبہ کو دس ہزار فوجیوں کے ساتھ حجاز روانہ کیا۔ اہل مدینہ نے شامی افواج کا بڑی پامردی سے مقابلہ کیا مگر تین دن کی جنگ کے بعد شکست کھائی۔ شامی افواج میں اکثریت عیسائی فوجیوں کی تھی جنھوں نے مسلمانوں کی عزت وآبرو پر بڑے بے دردی سے ہاتھ ڈالا اور ان کے مال اسباب کو جی بھر کر لوٹا۔ اس تباہی سے جو لوگ زندہ بچ گئے انھوں نے بیعت کر لی۔ تاریخ اسلام میں اس شرمناک واقعہ کو سانحہ حرہ اور واقعہ حرہ کا نام دیا جاتا ہے۔

یزید کی موت

مدینہ کو تاخت وتاراج کرنے کے بعد یزید کی افواج مکہ کی طرف بڑھیں۔ مسلم بن عقبہ دوران سفر ہی میں مر گیا۔ لہذا حصین بن نمیر کو سربراہ مقرر کر دیا گیا۔ ابن نمیر نے مکہ کا محاصرہ کر لیا جو 64 دن جاری رہا اس دوران جب یزید کی موت کی خبر پہنچی تو محاصرہ اٹھالیا گیا۔ اس وقت ابن زبیر ہی مسلمانوں میں سب سے معروف اور موثر شخصیت کے حامل تھے لہذا ابن نمیر نے آپ کو خلافت کی پیش کش کی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما اگرچہ ایک دلیر اور بہادر انسان تھے مگر انہوں نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا اور کہا کہ:

''جب تک ایک ایک حجازی کے بدلے دس دس شامیوں کو قتل نہ کرلوں گا تب تک کچھ نہیں ہوسکتا۔''

یہ جواب سن کر حصین نے کہا:''جو شخص آپ کو عرب کا مدبر کہتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ میں آپ کو راز کی بات کہتا ہوں اور آپ چلا کر اس کا جواب دیتے ہیں۔ خلافت دلانا چاہتا ہوں اور آپ جنگ وخونریزی پر آمادہ ہیں۔''

ابن نمیر مایوس ہو کر شام واپس لوٹ گیا۔ یہ آپ کی ایک سیاسی غلطی تھی اگر آپ جذبات کی بجائے دور اندیشی سے کام لیتے تو حجاز کے علاوہ شام اور عراق بھی فوری طور پر آپ کی خلافت کو تسلیم کر لیتے اور اس طرح اموی خلافت حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ جاتی۔

عراق اور مصر کی اطاعت

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی شخصیت اس وقت تمام عالم اسلام میں نمایاں اور محترم تھی۔ کوئی شخص بھی ان کے مدمقابل دعویٰ خلافت کرنے کی اہلیت اور حوصلہ نہ رکھتا تھا۔ چنانچہ ان کے داعیوں اور ساتھیوں نے عراق مصر وشام کا رخ کیا۔ سوائے شام کے باقی سب ملکوں کے حکمرانوں اور عمائدین حکومت نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اپنی وفاداریاں سونپ دیں۔ عوام نے بھی ان کی قیادت کو تسلیم کرلیا۔ اس طرح آپ کی خلافت کی حدود حجاز کے علاوہ عراق اور مصر تک وسیع ہوگئیں۔

معرکہ مرج راہط کے اثرات

عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے مروان کو شام دھکیل کر زبردست سیاسی غلطی کا ارتکاب کیا۔ چنانچہ مدینہ منورہ سے جب مروان بن حکم شام پہنچا تو تمام اموی اس کے گرد جمع ہوگئے۔ اور اکثر امویوں نے اس کے وجود کو غنیمت جانا اور باہمی مشورہ اور رائے کے بعد دوسرے دو

خلافت کے دعویداروں کی بجائے، مروان بن حکم کو ہی 683ء میں اپنا خلیفہ چن کر اس کی بیعت کر لی۔ قبیلہ بنو قیس نے امویوں کے اس فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ مروان اور حامیان عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما (بنو قیس) کے درمیان معرکہ مرج راہط پیش آیا جس میں بنو قیس کو شکست ہوئی اور اس طرح عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی قوت کو پہلی کاری ضرب لگی۔

توابین اور مختار ثقفی کی بغاوت

یزید کی موت کے بعد عراقیوں نے بھی عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کو تسلیم کر لیا تھا کیونکہ بصرہ پر ان کے بھائی مصعب ابن زبیر کا قبضہ تھا۔ اور کوفہ ان کے مقرر کردہ والی عبداللہ ابن یزید کے ماتحت تھا۔ عراق ہمیشہ کی طرح شورشوں اور سازشوں کا مرکز تھا۔ افراتفری کے اس عالم میں کئی ایک گروہ اور اشخاص اس کشمکش سے فائدہ اٹھا کر اپنے لیے راہ ہموار کر رہے تھے۔ ان میں توابین کا گروہ سرفہرست تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی مگر خوف کی بنا پر ان کی کوئی مدد نہ کی۔ انھوں نے اپنے گناہوں کے کفارہ کے لیے یہ عہد کیا کہ خون حسین رضی اللہ عنہ کا بدلہ لیں گے۔ چنانچہ اس وجہ سے توابین کہلائے۔ توابین کے رہنما سلیمان بن صرو نے عراق میں علم بغاوت بلند کیا لیکن شکست کھا کر شہید ہوئے۔ مختار ثقفی نے جو نہایت ہی زیرک مگر عیار انسان تھا حالات سے خوب فائدہ اٹھایا۔ توابین نے اب اسے اپنا رہنما بنا کر کوفہ پر حملہ کر دیا۔ کوفہ کا حاکم عبداللہ بن مطیع جو عبداللہ بن زبیر کا ہمنوا تھا قتل کر دیا گیا۔ مختار ثقفی نے کوفہ پر قبضہ کے بعد قاتلین حسین کو چن چن کر قتل کیا۔ اس نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ عام عرب آبادی کو بھی نشانہ ستم بنانا شروع کر دیا۔ عرب اکابرین نے مصعب ابن زبیر سے شکایت کی چنانچہ مصعب نے اپنے نامور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ کو مختار ثقفی کی سرکوبی کے لیے مقرر کیا۔ پہلی جھڑپ میں ہی کوفیوں نے شکست کھائی اور ان کی فوج کا کثیر حصہ تباہ ہو گیا۔ مختار ثقفی نے اب محصور ہو کر لڑنے کو ترجیح دی

۔ یہ محاصرہ تقریباً چار ماہ قائم رہا لیکن بالآخر مختار قتل ہو گیا۔ مختار کے قتل کے بعد عراق عبداللہ ابن زبیر کی عملداری میں آ گیا۔

خارجیوں کے خلاف اقدامات

مختار کی سرکشی کے خاتمہ کے بعد عبداللہ ابن زبیر نے اب اپنے دوسرے طاقتور حریف کی طرف توجہ دی۔ اگرچہ یزید کے مقابلہ میں انھوں نے ابن زبیر کا ساتھ دیا لیکن اپنے انتہا پسندانہ نظریات کی بنا پر کسی کے ساتھ بھی زیادہ عرصہ چل نہ سکتے تھے۔ چنانچہ خوارج کے سردار نافع بن ارزق نے عراق میں بڑی سخت بدامنی اور شورش برپا کی۔ عبداللہ بن حارث والئ بصرہ کے ساتھ مقابلہ میں نافع مارا گیا لیکن خوارج کی مزاحمت میں کوئی کمی نہ آئی۔ لہٰذا ابن زبیر نے مہلب بن ابی صفرہ کو خارجیوں کا قلع قمع کے لیے روانہ کیا۔ جس نے بڑے خونریز معرکوں کے بعد ان کی طاقت کو کچل دیا۔

عراق پر عبدالملک کا قبضہ

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی سیاسی غلطیوں کی بناء پر حالات آہستہ آہستہ امویوں کے لیے سازگار ہو رہے تھے۔ عبدالملک بن مروان کسی صورت بھی یہ برداشت نہ کر سکتا تھا کہ عراق پر ابن زبیر کا قبضہ بدستور بحال رہے۔ لہٰذا اس نے ایک زبردست لشکر کے ساتھ عراق پر حملہ کر دیا۔ مصعب بن زبیر جو ایک بہادر اور نڈر سپاہی تھے بڑی جانبازی اور شجاعت سے لڑے مگر عراقیوں نے پھر بے وفائی کی اور ان کے بڑے بڑے سردار عبدالملک سے مل گئے۔ ان سے اگرچہ مصعب کی قوت کمزور ہو گئی مگر انھوں نے مقابلہ جاری رکھا۔ ابراہیم بن مالک جو اس جنگ میں مصعب کے دست راست تھے کام آئے۔ اس کے بعد مصعب خود بھی لڑتے ہوئے مارے گئے۔ مصعب کی افواج کو شکست ہوئی اور وہ میدان سے فرار اختیار کر گئیں۔ اب عراق عبدالملک کے قبضہ میں تھا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے کچھ گورنر

عبداللہ بن یزید الخطمی ،نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ (قتل ہونے تک آپ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے حمص کے گورنر بعد میں مروان نے حملہ کر کہ اپ کو قتل کر دیا۔عبدالرحمن بن جحدم (مصر) زفر بن حارث (قنسرین) عبداللہ بن مطیع (کوفہ) مہلب بن ابی صفرہ (خراسان) مصعب بن زبیر (بصرہ) ضحاک بن قیس (شام۔ضحاک نے شام میں آپ کی بیعت لے لی تھی بعد میں مروان کے ساتھ اردن میں جنگ کی اور قتل ہوئے) اور نائل بن قیس (فلسطین مروان کے قبضہ سے پہلے)

آپ کے قاضیوں میں عبداللہ بن عتبہ، ہشام بن ہبیرہ اور شریح بن حارث مشہور ہیں۔

آپ کے فضائل

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایات بکثرت آتی ہیں کہ آپ کی عبادت بہت ہی تاثیر والی ہوتی تھی اور آپ استقامت کے ساتھ قیام فرماتے تھے اور بہت زیادہ نماز پڑھتے تھے اور روایات میں آتا ہے کہ آپ رکوع مین سورہ بقرہ، آلعمران ،نساء اور مائدہ پڑ لیتے تھے اور ہلتے تک نہ تھے شامیوں کی سنگ باری کے دوراں اپ حرم مین نماز ادا کر رہے تھے تو ایک پتھر اکر آپ کو لگا لیکن اپ اسی حالت مین نماز پڑھتے رہے اور حرکت تک نہ کی اور سخی بھی تھے۔

آپ کے فضائل مین یہ بھی ہے کہ آپ رضہ کے پیدا ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے خوشی منائی تھی اور یہود کے مقابلے میں تکبیریں کہیں تھیں اور آپ کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھا تھا۔

آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت بھی کی تھی

جب سات آٹھ سال کے ہوئے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

خدمت میں حاضر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو دیکھ کر مسکرائے اور اس چھوٹے مسلمان سے بیعت لی ،اس طرح ان کو بہت صغر سنی میں بیعت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شرف حاصل ہو گیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی اپنے خاندان اور اپنی قرابتوں کے لحاظ سے متعدد شرفوں کی حامل تھی آپ کے والد ماجد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حواری اور عشرہ مبشرہ میں تھے، ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا صدیقہ آپ کی پھوپھی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کی دادی تھیں، اس رشتہ سے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھانجے ہونے کا فخر حاصل ہے، یہ دادھیالی افتخار ہیں، ننھیالی رشتوں کے لحاظ سے بھی آپ کو متعدد فضائل حاصل تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے نانا تھے آپ کی والدہ اسماءؓ، کو بارگاہ نبوت سے ذات النطاقین کا محبت آمیز لقب ملا تھا غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب ترین حرم محترم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی خالہ تھیں، غرض دادیال اور ننھیال جس افق پر نظر جاتی ہے آسمان فضائل کے مہر و ماہ نظر آتے ہیں۔

عموماً جو اشخاص مستقبل میں بڑے ہونے والے ہوتے ہیں، ان کے بچپن ہی کے واقعات ان کے روشن اور پر عظمت مستقبل کا پتہ دیتے ہیں، اگر دنیا کے اکابر رجال کے ابتدائی حالات کا پتہ چلایا جائے تو ان کی صغر سنی ہی کے واقعات سے ان کی آئندہ عظمت کا پتہ چل جائے گا۔

چونکہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو آگے چل کر اکابر رجال کی فہرست میں داخل ہونا تھا اور تاریخ اسلام میں عزم و حوصلہ اور تہور و شجاعت کی داستانیں چھوڑنی تھیں اس لئے بچپن ہی سے وہ نہایت جری ، بیباک ، باحوصلہ تھے، بچوں میں عموماً خوف و ہراس غالب ہوتا ہے اور وہ معمولی معمولی باتوں سے ڈر جاتے ہیں، لیکن عبداللہ اس عمر میں بھی بڑے نڈر تھے، اسی زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ ایک شخص نے چیخ مار کر بچوں

کو بھگا دیا، لیکن عبداللہ رضی اللہ عنہ فوراً سنبھل کر لوٹ پڑے اور لڑکوں سے کہا تم لوگ ہمیں اپنا سردار بنا کر اس شخص پر حملہ کردو؛ چنانچہ اسی وقت ایک چھوٹی سی فوج مرتب کر کے اس شخص پر حملہ کردیا۔

بچپن میں جب بیعت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر کئے گئے تو ان کے دو اور ہم سن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے لڑکے عبداللہ اور ابو سلمہ کے لڑکے عمر بھی بیعت کے لئے پیش کئے تھے، یہ دونوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر جھجکے لیکن عبدالل رضی اللہ عنہ بڑی دلیری سے آگے بڑھ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی تیزی دیکھ کر مسکرا دیئے اور فرمایا اپنے باپ کا بیٹا ہے۔(البدایہ والنہایہ: ۸/ ۳۳۳)

عہد رسالت اور عہد صدیقی میں ابن زبیر رضی اللہ عنہما کم سن تھے، اس لئے ان دونوں زمانوں کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے البتہ ایک روایت سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ خندق میں وہ ایک اونچے ٹیلے پر سے غزوۂ خندق کا تماشا دیکھتے تھے اس وقت ان کی عمر کل چار پانچ سال کی تھی اس روایت سے بھی ان کی فطری جرات وبہادری کا پتہ چلتا ہے ورنہ کم سن بچہ ایسے ہولناک مناظر کے تخیل سے سہم جاتا ہے، لیکن ابن زبیرؓ نے اسے دیکھا اور محفوظ رکھا۔(مستدرک حاکم: ۳/ ۵۵۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانہ میں بھی بچپن ہی تھا، البتہ آخری عہد میں نوجوانی کا آغاز ہوگیا تھا؛ چنانچہ ۲۲ھ میں جبکہ ان کی عمر ۲۱ سال کی تھی، سب سے اول یرموک کی جنگ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ شریک ہوئے،(اصابہ: ۴/ ۷۱) اور یہ غالباً ان کے میدان جہاد میں قدم رکھنے کا پہلا موقع تھا، اس شرکت نے ان کی فطری صلاحیت کو ابھار دیا اور میدان جنگ ایسا بھایا کہ پھر مرتے دم تک تلوار ہاتھ سے نہ چھوٹی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور تک مسلمانوں کا شیرازہ بندھا ہوا تھا اور ان کی

تمام قوتیں غیر مسلمانوں کے مقابلہ میں صرف ہوتی تھیں اس لئے جدھر رخ کردیتے تھے فتح ونصرت ان کے قدم لیتی تھی، لیکن چند ہی برسوں میں دفعتہ حالات بدل گئے اور مسلمانوں میں ایسا تفرقہ پیدا ہوا کہ پھران کی شیرازہ بندی نہ ہوسکی، ابتدا میں چند اشخاص کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کچھ شکایتیں تھیں، فتنہ پردازوں نے اسے آڑ بنا کر حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسی آگ لگائی کہ مسلمانوں کی پینتیس سالہ مساعی جل کر خاکستر ہوگئی اور ۳۵ ھ میں شورش پسندوں کی جسارت یہاں تک بڑھ گئی کہ خلیفۃ المسلمین کو قصر خلافت میں گھیرلیا، ایسے نازک وقت میں خلیفہ مظلوم کی حفاظت کے لئے جو سرفروش نکلے تھے ان میں ایک ابن زبیرؓ بھی تھے۔(تاریخ الخلفا سیوطی:۱۵۹)

وَقَالَ الزُّبَيْرُ بْنُ بَكَّارٍ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ صَالِحٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّمَ فِي غِلْمَةٍ تَرَعْرَعُوا مِنْهُمْ عَبْدُ اللهِ ابن جَعْفَرٍ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ، وَعُمَرُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ، فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ لَوْ بَايَعْتَهُمْ فَتُصِيبَهُمْ بَرَكَتُكَ وَيَكُونُ لَهُمْ ذِكْرٌ، فَأُتِيَ بِهِمْ إِلَيْهِ فَكَأَنَّهُمْ تَكَعْكَعُوا وَاقْتَحَمَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ »إِنَّهُ ابْنُ أَبِيهِ وَبَايَعَهُ

زبیر بن بکار نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کے بارے میں بات کی جن میں عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن زبیر اور عمر بن ابی سلمہ شامل تھے اور آپ سے کہا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ ان سے بیعت لیں گے تو ان کے لئے باعث برکت وشہرت ہوگی بس پھر انکو لایا گیا یہ دونوں رسول اللہ کو دیکھ جھکے لیکن عبداللہ بن زبیر رضہ بڑی دلیری سے داخل

ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرایا اور کہا کہ یہ اپنے باپ کا بیٹا ہے
(مطلب زبیر رضہ کی طرح شجاعت ہوگا واللہ عالم)

آپ کی آواز و تقریر کا انداز مثل صدیق اکبر تھا اس پر آپ کے والد زبیر رضی اللہ عنہ کی گواہی۔

ابن کثیر البدایہ مین لکھتے ہیں کہ جب افریقہ فتح ہوا اس میں آپ نے بے پناہ شجاعت کا مظاہرہ کیا تو عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ امیر مصر نے آپ ہی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس خوشخبری کے بھیجا جب آپ نے آکر امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کو سب کچھ بتایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ سے فرائش کی کہ منبر پر چڑھ کر یہ سب کچھ لوگوں کو بتائیں۔آپ خود ہی اس کو روایت کرتے ہیں۔۔۔

قال له عثمان: إن استطعت أَنْ تُؤَدِّيَ هٰذَا لِلنَّاسِ فَوْقَ الْمِنْبَرِ، قَالَ: نَعَمْ! فَصَعِدَ ابْنُ الزُّبَيْرِ فَوْقَ الْمِنْبَرِ فَخَطَبَ النَّاسَ وَذَكَرَ لَهُمْ كَيْفِيَّةَ مَا جَرَى، قَالَ عَبْدُ اللهِ: فَالْتَفَتُّ فَإِذَا أَبِي الزُّبَيْرُ فِي جُمْلَةِ مَنْ حَضَرَ، فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ كَادَ أَنْ يُرْتَجَ عَلَيَّ فِي الْكَلَامِ مِنْ هَيْبَتِهِ فِي قلبي، فرمزني بعينه وأشار إلى ليحصني، فَمَضَيْتُ فِي الْخُطْبَةِ كَمَا كُنْتُ، فَلَمَّا نَزَلْتُ قَالَ: وَاللهِ لَكَأَنِّي أَسْمَعُ خُطْبَةَ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ حِينَ سَمِعْتُ خُطْبَتَكَ يَا بُنَيَّ.

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے سے کہا کہ یہ بات لوگوں کو منبر پر چڑھ کر بتاو میں نے کہا ٹھیک ہے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما منبر پر چڑھ کر خطاب کیا اور اس وقت کی کیفیت بیان کی کہتے ہیں کہ میں متوجہ ہوا تو دیکھا کہ لوگوں میں میرے والد زبیر رضی اللہ عنہ بھی موجود ہیں جب میں نے آپ کے چہرہ کو دیکھا تو قریب تھا کہ میں ان کی ہیبت سے جو بات میرے دل میں تھی اور تقریر بند ہوجاتی تو پھر آپ رضہ (زبیر رضی اللہ عنہ)

نے مجھے اشارہ کیا اور اپنے سے بچنے کا کہا تو میں رواں ہو گیا جسے میں پہلے رواں تھا جب میں منبر سے اترا تو آپ نے مجھے کہا اے میرے بیٹے جب میں تمہاری تقریر سنی تو اللہ کی قسم مجھے یوں معلوم ہوا کہ ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی تقریر سن رہا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے محبت

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا آپ سے بے پناہ محبت کرتی تھیں اور آپ نے اپنی کنیت آپ ہی کے نام پر ام عبداللہ رکھی تھی گویا کہ یہ آپ کو بخش دیئے گئے تھے اور تقریباً ہر وقت آپ ام المومنین کے گھر ہی رہتے تھے اسی گھر میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پی لیا تھا جس آپ علیہ السلام نے ان پر جھنم کو حرام قرار دیا تھا۔ جنگ جمل میں آپ نے اشتر سے شدید لڑائی کی تھی اور آپ بہت زیادہ زخمی ہو گئے تھے ام المومنین نے آپ کے بارے مین جاننے کے لئے آدمی بھیجے تو واپس آ کر اپ کو کہا کہ زندہ ہیں تو سر بسجود خدا ہو گئیں۔

ابن کثیر لکھتے ہیں

وَقَدْ أَعْطَتْ عَائِشَةُ لِمَنْ بَشَّرَهَا أَنَّهُ لَمْ يُقْتَلْ عَشَرَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ وَسَجَدَتْ لله شكرا، وكانت تُحِبُّهُ حُبًّا شَدِيدًا، لِأَنَّهُ ابْنُ أُخْتِهَا، وَكَانَ عزيزا عليها، وقد روى عن عروة أن عائشة لم تكن تُحِبُّ أَحَدًا بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وأبي بكر مثل حبها ابن الزبير، قال وَمَا رَأَيْتُ أَبِي وَعَائِشَةَ يَدْعُوَانِ لِأَحَدٍ مِنَ الْخَلْقِ مِثْلَ دُعَائِهِمَا لِابْنِ الزُّبَيْرِ

اور جس شخص نے ام المومنین کو اطلاح دی کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما زندہ ہیں تو ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے دس ہزار درہم عطا کئے اور اللہ کے حضور شکرانہ کا

سجدہ کیا آپ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بہت پیار کرتی تھیں یہ آپ کی بہن کے بیٹے تھے اور آپ کو بہت عزیز تھے عروہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے سب سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں اور میں عائشہ رضی اللہ عنہا کو مخلوق میں سے کسی کے لئے بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی مانند دعا کرتے نہیں دیکھا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما وابن زبیر رضی اللہ عنہما

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آپ کو خلافت کے معاملے میں پڑنے سے روکتے تھے اور جب آپ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور آپ کی نعش مبارک سولی پر لٹکائی گئی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روزانہ آپ کی نعش پر آتے اور آپ کو سلام کرتے تھے اس وجہ سے حجاج کو شرم آئی اور آپ کو دفنایا گیا۔ آپ کی شہادت پر شامیوں کو خوشی کے نعرے لگاتے سنا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بے ساختہ یہ الفاظ بولے جن کو ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی صحیح تعریف ومنقبت کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا

أَمَا وَاللهِ لَلَّذِينَ كَبَّرُوا عِنْدَ مَوْلِدِهِ خَيْرٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كبروا عند قتله،

اللہ کی قسم ان کے پیدا ہونے پر تکبیریں کہنے والے ان کے قتل ہونے تکبیریں کہنے والوں سے بہت زیادہ افضل تھے۔

پھر آپ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی لٹکی ہوئی نعش پر گئے اور فرمایا

فَقَالَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ يَا أَبَا خُبَيْبٍ، أَمَا وَاللهِ لَقَدْ كُنْتَ صَوَّامًا قَوَّامًا، ثُمَّ قَالَ أَمَا آنَ لِهٰذَا الرَّاكِبِ أَنْ يَنْزِلَ، فَبَعَثَ الْحَجَّاجُ فَأُنْزِلَ عَنِ الْجِذْعِ وَدُفِنَ هُنَاكَ

اے اباخبیب اللہ تعالی آپ پر رحمتیں ہوں اللہ قسم آپ قیام وصیام والے تھے
پھر کہا کیا اس سوار کے اترنے کا وقت نہیں ایا؟ پھر آپ حجاج نے اپ کو کھلا بھیجا
تو آپ نے ان کی نعش اتروا کر دن کر دی۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہما و ابن عباس رضی اللہ عنہما.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ کی بیعت سے رکے رہے تو لوگوں نے خیال کیا کہ شاید وہ آپ کی رہن سہن کو پسند نہیں کرتے اور آپ کے مخالف ہیں اس لئے آکر عباس رضہ سے آپ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا

ابن کثیر لکھتے ہیں

وَقَالَ أَبُو الْقَاسِمِ الْبَغَوِيُّ سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ فَقَالَ كَانَ قَارِئًا لِكِتَابِ اللهِ، مُتَّبِعًا لِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ، قَانِتًا لله صَائِمًا فِي الْهَوَاجِرِ مِنْ مَخَافَةِ اللهِ، ابْنُ حَوَارِيِّ رَسُولِ اللهِ، وَأُمُّهُ بِنْتُ الصِّدِّيقِ، وَخَالَتُهُ عَائِشَةُ حَبِيبَةُ حَبِيبِ اللهِ، زَوْجَةُ رَسُولِ اللهِ، فَلَا يَجْهَلُ حَقَّهُ إِلَّا مَنْ أَعْمَاهُ اللهُ

ابو القاسم البغوی سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ابن عباس رضہ سے آپکے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے کہا ابن زبیر کتاب اللہ کے قاری اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع اللہ کے فرمانبردار اور خوف الاہی سے دوپھروں کو روزہ رکھنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری کے بیٹے تھے اور آپ کی ماں صدیق اکبر کی بیٹی اور آپ کی خالہ عائشہ تھیں جو رسول الہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب بیوی تھیں آپ کے حق سے وہی شخص ناواقف ہوسکتا ہے جس کو خدا نے اندھا کیا ہو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے آپ رضی اللہ عنہما کے عبادت کا زکر کیا گیا تو آپ نے جستجو کی کہ

مجھے ان کے بارے میں بتاو آپ نے ابن ابی ملیکہ سے کہاان کو اوصاف بیان کرو تو انہوں بیان کئے

ابن کثیر اپنی تاریخ میں حمیدی وسفیان بن عیینیہ کی روایت درج کر کہ لکھتے ہیں

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ يَوْمًا لِابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ صِفْ لَنَا عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ، فَقَالَ وَاللهِ مَا رَأَيْتُ جِلْدًا قَطُّ رُكِّبَ عَلَى لَحْمٍ وَلَا لَحْمًا عَلَى عَصَبٍ وَلَا عَصَبًا عَلَى عَظْمٍ مِثْلَهُ، وَلَا رَأَيْتُ نَفْسًا رُكِّبَتْ بَيْنَ جَنْبَيْنِ مِثْلَ نَفْسِهِ، وَلَقَدْ مَرَّتْ آجُرَّةٌ مِنْ رَمْيِ الْمَنْجَنِيقِ بين لحيته وصدره فوالله ما خشع وَلَا قَطَعَ لَهَا قِرَاءَتَهُ، وَلَا رَكَعَ دُونَ مَا كَانَ يَرْكَعُ، وَكَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ خَرَجَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَيْهَا وَلَقَدْ كان يركع فيكاد الرخم أن يقع عَلَى ظَهْرِهِ وَيَسْجُدُ فَكَأَنَّهُ ثَوْبٌ مَطْرُوحٌ

ایک دن عمر بن عبدالعزیز نے ابن ابی ملیکہ سے کہا کہ ابن زبیر رضہ کے اوصاف ہمارے سامنے بیان کرو تو انہوں نے کہا اللہ کی قسم میں کبھی بھی ایسا بھادر گوشت پر سوار نہیں دیکھا نہ گوشت پٹھوں پر نہ پٹھے ہڈیوں پر دیکھے ہیں اور نہ میں نے کسی جان کو آپ کی جان کے مثل دونوں پھلوں پر سوار دیکھا ہے اور منجنیق کی ایک اینٹ آپ کے داڑھی اور سینے کے عین درمیان سے گزری اللہ کی قسم نہ آپ کی اواز کم ہوئی اور نہ ہی آپ نے قرآت کو قطع کیا اور نہ اس سے کم قرآت پر جس پر آپ رکوع کرتے تھے رکوع کیا اور جب نماز میں داخل ہوتے تو ہر بات سے باہر نکل کر اس کی طرف آتے اور آپ رکوع کیا کرتے تو قریب تھا کہ گدہ آپ کی پیٹھ پر بیٹھ جاتا اور سجدہ کرتے تو یوں معلوم ہوتا کہ گرہ ہوا کپڑا ہے۔

حضرت عثمان ابن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ تین چیزوں میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

(1) شجاعت میں (2) عبادت میں (3) بلاغت میں ۔(ابن کثیر)

پھر ابن کثیر خود لکھتے ہیں

كَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ لَا يُنَازَعُ فِي ثَلَاثٍ، فِي الْعِبَادَةِ وَالشَّجَاعَةِ وَالْفَصَاحَةِ وَقَدْ ثَبَتَ أَنَّ عُثْمَانَ جَعَلَهُ فِي النَّفَرِ الَّذِينَ نَسَخُوا الْمَصَاحِفَ مَعَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَسَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ وَذَكَرَهُ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ فِي خُطَبَاءِ الْإِسْلَامِ مَعَ مُعَاوِيَةَ وَابْنِهِ وَسَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ وَابْنِهِ

ابن کثیر کہتے ہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ عبادت، شجاعت و فصاحت کے متعلق جھگڑا نہیں کیا جاسکتا اور یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو ان لوگوں میں شامل کیا ہے جنہوں نے حضرت زید بن ثابت اور سعید بن العاص اور عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کے ساتھ مصاحف لکھے تھے اور سعید بن مسیب نے آپ کو حضرت معاویہ اور ان کے بیٹے اور سعید بن العاص اور بن کے بیٹے کے ساتھ خطباء اسلام میں شامل کیا۔

(مسلم، تاریخ طبری، و تاریخ ابن کثیر)

شخصیت و کردار

قبیلہ قریش کا یہ قابل فرزند عبداللہ بن زبیر جو تقریباً نو سال تک اموی اقتدار کے خلاف نبرد آزما رہا 2 ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوا۔ وہ حسب و نسب ۔عزت و وقار۔ بہادری اور شجاعت میں کسی سے کم نہ تھے۔ صغیر سنی ہی میں کئی مہمات میں شامل ہو کر اپنی عملی زندگی کا آغاز کر چکے تھے۔ صرف چودہ برس کی عمر میں اپنے باپ کے ساتھ جنگ یرموک میں

موجود تھے۔ تین برس بعد عمرو بن العاص فاتح مصر کے لشکر میں تھے۔ آپ نے اپنے باپ کے ساتھ کئی ایک مہمات میں شرکت کی۔ افریقہ کی فتوحات کے ضمن میں بھی آپ نے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ شہادت عثمان کے وقت آپ ان کے زبردست ہمنواؤں میں سے تھے اور جنگ جمل میں اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کمان میں بہادری اور شجاعت کے بے مثال جوہر دکھائے۔ حق کی راہ میں آپ ایک نڈر اور بے باک سپاہی تھے

آپ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت تک خلافت کے حصول کی کبھی تمنا نہ کی تھی۔ یزید کی نامزدگی کے آپ شدید مخالف تھے۔ آپ کا شمار چونکہ اکابرین عرب میں ہوتا تھا اس لیے یزید کی موت کے بعد عوام اور خواص نے آپ کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔ نو سال کے مختصر عرصے میں چونکہ آپ کا اکثر وقت جنگ و جدل اور بغاوتوں کے فرو کرنے میں گزرا اس لیے آپ نظام حکومت کی طرف کماحقہ توجہ نہ دے سکے۔ لیکن پھر بھی رفاہ عامہ کے کاموں سے بے اعتنائی نہ کی۔ کعبہ کی تعمیر کا کام بھی آپ ہی نے شروع کیا تھا۔ آپ کا زہد و تقویٰ مثالی تھا۔ عوام و خواص میں آپ اپنے بلند اخلاق اور زہد تقویٰ شہادت کی بناء پر مقبول تھے۔ علم و ادب سے بھی خدا نے بہرہ ور رکھا تھا۔ چنانچہ آپ ایک اعلیٰ درجہ کے شاعر بھی تھے۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت جذبہ جہاد، بہادری اور شجاعت تھی۔ وہ ایک نڈر سپاہی تھے۔ آپ کی شہادت کے ساتھ مملکت اسلامیہ سے ایک ایسی شخصیت اٹھ گئی جو سنت نبوی کی علم بردار اور خلفائے راشدین کے دور کی عملی تصویر تھی۔ اس کے بعد حجاز دنیائے اسلام کا سیاسی مرکز نہ رہا۔ شمع رسالت کے اس آخری پروانے کی شہادت کے ساتھ خلافت علی منہاج النبوۃ کا آفتاب غروب ہوگیا۔

ایسے معزز گھرانے میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی وجود میں آئی، سنہ پیدائش کے بارہ میں روایات مختلف ہیں، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اھ میں پیدا

ہوئے اور بعض سے ۲ ھ ظاہر ہوتا ہے، پہلی روایت زیادہ مستند ہے، تاریخ اسلام میں آپ کی پیدائش کو اس لئے غیر معمولی اہمیت حاصل ہے کہ مہاجرین کے مدینہ آنے کے بعد عرصہ تک ان میں سے کسی کے اولاد نہیں ہوئی اور یہودیوں نے مشہور کر دیا کہ مسلمانوں کی انقطاع نسل کے لئے انہوں نے سحر کر دیا ہے، عین اسی شہرت کے زمانہ میں ان اوہام باطلہ کی تردید کے لئے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، اس لئے مسلمانوں کو آپ کی پیدائش سے غیر معمولی مسرت ہوئی، آپ کی والدہ محترمہ نومولود فرزند کو لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئیں اور آغوش رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیدیا، آپ نے گود میں لیکر خیر و برکت کی دعا کی اور تبرکاً کھجور چبا کر اس نومولود کے منہ میں ڈالے، اس طرح دنیا میں آنے کے بعد اس مائدہ عالم سے جو سب سے پہلے نعمت عبداللہؓ کے منہ میں گئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعاب دہن تھا۔

ہجرت کے بعد سب پہلا پیدا ہونے والا بچہ

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ان کے پیٹ میں تھے میں مدینہ منورہ پہنچی اور قباء میں ٹھہری تو قبا کے اندر بچے کی ولادت ہوئی میں اسے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بچے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں دے دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لئے دعا کی اور ایک کھجور چبا کر بچے کے منہ میں ڈالی، چنانچہ یہ پہلی چیز تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعاب دہن عبداللہ کے پیٹ میں گیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چبائی ہوئی کھجور اس کے منہ میں رکھی اور اس کے لئے دعائے برکت کی۔ یہ پہلا بچہ ہے جو دارالاسلام میں پیدا ہوا۔

مصطفوی ارادے کی تکمیل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار عائشہ سے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں

کعبے کو پھر قدیم بنیادِ ابراہیم پر بناؤں اور دروازہ زمین سے ملا دوں اور دو دروازے رکھوں، ایک سے لوگ داخل ہوا کریں دوسرے سے خارج۔ اس عرصے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے، پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما خلیفہ ہوئے اور انھوں نے یہ حدیث اپنی خالہ عائشہ سے سنی تو آپ کے ارادے کو پورا کر دیا یعنی بہ دستورِ قدیم کعبے کو از سرِ نو بنایا اور دو دروازے رکھے، ستائیسویں رجب سنہ چونسٹھ ہجری میں اس تعمیر سے فراغت پائی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے جسم پر تلوار کے تین گہرے زخم تھے ایک ان کے کندھے پر تھا وہ فرماتے ہیں کہ (بچپن کے اندر) میں اس میں اپنی انگلی داخل کر دیا کرتا تھا ان کا بیان ہے کہ وہ زخم جنگ بدر میں آئے تھے اور ایک جنگ یرموک میں۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو عبدالملک بن مروان نے مجھ سے کہا: اے عروہ! کیا تم حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار پہچان لو گے میں نے جواب دیا ہاں پوچھا اس کی نشانی کیا ہے میں نے کہا جنگ بدر میں اس کی دھار ایک جگہ سے ٹوٹ گئی تھی کہنے لگا تم سچ کہتے ہو پھر اس نے یہ مصرعہ پڑھا:

لڑتے ہوئے ان کی تلواریں ٹوٹ گئی ہیں

پھر اس نے وہ تلوار حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کو دے دی ہم نے آپس میں اس کی قیمت کے متعلق مشورہ کیا کہ تین ہزار درہم ہوگی پس ہم میں سے ایک شخص نے اسے خرید لیا اور مجھے یہ حسرت رہ گئی کہ وہ تلوار میں لیتا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر اپنے والد کے ہمراہ

حضرت ہشام رضی اللہ عنہ نے اپنے والد حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہم کو خبر دی کہ جنگ یرموک کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا

کہ آپ حملہ کیوں نہیں کرتے کہ ہم بھی آپ کے ساتھ حملہ آور ہوجائیں فرمایا میں نے حملہ کیا تو تم میرا ساتھ نہیں دے سکو گے کہنے لگے کہ نہیں جناب ہم ضرور ساتھ دیں گے پس انہوں نے حملہ کیا اور کفار کی صفوں کو چیرتے ہوئے دوسری طرف جانکلے جب کہ ان کے ساتھ ایک شخص بھی نہیں تھا جب یہ واپس لوٹ رہے تھے تو دشمنوں نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور ان کے کندھے پر دو ضربیں لگائیں ان کے درمیان ہی جنگ بدر والی ضرب تھی حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان زخموں کی گہرائی میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتا تھا یعنی اپنے بچپنے میں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس دن آپ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو ساتھ لے گئے حالانکہ ان کہ عمر دس سال تھی پس انہوں نے انہیں گھوڑے پر بٹھا کر ایک آدمی کے سپرد کردیا تھا۔

حضرت زبیر بن العوام کی شہادت اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم

جنگ جمل کے دن جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے مجھے بلایا تو میں ان کے پہلو میں کھڑا ہوا تو انہوں نے فرمایا: اے میرے بیٹے آج کے دن صرف وہی قتل کیا جائے گا جو ظالم ہوگا یا مظلوم ہوگا اور بے شک مجھے یہ گمان ہے کہ میں مظلوماً قتل کیا جاؤں گا اور مجھے سب سے بڑی پریشانی اپنے قرض کے بارے میں ہے کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہمارے مال سے کچھ قرض بچ جائے گا پس انہوں نے کہا اے میرے بیٹے میرا سب مال فروخت کردو پھر میرا قرض ادا کردو اور انہوں نے ایک تہائی مال کی وصیت کی اور ایک تہائی مال اپنے بیٹوں یعنی عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما بیٹوں کے بیٹوں کے لئے کہ تہائی کا تیسرا حصہ ان کو دینا (یعنی حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے پوتوں کو) پھر اگر قرض کی ادائیگی کے بعد کچھ بچ جائے تو اس سے ایک تہائی تمہارے بیٹوں کے لئے ہے اور ہشام نے کہا: حضرت عبداللہ کے بعض بیٹوں کا حصہ حضرت زبیر کے بعض بیٹوں کے برابر تھا یعنی خبیب اور عباد کے اور اس دن

ان کے نو بیٹے اور نو بیٹیاں تھیں، حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مجھے قرض کے متعلق وصیت کرتے رہے اور وہ کہہ رہے تھے اے بیٹے! اگر تم قرض کی کچھ ادائیگی سے عاجز آ جاؤ تو میرے مولیٰ (اللہ تعالیٰ) سے مدد طلب کرنا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم میں نہیں سمجھا کہ آپ کا کیا ارادہ تھا حتیٰ کہ میں نے پوچھا: اے والد محترم آپ کے مولیٰ کون ہیں تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پس اللہ تعالیٰ کی قسم! میں جب بھی قرض کی ادائیگی میں مشکل میں پڑا تو میں نے کہا: اے زبیر کے مولیٰ زبیر کی طرف سے ان کے قرض کو ادا کر دے تو اللہ اس قرض کو ادا کر دیتا۔ پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے انہوں نے کوئی دینار چھوڑا تھا نہ کوئی درہم مگر زمینیں چھوڑی تھیں ان میں سے ایک غابہ میں تھی۔ اور مدینہ میں گیارہ گھر چھوڑے تھے۔ اور بصرہ میں دو گھر چھوڑے تھے اور ایک گھر کوفہ میں چھوڑا تھا اور ایک گھر مصر میں چھوڑا تھا اور ان پر جو قرض تھا اس کا سبب یہ تھا کہ کوئی شخص ان کے پاس امانت رکھنے کے لئے آتا تو آپ اس آدمی سے فرماتے کہ نہیں یہ امانت نہیں یہ قرض ہے۔ کیونکہ مجھے اس رقم کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور میں جسی جگہ کا امیر نہیں ہوں۔ اور نہ میں خراج وصول کرنے کا افسر ہوں اور نہ میرے پاس کوئی اور چیز ہے سوا اس کے کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر جہاد میں مشغول رہا ہوں۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ان کے قرض کا حساب کیا تو وہ بائیس لاکھ (2200000) لاکھ تھا راوی نے کہا پھر حکیم بن حزان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی پس انہوں نے کہا: اے بھتیجے میرے بھائی کے اوپر کتنا قرض ہے؟ تو میں نے اصل قرں کو چھپا کر کہا ایک لاکھ ہے پس حضرت حکیم نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم میں تمہارے اموال میں اس قرض کی ادائیگی کی صلاحیت نہیں پاتا پھر ان سے

حضرت عبداللہ نے کہا کہ بتائیں اگر وہ قرض بائیس لاکھ ہوتو؟ حکیم نے کہا میرا خیال ہے تم اس کو ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو اگر تم اس قرض میں سے کچھ ادا نہ کرسکو تو مجھ سے مدد طلب کر لینا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ غابہ کی زمین ایک لاکھ ستر ہزار میں خریدی تھی پس اس زمین کو عبداللہ نے ایک کروڑ چھ لاکھ میں فروخت کر دیا پھر وہ کھڑے ہوئے اور کہا: جس کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر کوئی حق ہو تو وہ ہمارے پاس آ کر غابہ میں لے لے، پس ان کے پاس عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر آپ چاہیں تو یہ رقم آپ پر چھوڑ سکتا ہوں حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں تو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر آپ اس رقم کی ادائیگی جتنا موخر کرنا چاہیں میں اتنی تاخیر کر لیتا ہوں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں تو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا پھر آپ میرے لئے زمین کا ایک قطعہ مقرر کر دیں تو حضرت عبداللہ نے کہا آپ کے لئے یہاں سے یہاں تک کی زمین ہے اور راوی نے کہا: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے غابہ کی زمینوں میں سے کچھ کو فروخت کیا پس اس سے اپنا قرض ادا کر دیا اور پورا قرض ادا کر دیا اور غابہ کی زمینوں میں سے ابھی ساڑھے چار حصے باقی بچ گئے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کے پاس عمرو بن عثمان، منذر بن زبیر اور ابن زمعہ رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے تو ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ غابہ کی زمین کی کتنی قیمت لگائی گئی ہے تو انہوں نے بتایا کہ ہر حصہ ایک لاکھ کا ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا اب کتنا حصہ باقی ہے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا چار حصے اور نصف باقی ہے تو منذر بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ایک حصہ ایک لاکھ روپے میں میں نے لے لیا حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک حصہ ایک لاکھ روپے میں لے لیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اب کتنا ہے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا

ایک حصہ اور نصف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا ایک لاکھ پچاس ہزار میں میں نے لے لیا ۔راوی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنا حصہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو چھ لاکھ میں فروخت کر دیا پھر جب حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے قرض کی ادائیگی سے فارغ ہوئے تو حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں نے کہا اب ہمارے درمیان ہماری میراث تقسیم کریں۔حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم میں تمہارے درمیان میراث تقسیم نہیں کروں گا حتی کہ چار سال حج کے موسم میں یہ اعلان نہ کر دوں جس کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر کوئی قرض ہے وہ ہمارے پاس آئے ہم اس کا قرض ادا کر دیں گے۔ ہر سال حج کے موسم میں اعلان کرتے پھر چار سال گزر گئے تو پھر انہوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں میں میراث تقسیم کر دی پس حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی چار بیویاں تھیں اور انہوں نے وصیت کا ایک تہائی مال الگ کر لیا تو ہر ہر بیوی کو بارہ بارہ لاکھ مل گئے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی کل جائیداد پانچ کروڑ دو لاکھ کی ہوئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچھنے لگوائے

علامہ بزار، طبرانی، حاکم و بیہقی و ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پچھنے لگنے سے جو خون نکلا تھا، پیا تھا۔حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بول مبارک پیا تھا (دار قطنی، طبرانی و حاکم)

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی چند احادیث

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ غزوہ احزاب کے موقع پر مجھے اور عمر بن ابی سلمہ کو عورتوں میں رکھا (یہ نگرانی پر مامور نہیں تھے بلکہ کم سنی کی وجہ سے عورتوں کے پاس تھے) میں نے اپنے والد محترم حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دو تین مرتبہ بنی قریظہ کی جانب جاتے آتے دیکھا اور آپ گھوڑے پر سوار تھے جب میں واپس لوٹا تو میں نے

عرض کی: ابا جان میں نے آپ کو آتے جاتے دیکھا ہے۔ فرمایا میرے بیٹے! کیا تم نے مجھے دیکھا تھا میں نے جواب دیا ہاں فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کون ہے جو بنی قریظہ جا کر ان کی مجھے خبر لا کر دے؟ پس میں گیا اور جب واپس لوٹا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لئے اپنے ماں باپ کو جمع فرمایا یعنی ارشاد فرمایا میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف حرہ کی ان برساتی ندیوں کے متعلق دعوی پیش کیا، جن سے وہ کھجوروں (کے باغات) کو سیراب کرتے تھے۔ انصاری نے کہا: پانی چھوڑ دو کہ گزر کر (میرے کھیت میں) آجائے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔ دونوں اپنا جھگڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے، تو آپ نے فرمایا: ''زبیر! (اپنے باغ کو) سینچ کر اپنے پڑوسی کے لئے پانی چھوڑ دیا کرو۔'' انصاری نے ناگواری کا اظہار کیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! (آپ نے یہ فیصلہ) اس لئے (کیا ہے) کہ وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے۔ (یہ سن کر) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ پھر فرمایا: ''زبیر! باغ کو پانی دو، پھر پانی کو روکے رکھو حتی کہ منڈیروں تک پہنچ جائے (اور باغ خوب) سیراب ہو جائے۔) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میرے خیال میں تو یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی ہے: (فَلَا وَ رَبِّكَ ---------- وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا'' قسم ہے آپ کے رب کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلاف میں آپ کو منصف نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلے پر دل میں کوئی ناگواری بھی محسوس نہ کریں، اور (اسے) پوری طرح تسلیم کر لیں۔'' (ابن ماجہ: ۱۵)

※※※※

مفسر قرآن

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما

نام: حضرت عبداللہ

تاریخ ولادت: 3 قبل ہجرت (617-618ء)

جائے ولادت: شعب ابی الطالب، مکہ مکرمہ

لقب: حَبر الامہ، ترجمان القران

کنیت: ابو العباس

والد: حضرت عباس رضی اللہ عنہ

والدہ: ام الفضل لبابہ رضی اللہ عنہا

تاریخ وفات: 68 ہجری (687ء)

جائے وفات: مدینہ

وجہِ وفات: طبعی موت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (3 قبل ہجرت تا 68 ہجری مطابق 618ء تا 687ء) ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ انہوں نے اپنی کم سنی اور نوعمری کے باوجود حصول علم کے ہر طریقے کو اختیار کیا اور اس راہ میں انتہائی جاں فشانی اور ان تھک محنت سے کام لیا۔ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چشمہ صافی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر سیراب ہوتے رہے۔ آپ کے وصال کے بعد وہ باقی ماندہ علماء صحابہ کی طرف متوجہ

ہوئے اوران سے بھرپور استفادہ فرمایا۔ وہ اپنے شوقِ علم کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ" جب کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے متعلق مجھے معلوم ہوتا کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث ہے تو میں قیلولہ کے وقت دوپہر میں ان کے دروازے پر پہنچ جاتا اور اپنی چادر کو سرہانے رکھ کر ان کے گھر کی چوکھٹ پر لیٹ جاتا۔ اس وقت دوپہر کی تیز اور گرم ہوائیں بہت سا گردوغبار اڑا کر میرے اوپر ڈال دیتیں۔ حالانکہ اگر میں ان کے گھر داخل ہونے کی اجازت مانگتا تو مجھے اجازت مل جاتی۔ لیکن میں ایسا اس لیے کرتا تھا کہ ان کی طبیعت مجھ سے خوش ہوجائے، جب وہ صحابی گھر سے نکلتے اور مجھے اس حال میں دیکھتے تو کہتے: ابن عمِ رسول آپ نے کیوں یہ زحمت گوارا کی، آپ نے میرے یہاں اطلاع بھجوادی ہوتی، میں خود حاضر ہوجاتا لیکن میں جواب دیتا، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا زیادہ حقدار ہوں کیونکہ حصول علم کے لیے صاحب علم کے پاس جایا جاتا ہے۔ صاحب علم خود طالب علم کے پاس نہیں جایا کرتے۔ پھر میں ان سے حدیث پوچھتا۔

نام ونسب

آپ کا نام عبداللہ، ابوالعباس کنیت تھا۔ آپ کے والد کا نام حضرت عباس رضی اللہ عنہا ور والدہ کا نام ام الفضل لبابہ رضی اللہ عنہا تھا۔ آپ کا شجرۂ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف۔

آپ کے والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سگے چچا تھے۔ اس طرح آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابنِ عم تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے خواہرزادہ تھے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حقیقی بہنیں تھیں۔

پیدائش:

حضرت عبداللہ ابن عباس کی پیدائش ہجرت سے 3 برس قبل شعب ابی طالب میں محصوریت کے دوران ہوئی تھی۔ آپ کی پیدائش کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے بارگاہِ رسالت میں لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈال کر آپ کے حق میں دعا فرمائی۔

قبولِ اسلام

آپ کے والد محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اگرچہ فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، لیکن آپ کی والدہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے ابتدا میں ہی داعی توحید کو لبیک کہا تھا۔ اس لئے آپ کی پرورش توحید کے سائے میں ہوئی۔

ہجرت

حضرت عباس رضی اللہ عنہ 8 ہجری میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً 11 سال تھی۔ آپ اپنے والد کے حکم سے بیشتر اوقات بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے تھے۔

عہد طفولیت میں مصاحبتِ رسول

آپ کی مصاحبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو زمانہ پایا، دراصل وہ آپ کے لڑکپن کا زمانہ تھا۔ تاہم آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں اکثر رہتے۔ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کی خالہ تھی اور آپ سے بہت شفقت رکھتیں تھیں اس لئے آپ اکثر انے خدمت میں حاضر رہتے تھے اور کئی دفع رات میں انکے گھر پر ہی سو جاتے تھے۔ اس طرح انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہترین موقع میسر تھا۔ آپ ایسے ہی ایک رات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "ایک مرتبہ میں اپنی خالہ کے

پاس سو رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور چار رکعت پڑھ کر استراحت فرما ہوئے، پھر کچھ رات باقی تھی کے آپ بیدار ہوئے اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنے لگے میں بھی اٹھ کر بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ آپ نے میرا سر پکڑ کر مجھے داہنی طوف کھڑا کر لیا۔"

آپ کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا

اسی طرح ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے بیدار ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے وضو کے لئے پانی لا کر رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو سے فراغت کے بعد پوچھا کے پانی کون لایا تھا۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن عباس کا نام لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہو کر یہ دعا دی۔

"اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيْلَ"

یعنی اے اللہ اس کو مذہب کا فقیہ بنا اور تاویل کا طریقہ سکھا

علوم میں مہارت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت دیکھتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے تھے۔ اسی صحبت کی برکت سے آپ نے اپنے وقت کے مروجہ تمام علوم میں مہارت تامہ حاصل کر لی تھی۔ خصوصاً علم التفسیر اور علم فقہ میں آپ رضی اللہ عنہما کو جو مہارت تھی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ شاید اس کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلنے والی وہ دعا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہما کے حق میں فرمائی تھی۔

آپ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں: کنت فی بیت میمونۃ بنت الحارث فوضعت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طھورا فقال من وضع ھذا؛ قالت میمونۃ عبداللہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ

التاویل۔(صحیح ابن حبان:7055)

کہ میں اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھا۔(حضور صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانی رکھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ پانی کس نے رکھا ہے؟ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ عبداللہ نے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطاء فرما اور تاویل (تفسیر) کا علم سکھا۔اسی دعا کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دونوں علوم [علم فقہ اور علم تفسیر] میں وافر حصہ عطاء فرمایا تھا۔

تفسیر قرآن:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو تفسیر میں مہارت کی وجہ سے مفسر قرآن اور ترجمان القرآن کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ہم یہاں آپ رضی اللہ عنہما سے مروی چند تفاسیر کو نقل کرتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف عقائد و مسائل میں قرآن سے موید ہے۔

(۱) قرآن کریم میں بہت سارے مقامات پر اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ید، عین، وجہ، ساق وغیرہ استعمال کیے گئے ہیں ان الفاظ کے بارے میں متاخرین اہل السنۃ کا موقف یہ ہے کہ ان الفاظ کا حقیقی معنیٰ اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے ہم ان کے معانی میں درجہ ظن میں تاویل کرتے ہیں یعنی ضرورت کے وقت ان الفاظ میں تاویل ہو سکتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ان الفاظ میں تاویل منقول ہے۔چنانچہ آپ رضی اللہ عنہما قرآن کریم کی آیت یوم یکشف عن ساق، میں "ساق" کا معنیٰ اشدت فرماتے ہیں اور آیت والسماء بنینٰھا باید میں "اید" کا معنیٰ قوت فرماتے ہیں

(فتح الباری ج ۸ ص ۸۴۶ تفسیر جامع البیان للقرطبی ج ۱۳)

(۲) اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ کہ مسائل اجتہادیہ میں مجتہدین اور فقہاء کی اتباع وتقلید کرنی ضروری ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم الآیہ (نساء:۵۹)

اس آیت میں اولی الامر سے مراد فقہاء ہیں چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

قولہ واولی الامر منکم یعنی اھل الفقہ والدین واھل طاعۃ اللہ الذین یعلمون الناس معانی دینھم یامرونھم بالمعروف وینھونھم عن المنکر فاوجب اللہ سبحانہ طاعتھم علی العباد (تفسیر ابن ابی حاتم رازی ج ۳ ص ۶۹)

یعنی اس آیت میں اولی الامر سے مراد اطاعت خدا کرنے والے وہ لوگ اور فقہاء ہیں جو لوگوں کو دین سکھاتے ہیں اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فقہاء کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے۔

(۳) اہل السنۃ والجماعۃ احناف کا موقف یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے قرآن کی تلاوت نہ کرے اور قرآن کی آیت واذا قرء القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا، اس موقف کی تائید کرتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فرمان ہے کہ یہ آیت مقتدی کو امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے روکنے کے لیے نازل ہوئی ہے۔

(۱) عن علی ابن ابی طلحۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قولہ واذا قرء القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا یعنی فی الصلوۃ المفروضۃ (بیہقی: ج ۲۲۲)

یعنی فرض نماز میں جب امام قرآن پڑھے تو مقتدی خاموش رہیں اور غور سے سنیں۔

(۲) عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرء فی الصلوٰۃ فقرء اصحابہ وراءہ فخلطوا علیہ فنزل واذا قری القرآن فاستمعوالہ وانصتوا فھذہ فی المکتوبۃ ثم قال ابن عباس وان کنا لانستمع لمن یقرء ان اذا لاجفیٰ عن الحمیر۔ (بیہقی: ح ۲۲۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں قرآن کی تلاوت کی تو صحابہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تلاوت کی جس کی وجہ سے آپ علیہ السلام پر قراءت خلط ملط ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی واذا قری القرآن فاستمعوالہ وانصتوا، یہ حکم فرض نماز میں ہے اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر ہم امام کی قراءت نہ سنیں تو پھر ہم گدھے سے بھی سخت ہوئے

علم کی طلب اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنما

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچازاد بھائی ہیں، بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر باش رہتے اور کارِ خدمت بجالاتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بارہا یہ دعاء فرمائی اللّٰھم فقہ فی الدین، اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ مبارک کے وقت ان کی عمر تیرہ برس تھی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک انصاری بھائی سے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو دنیا سے پردہ فرما گئے ہیں، لیکن ابھی آپ کے صحابہ کرام موجود ہیں، ہم ان سے اکتسابِ فیض کریں، اور علم حاصل کریں، وہ بولے میاں رہنے دو اتنے اکابر صحابہ کرام کی موجودگی میں کسے یہ سوجھے گی کہ ہم سے آکر مسائل دریافت کرے، میں اپنے انصاری دوست کی بات پر کان دھرنے کی بجائے حصولِ علم کے لیے پوری طرح کمربستہ ہوگیا، مجھے صحابہ کرام میں سے جن کے بارے میں بھی اطلاع ملتی کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے تو میں ان کے پاس جا کر وہ حدیث مبارکہ سنتا اور اسے حفظ کر لیتا، میں بعض افراد کے پاس جاتا تو وہ اس وقت آرام کر رہے ہوتے، میں اپنی چادر ان کی چوکھٹ پر رکھ کر بیٹھ جاتا، بسا اوقات گرد و غبار سے میرا چہرہ اور جسم اٹ جاتا لیکن میرے ذوق شوق، طلب علم اور استقامت میں کوئی کمی واقع نہ ہوتی، جس وقت وہ بیدار ہوتے تو میں ان سے حدیث کی سماعت کرتا، وہ حضرات مجھے اس طرح اپنے دروازے پر ایستادہ دیکھتے تو گھبرا جاتے اور فرماتے، آپ تو محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کے برادرِ عم زاد ہیں آپ اس طرح ہمارے دروازے پر تشریف لانے کی زحمت کیوں فرماتے ہیں، آپ نے ہمیں یاد فرمایا ہوتا، آپ کا حکم پہنچتا تو ہم بروچشم آپ کے دولت کدے پر حاضر ہو جاتے، لیکن میں کہتا کہ میں تو طالب علم ہوں، اس لیے مجھے ہی حاضر ہونا چاہیے، بعض حضرات مجھ سے یہ دریافت کرتے کہ آپ کب سے یہاں تشریف فرما ہیں، میں کہتا بہت دیر سے تو وہ کبیدہ خاطر ہو کر کہتے، آپ نے اپنی آمد کی اطلاع اسی وقت کیوں نہ فرما دی تھی تا کہ ہم بلا تاخیر آپ کے پاس آجاتے اور آپ کو اتنا انتظار نہ کرنا پڑتا، میں کہتا کہ بس میرا دل نہیں چاہتا کہ آپ اپنی مصروفیات سے فراغت پانے سے پہلے ہی آجائیں، اس محنت جاں فشانی اور جستجو نے انھیں جلد ہی صفِ اول کے علماء میں شامل کر دیا اور وہ مرجع خلائق بن گئے، حدیث، تفسیر، فقہ کے حوالے سے ان کا نام سند بن گیا۔ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے صغرسن کے باوجود انھیں اکابرین کی صف میں جگہ دیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نامور فقیہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ (رضی اللہ عنہ) کی عمر چودہ یا پندرہ برس تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس امت مسلمہ کے بہترین افراد میں سے اور نامور فقیہہ و

عالم تھے۔آپ (رضی اللہ عنہ) کی فقاہت کے لیے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص دعا فرمائی تھی۔

چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء گئے تو میں نے آپ کے لیے وضو کا پانی رکھ دیا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو فرمایا: یہ کس نے رکھا ہے؟

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ

اے اللہ! اسے دین کی سوجھ بوجھ عطا فرما۔(بخاری)

نیز آپ رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے سینے سے چمٹاتے ہوئے یہ دعا فرمائی: ''اَللّٰھُمَّ عَلِّمْهُ الْحِکْمَةَ وَتَأْوِیْلَ الْکِتَابِ'' یا اللہ! اسے دین کی حکمت اور کتاب اللہ کا علم عطا فرما۔(سنن ابن ماجہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو علم وحکمت سے منور فرما دیا تھا۔اسی سبب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کو بڑے بڑے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ اپنے قریب بٹھایا کرتے تھے اور مشکل مسائل میں ان سے رائے لیا کرتے تھے اور ان کی رائے کو اہمیت بھی دیا کرتے تھے۔ چنانچہ سورۃ "النصر" کے متعلق ان کی رائے کو قبول کیا گیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری بھی یہی رائے ہے۔

امام المفسرین حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما

کئی برحق وجوہات کی بنا پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو "امام المفسرین" بھی کہا جاتا ہے۔تفسیر القرآن کے معاملے میں سب سے زیادہ روایات آپ ہی سے مروی ہیں۔البتہ ان سے جو روایات مروی ہیں، ان کا ایک بڑا حصہ ضعیف بھی ہے لہذا اُن کی

روایات سے استفادہ کی خاطر انہیں اصول حدیث کی شرائط پر جانچنا بہت ضروری ہے۔

آخری عمر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی بینائی ختم ہوگئی تھی اور آپ 71 سال کی عمر پا کر طائف میں سن 68 ھجری میں فوت ہوئے۔ آپ سے صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت نے حدیث روایت کی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا مطلب پوچھا:

"أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ" (البقرۃ:۲۶۶)

تو لوگوں نے کہا: واللہ اعلم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بے معنیٰ جواب پر غصہ آ گیا، بولے: اگر معلوم نہیں تو صاف کہہ دو کہ ہمیں علم نہیں۔ اسی اثناء میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جھجکتے ہوئے بولے: میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: تم اپنے آپ کو چھوٹا نہ سمجھو، جو دل میں ہو بیان کرو۔ فرمایا کہ اس میں عمل کی مثال دی گئی ہے۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فہم قرآن کا اعتراف:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نعم ترجمان القرآن ابن عباس (المعجم للطبرانی: ح ۱۱۱۰۸، الاصابہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قرآن کے بہت اچھے ترجمان ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آیت

كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا (الانبیاء:۳۰)

کا مطلب پوچھا۔ انہوں نے (امتحان کی غرض سے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیج دیا کہ ان سے پوچھو، پھر مجھے بھی بتانا۔ اس نے جا کر پوچھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آسمان کا "فتق" یہ ہے کہ پانی نہ برسائے اور زمین کا "فتق" یہ ہے کہ نباتات نہ

اگائے۔سائل نے واپس آکر یہ جواب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بتایا تو انہوں نے کہا:لقد أوتی بن عباس علما صدقا ھکذا لقد کنت أقول ما یعجبنی جرأۃ بن عباس علی تفسیر القرآن فالآن قد علمت أنه قد أوتی علما (الاصابہ: ج ۲،ص ۱۰۷۷) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سچا علم عطا ہوا ہے۔مجھ کو تفسیر قرآن میں ان کی دلیری پر حیرت ہوتی تھی،لیکن اب معلوم ہوا کہ درحقیقت علم ان ہی کا حصہ ہے۔

عمیر بن بشر الخثعمی فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

سل ابن عباس فإنه أعلم من بقی بما أنزل الله علی محمد

(الاصابہ: ج ۲،ص ۱۰۷۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھو،اس لیے کہ قرآن کے جاننے والے جتنے لوگ باقی رہ گئے ہیں،ان میں سب سے زیادہ معلومات وہی رکھتے ہیں۔

علم حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا شمار ان مخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے جو علمِ حدیث کے سلاطین سمجھے جاتے ہیں۔اگر حدیث کی کتابوں سے ان کی روایات الگ کرلی جائیں تو ان کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائیں گے۔

کثرتِ روایات کا سبب:

روایات کی کثرت ان کی محنت،جستجو اور ذوقِ علم کا نتیجہ ہے۔بہت سی روایات براہِ راست خود زبان نبوت سے سنی ہیں۔جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دار الفنا سے دار البقا کی طرف انتقال فرمایا اس وقت آپ کی عمر 13 برس تھی۔

(الاصابہ: ج ۲ ص ۱۰۷۴

آپ خود فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو میں نے ایک انصاری نوجوان کو بلایا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کثیر تعداد ابھی موجود ہے ہم ان سے علم حاصل کرلیں۔ انصاری نوجوان نے کہا: مجھے آپ پر حیرت ہوتی ہے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ لوگ علم میں آپ کے محتاج ہیں، پھر آپ دوسروں کے پاس جاتے ہیں۔ یہ جواب سن کر میں نے اس کو چھوڑ دیا اور جہاں کہیں پتہ چلتا کہ فلاں شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی ہے تو تنہا اس کے دولت خانے پر جاتا، اگر وہ اس وقت قیلولہ کررہا ہوتا تو اپنی چادر کو اس کے درواز پر بچھاتا، ہوا مجھ پر مٹی ڈالتی رہتی تھی۔ جب وہ باہر تشریف لاتے اور مجھے دیکھتے تو کہتے: اے حضور کے چچا زاد بھائی! آپ نے کیوں مشقت اٹھائی، کسی اور کو بھیج دیا ہوتا۔ تو میں کہتا: نہیں، یہ میرا فرض تھا۔ میں اس سے حدیث کے بارے میں پوچھتا (اس طریقہ سے عرب کے گوشہ گوشہ سے ایک ایک دانہ چن کر علم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کیا، جب ان کے فضل وکمال کا چرچا زیادہ ہوا) تو اس وقت وہ انصاری نوجوان حیات تھا۔ اس وقت اس نے مجھ کو دیکھا کہ لوگ میرے اردگرد جمع ہیں اور مجھ سے سوال کررہے ہیں اور علم حاصل کررہے ہیں تو اس وقت اس نے (مارے ندامت کے) کہا:

ھذا الفتی کان اعقل منی (جامع السنن والمسانید لابن کثیر: ج 10 ص 30)

کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مجھ سے زیادہ عقل مند تھے۔

حضرت ابوسلمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ جس شخص کے متعلق مجھے پتہ چلتا کہ اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے تو میں خود اس کے مکان پر جا کر حاصل کرتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 5)

اسی تلاش اور جستجو نے آپ کو اقوال و افعال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا حافظ

بنادیا۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم جو عمر اور مرتبہ میں آپ سے بڑے تھے، آپ کے علمی مقام کے معترف تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ فتویٰ دیتے تھے حائضہ عورت طواف رخصت کیے بغیر لوٹ جائے۔ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ یہ فتویٰ دیتے ہیں۔ انہوں نے ہاں میں جواب دیا تو حضرت زید نے فرمایا: یہ فتویٰ نہ دیا کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں یہی فتویٰ دوں گا، اگر آپ کو شک ہے تو فلاں انصاریہ سے پوچھ لو۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ صحیح نکلا۔ ہنستے ہوئے واپس آئے اور فرمایا کہ آپ نے سچ کہا تھا۔ (مسند احمد ج 1 ص 226)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مُحرم کے سر دھونے کے بارے میں اختلاف ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما قائل تھے اور حضرت مسور بن مخرمہ قائل نہ تھے۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ کی تحقیق کرائی۔ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تائید کرتے ہوئے عملاً نقشہ کھینچ کر بتادیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ احرام میں اس طرح سر مبارک دھویا کرتے تھے۔ (سنن ابی داؤد: کتاب المناسک)

احتیاط فی الحدیث:

زیادہ احادیث بیان کرنے والے راویوں کے متعلق یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ روایت کرنے میں احتیاط نہیں کرتے، بلکہ ہر طرح کی روایت لے لیتے ہیں، لیکن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ذات گرامی اس طرح کے شکوک وشبہات سے منزہ تھی۔ آپ حدیث نبوی بیان کرتے وقت بہت احتیاط کرتے تھے کہ کہیں غلط بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہوجائے۔ اگر کسی موقع پر کوئی خفیف سا بھی شبہ اور خطرہ ہوتا تو اس بات کو

بیان نہ کرتے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہم اس وقت تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے تھے جب تک جھوٹ کا خطرہ نہ تھا،لیکن جب سے لوگوں ہر قسم کی روایات بیان کرنا شروع کیں تو اس وقت سے ہم نے روایت کرنا ہی چھوڑ دیا۔

(مسند الدارمی: باب فی الحدیث عن الثقات)

حلقہ درس:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا،سینکڑوں طلبگار روزانہ ان کے چشمۂ علم وعمل سے سیراب ہوتے تھے،گویا کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کررکھی تھی،ایک حصہ تحصیلِ علم اور دوسرا حصہ درس وتدریس اور اشاعتِ دینِ متین کے لیے وقف کررکھا تھا۔کبھی کوئی سائل ان کے چشمۂ فیض سے ناکام واپس نہ ہوا۔اس عام فیض کے علاوہ بعض مجلسیں خصوصیت کے ساتھ درس وتدریس اور علمی مذاکروں کے لیے مخصوص تھیں اور ان میں باقاعدہ ہر علم وفن کی جدا جدا تعلیم ہوا کرتی تھی۔

اس علم وعمل کے پیکر کا فیض حضر میں نہیں بلکہ سفر وحضر میں دونوں مین یکساں جاری رہتا تھا۔ چنانچہ جب چند دنوں کے لیے حج کی غرض سے مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے تھے اس وقت بھی ان کی قیام گاہ متلاشیانِ علم کی درسگاہ بن جاتی۔(الاستیعاب ج 1 ص 353)

آپ کا فقہ میں مقام:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ترجمان القرآن اور محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم فقیہ بھی تھے۔آپ نے مکہ مکرمہ میں فقہ کی بنیاد رکھی۔آپ کی فقہ دانی کا سرسری اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ابوبکر محمد بن موسیٰ جو اپنے زمانے کے امام تھے،انہوں نے آپ کے فتاویٰ جات 20 جلدوں میں جمع کیے تھے۔(اعلام الموقعین ج 1 ص 12)

علم الفرائض میں منفرد مقام:

آپ رضی اللہ عنہ علم الفرائض میں اگرچہ حضرت معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے ہم پلہ نہ تھے لیکن عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ اس فن میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ (اسد الغابہ: ج 3 ص 97)

قوتِ مناظرہ:

آپ رضی اللہ عنہما بلند پایہ مناظر بھی تھے۔ چنانچہ جب خارجیوں نے فتنہ کھڑا کیا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جدا ہونے کے بعد آپ پر طرح طرح کے الزام لگا رہے تھے تو آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ان کے ساتھ مباحثہ ومناظرہ کے لیے منتخب فرمایا۔ اس قوت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے مباحثہ ومناظرہ کرتے ہوئے ان کے الزامات اور شبہات کے ایسے مدلل جوابات دیئے کہ ان کی عقلیں دنگ رہ گئیں۔ اسی دوران بیس ہزار خارجیوں نے توبہ کی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حمایت کا اعلان کیا۔

تعداد مرویات:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی کل مرویات کی تعداد سولہ سو ساٹھ (1660) ہیں جن میں سے پچھتر (75) بخاری ومسلم دونوں میں ہیں۔ جو روایات صرف بخاری میں ہیں ان کی تعداد ایک سو بیس (120) اور جو صرف مسلم میں ہیں ان کی تعداد نو (9) ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج:4 ص:180)

وفات

حضرت ابن عباس آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، اور مکہ میں زندگی بسر کرتے تھے، انہیں عبد اللہ بن زبیر اور عبد الملک بن مروان کی جنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ عبد اللہ بن زبیر نے آپ سے

بیعت طلب کی لیکن ابن عباس نے انکار کر دیا؛لہذا ابن زبیر نے انہیں طائف جلاوطن کر دیا۔ مشہور یہ ہے کہ ابن عباس کا انتقال سن ۶۸ ہجری میں ستر سال کی عمر میں طائف میں ہوا اور محمد بن جنفیہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو وہیں دفن کیا گیا۔آپ کی وفات سن ۶۹ ہجری میں نقل ہوئی ہے۔ابن عباس آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے لہذا ان اشعار کو پڑھا کرتے تھے:

ان یاخذ اللہ من عینی نورھما
ففی لسانی و قلبی منھما نور
قلبی ذکی و عقلی غیر ذی دخل
و فی فمی صارم کالسیف ماثور

(ابن اثیر، اسد الغابہ، جلد ۳، صفحہ ۱۹۰)

اگر خدا نے میری آنکھوں کی بینائی مجھ سے لے لی ہے تو میری زبان اور کان کا نور ابھی باقی ہے۔میری قلب بیدار، عقل سالم اور دھن حق کے بیان کے لئے تیز شمشیر کی طرح سے ہے۔

تدفین اور نماز جنازہ:

آخر کار علم وعمل کا یہ پیکر، حبر الامۃ، ابن عم رسول سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما 68 ھجری دار فانی سے دارِ باقی کی طرف تشریف لے گئے۔سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت محمد بن حنیفہ رحمہ اللہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور تدفین کے بعد فرمایا:

"الیوم مات ربانی ھذہ الامۃ"

(سیر اعلام النبلاء ج:4 ص:180)

قبر میں تلاوت قرآن

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: ابن عباس رضی اللہ عنہما طائف میں فوت ہوئے اور میں آپ کے جنازے میں موجود تھا، پھر ایک بے مثال اور اجنبی قسم کا پرندہ آکر آپ کی چارپائی یا تابوت میں داخل ہوکر غائب ہوگیا اور اسے کسی نے باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پھر جب آپ کو دفن کیا گیا تو قبر کے ایک کنارے پر یہ غیبی آواز سنی گئی: اے مطمئن روح! اپنے رب کی طرف راضی مرضی حالت میں واپس جاو، پھر میرے بندوں میں شامل ہوجاو اور جنت میں داخل ہوجاو۔ (سورۃ الفجر ۲۸-۲۹)

(فضائل صحابہ للامام احمد: ۱۸۷۹، المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰/۲۹۰ ح ۱۰۵۸۱، المستدرک للحاکم ۳/۵۴۳-۵۴۴ ح ۶۳۱۲، دلائل النبوۃ للمستغفری ۲/۶۳۴ ح ۴۴۵)

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس پراگندہ ہوئے تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہا بیٹے اس کا کیا سبب ہے؟

جواب دیا ام عمار میرے کنگھا کرتی تھیں (اور آج کل ان کے ایام کا زمانہ ہے)

اس پر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بولیں کیا خوب۔ آنحضور صلی اللہ علیہ سلم ہماری گود میں سر مبارک رکھتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے اور ہم اسی حالت میں ہوتے تھے اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ آتے تھے بیٹا کہیں یہ ہاتھ میں بھی ہوتا ہے

(مسند ج 16 ص ۳۳۱)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد

حضرت ابن عباس رض، عبداللہ رض بن شداد بن الہاد، عبدالرحمن بن السائب، یزید بن اصم (یہ سب ان کے بھانجے تھے، عبیداللہ الخولانی (ربیب تھے) مذبہ (کنیز تھیں) عطاء بن یسار، سلیمان بن یسار (غلام تھے) ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن

عباس کریب (ابن عباس رض کے غلام) عبیدہ بن سباق، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، عالیہ بنت سبیع

صحابہ میں سے چار صحابی رضی اللہ عنہم

ا: حضرت علی رضی اللہ عنہ، ۲: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ۳: زید بن ثابت انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ، ۴: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تمام ابواب فقہ (شریعت) میں بحث کی ہے۔ یہ چار صحابی رضی اللہ عنہم کسی مسئلے میں کسی قول پر اتفاق کریں تو مبتدع کے سوا کہ فقہ میں اس کے اختلاف کا اعتبار نہیں، مسلم امہ اُن کے قول پر مجتمع ہوجاتی ہے اور اُسے اجماع کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول کے مقابلے میں اپنی رائے اور قول میں منفرد ہوں، اس میں محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ انصاری رحمہ اللہ (۷۴۔۱۴۸ھ) عامر بن شرجیل شعبی کوفی رحمہ اللہ (۱۹۔۱۰۳ھ) اور عبیدہ بن عمرو سلمانی رحمہ اللہ (۷۲ھ) ان کی اتباع کرتے ہیں۔ اور ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ منفرد ہوئے، اس میں امام مالک رحمہ اللہ و شافعی رحمہ اللہ اکثر ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اور ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما منفرد ہوئے، اس میں عکرمہ بن عبداللہ بربری مدنی رحمہ اللہ (۲۵۔۱۰۵ھ) اور سعید بن جبیر کوفی رحمہ اللہ (۴۵۔۹۵ھ) ان کی اتباع کرتے ہیں۔

اور ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ منفرد ہوئے، اس میں علقمہ بن قیس نخعی کوفی رحمہ اللہ (۶۲ھ) اسود بن یزید نخعی کوفی رحمہ اللہ (۷۵ھ) اور ابوثوار ابراہیم بن خالد کلبی بغدادی رحمہ اللہ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ (اصول الدین)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی نظر میں ان مذکورہ بالا ارباب فقہ ونظر اور مجتہدین صحابہ رضی

اللہ عنہم کی فقہی بصیرت و وقت نظر کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ ان سے مروی احادیث کی موجودگی میں قیاس کی اجازت نہیں دیتے، چنانچہ امام فخر الاسلام بزدوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''راوی کو اگر تفقہ اور اجتہاد میں شرف تقدم و شہرت حاصل ہے، جیسا کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور ان کے علاوہ بھی صحابہ ہیں جن کو فقہ و نظر میں شہرت حاصل ہے، ان کی حدیث حجت ہے، ان کی حدیث کے مقابلے میں قیاس کو چھوڑا جائے گا۔ اور راوی اگر عدالت اور حفظ میں مشہور و معروف ہے، لیکن فقہ میں مشہور نہیں، جیسے: حضرت ابوہریرہ و حضرت انس رضی اللہ عنہما ہیں، ایسے راوی کی حدیث اگر قیاس کے مطابق ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر اس کی حدیث قیاس کے مخالف ہے تو اس حدیث کو نہیں چھوڑا جائے گا، مگر ضرورت کی وجہ سے (یعنی قیاس کا دروازہ مطلقاً بند نہ کیا جائے، بلکہ قیاس کیا جائے گا)۔'' (اُصول البزدوی)

یہاں یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ مذکورہ بالا ائمہ مجتہدین کی مختصر جماعت کو یہ امتیاز و خصوصیت اس لیے حاصل تھی کہ ان برگزیدہ شخصیات کے اجتہادات پر صحت و سلامتی کی مہر تصدیق بارگاہ رسالت سے ثبت ہو چکی تھی اور انہیں افتاء و تعلیم کی اجازت حاصل تھی، چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۳۹ھ ''فتاویٰ عزیزی'' میں رقمطراز ہیں:

''کسانیکہ بحضور آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم بپایۂ اجتہاد کامل رسیدہ بودند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجتہادات ایشاں را تصویب فرمودند و بفتویٰ و تعلیم اجازت فرمودہ بودند، مثل حضرت عمر و علی و مثل عبداللہ بن مسعود و معاذ بن جبل و زید بن ثابت و امثالهم رضی اللہ عنہم''۔ (فتاوی

عزیزی)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جنہیں اجتہاد کامل نصیب تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اجتہادات پر مہر تصدیق ثبت فرمائی اور انہیں فتویٰ وتعلیم دینے کی اجازت دی تھی، جیسے: حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور انہی کی طرح بعض دوسری شخصیات ہیں رضی اللہ عنہم۔''

شاگردان ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فقہی مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نظر میں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قدر کرتے اور جب وہ آتے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کی دعوت کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم رحمہ اللہ نے حضرت مسروق رحمہ اللہ کا یہ بیان نقل کیا ہے:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد آتے تو وہ ان کے لیے کھانا تیار کراتے، انہیں بلاتے تھے، مسروق رحمہ اللہ نے کہا: ایک بار انہوں نے ہمارے لیے کھانا تیار کیا، پھر مسائل پوچھنے اور فتویٰ دینے لگے اور مسائل میں ہماری مخالفت کرنے لگے، ہمیں جواب دینے سے یہی بات مانع رہی کہ ہم ان کے یہاں کھانے پر مدعو تھے (یہ موقع بحث ومباحثہ کے لیے موزون نہیں تھا، اس لیے ہم نے اس سے گریز کیا)۔'' (أصول الجصاص، ج:۲، ص:۱۵۶۔۱۵۷۔)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے چند مروی احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے سینے کے ساتھ لگایا اور دعا کی اللہ اسے حکمت سکھا دے۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں لوگوں کے درمیان کھڑا تھا

پس انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کی جب کہ ان کا جنازہ تابوت پر رکھا جا چکا تھا تو ایک آدمی نے میرے پیچھے سے اپنے ہاتھوں کو میرے کندھوں پر رکھتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے ۔ مجھے امید واثق تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں بزرگوں کے ساتھ ملا دے گا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بارہا فرماتے ہوئے سنا کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ساتھ تھے ۔ میں نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے ایسا کیا ۔ میں، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما گئے اسی لئے مجھے امید تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور ان دونوں حضرات کے ساتھ رکھے گا جب میں نے پیچھے پھر کر دیکھا تو وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تھے ۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اس مرض میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چادر اوڑھی ہوئی تھی اور سر مبارک پر سیاہ پٹی باندھی ہوئی تھی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثناء بیان فرمائی پھر فرمایا بے شک لوگوں کی تعداد بڑھتی رہے گی اور انصار کی تعداد کم ہوتی رہے گی ۔ یہاں تک وہ لوگوں میں اتنے رہ جائیں گے جتنا کھانے میں نمک ہوتا ہے اور جو تم میں حاکم ہو اور وہ بعض کو نقصان اور بعض کو نفع پہنچا سکتا ہو تو ان لوگوں کی نیکیاں قبول کرے اور کوتاہیوں سے درگزر کرے یہ آخری مجلس تھی جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوئے ۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مجھے (عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما) کو اپنے نزدیک بٹھاتے تھے پس حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا بے شک ان جیسا ہمارا ابھی بیٹا ہے پس انہوں نے فرمایا کہ یہ دولت علم سے مالا مال ہے ۔ تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

اس آیت ''اذا جاء نصر اللہ والفتح'' (النصر:۱) جب اللہ تعالیٰ کی مدد و فتح آجائے گی (النصر:۱) تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس آیت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجل (زندگی کے آخری وقت) سے مطلع کیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس آیت کے بارے میں میں وہی جانتا ہوں جو آپ جانتے ہیں۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں (مدینہ منورہ) آیا اور کہنے لگا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنا جانشین مقرر کر دیں تو میں ان کی اتباع کرلوں گا اور مدینہ میں اپنی قوم کے بہت سے آدمیوں کے ہمراہ آیا اس کے پاس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ثابت بن قیس بن شماس تھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں شاخ کا ٹکڑا تھا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسیلمہ کے پاس اپنے اصحاب میں ٹھہرے پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اگر تو مجھ سے اس شاخ کے ٹکڑے کا سوال کرے تو میں تم کو یہ بھی نہ دوں گا اور توں نہیں بھاگ سکتا اللہ تعالیٰ کے امر سے جو تیرے متعلق ہے اور اگر توں نے اسلام سے پیٹھ پھیر لی تو ضرور اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کر دے گا اور بے شک میں تجھے دیکھ رہا ہوں کہ تو وہی ہے جس کا حال مجھے (خواب) میں دکھایا گیا ہے۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اعرابی کے پاس اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی بیمار کی عیادت فرماتے تو فرماتے کہ کوئی حرج نہیں یہ (بیماری) انشاء اللہ پاک کرنے والی ہے۔ تو جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مریض سے ایسا بھی فرمایا کہ کوئی حرج نہیں یہ (بیماری، بخار) انشاء اللہ پاک کرنے والی ہے اس نے کہا: آپ نے کہا ہے کہ یہ بیماری پاک کرنے والی ہے (یعنی جلد ٹھیک ہو جائے گی) نہیں بلکہ وہ

بخار ہے جو کسی بوڑھے پر حملہ کرتا ہے تو اسے قبرستان دکھا دیتا ہے تو اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چلو پھر ایسے ہی ہے۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مریض کی عیادت فرماتے تو مریض کو تسلی دیتے اور فرماتے کہ یہ بخار و بیماری پاک کرنے والی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعرابی کو فرمایا کوئی خرج نہیں انشاء اللہ یہ پاک کرنے والا ہے یہ دعا ہے۔ اعرابی نے کہا کیسے یہ پاک کرنے والا ہے یعنی پاک کرنے والا نہیں اعرابی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کیا۔ تو وہ اگلے روز شام سے پہلے پہلے فوت ہو گیا۔ (عینی ۱۶/ ۲۰۶)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ بالوں کو پیشانی پر کھلا چھوڑ دیتے تھے اور مشرکین اپنے بالوں میں مانگ نکالا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان امور میں اہلِ کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے جن کے بارے میں کوئی حکم نہیں دیا گیا ہوتا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بالوں میں مانگ نکال لی۔ (بخاری)

حضرت ابوحمزہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کیا میں تم سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ نہ بیان کروں ہم نے کہا کیوں نہیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے مجھے بنایا کہ میں قبیلہ بنی غفار کا ایک فرد ہوں ہمیں خبر پہنچی کہ مکہ میں ایک شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے تو میں نے اپنے بھائی سے کہا کہ تم اس آدمی کے پاس جاؤ اس سے بات کرو اور مجھے اس کے بارے میں خبر دو۔ پس میرا بھائی گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا اور لوٹ آیا تو میں نے اس سے کہا تمہارے پاس کیا خبر ہے تو اس نے کہا واللہ (اللہ کی قسم) میں ایسے آدمی سے ملا جو بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے تو میں نے اپنے بھائی سے کہا کہ تمہاری خبر سے میری تسلی و تشفی نہیں ہوئی پس میں نے اپنا تھیلا اور لاٹھی لی اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا (جب مکہ پہنچا تو) میں انہیں پہچانتا نہ تھا اور ان کے بارے سے پوچھنا مجھے پسند نہ تھا۔ میں آب زمزم پیتا اور مسجد میں رہتا تھا تو میرے پاس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم گزرے تو انہوں نے کہا کہ شاید مسافر ہو میں نے کہا جی ہاں تو انہوں نے کہا میرے ساتھ گھر کی طرف چلیں سو میں آپ کرم

اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ چلا تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انہوں نے مجھ سے کسی امر کے بارے پوچھا اور نہ میں نے بتایا پھر جب صبح ہوئی تو میں مسجد کی طرف گیا تا کہ آپ کے بارے سوال کروں تو کوئی بھی نہ تھا جو مجھے آپ کے بارے میں بتاتا حضرت ابوذر کہتے ہیں پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا میرے پاس سے گزر ہوا تو فرمایا ابھی تک اس شخص کو اپنا ٹھکانہ نہیں ملا تو میں نے جواب دیا نہیں تو آپ نے فرمایا میرے ساتھ گھر چلو سو میں آپ کے ساتھ گھر کی طرف روانہ ہوا تو آپ نے کہا تمہارا کیا مسئلہ ہے اور کس لئے تم اس شہر میں آئے ہو؟ حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اگر تم اس بات کو راز رکھو تو میں آپ کو بتاتا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ایسا ہی کروں گا حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ یہاں ایک آدمی نکلا ہے جس کا گمان ہے کہ وہ اللہ کا نبی ہے میں نے اپنے بھائی کو بھیجا تا کہ وہ ان سے کلام کرے پس وہ واپس آیا مگر اس کی خبر سے مجھے تسلی وتشفی نہ ہوئی تو میں نے ارادہ کیا کہ میں خود ان سے ملاقات کروں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا تم نے صحیح کہا میں اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جا رہا ہوں۔ تو تم میری اتباع کرو جہاں میں داخل ہوں تم بھی داخل ہو جانا اگر کسی ایسے شخص کو دیکھوں جس سے مجھے تم پر کوئی خطرہ معلوم ہو تو میں کھڑا ہو جاؤں گا دیوار کی طرف گویا کہ میں جوتے درست کر رہا ہوں اور تم چلتے رہنا۔ پس حضرت علی چلے اور میں بھی ان کے ساتھ چل پڑا حتیٰ کہ وہ کہیں داخل ہوئے اور میں بھی آپ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور میں نے آپ سے عرض کی مجھ پر اسلام پیش کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام پیش کیا تو میں اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے ابوذر اس بات کو مخفی رکھنا اور اپنے شہر کی طرف لوٹ جاؤ تو جب تم کو ہمارے غلبہ کی خبر ملے تو پھر آ جانا۔ پس میں نے عرض کی قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں ضرور اعلان کروں گا ان لوگوں کے درمیان۔ پھر آپ (ابوذر) مسجد میں آئے اور وہاں قریش موجود تھے۔ تو انہوں نے کہا اے گروہ قریش بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ پس ان لوگوں نے کہا کہ کھڑے ہو جاؤ اس صابی کی خبر لو پس

وہ کھڑے ہوئے اور مجھے مارا پیٹا تا کہ میں مرجاؤں۔ پس عباس نے مجھ دیکھ لیا اور مجھ پر اوندھے گر پڑے پھران لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا تم پر افسوس تم قبیلہ غفار کے ایک شخص کو قتل کر رہے ہو جانتے ہو تمہاری تجارت کا راستہ اور گزرگاہ قبیلہ غفار سے ہے پھر وہ مجھ سے ہٹ گئے۔ جب میں نے دوسرے دن صبح کی تو پھر واپس کعبہ میں گیا اور پھر اعلان کیا پھران لوگوں نے کہا کہ اس صابی کی خبر لو پھر میرے ساتھ گزشتہ کی طرح کیا پھر عباس نے مجھے دیکھ لیا پھر وہ اوندھے مجھ پر گر گئے اور انہوں نے گزشتہ کی طرح پھران لوگوں سے گفتگو کی، یہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی ابتداء تھی۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:۔ (قرابت داروں کے سوا) (الشوری: ۲۳) کی تفسیر میں کہا، پس سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا اس سے مراد حضور نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت دار ہیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا بے شک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت دار قریش کے ہر قبیلہ میں موجود ہیں سو اسی لئے یہ آیت نازل ہوئی ''تم میری اور اپنی قرابت میں ملاپ رکھو''۔ (الشوری: ۲۳)

حضرت سعید بن جبیر روایت فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں عرض کی: نوف بکالی کا گمان ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کرنے والے موسیٰ وہ نہیں ہیں جو بنی اسرائیل کے نبی تھے بلکہ یہ موسیٰ دوسرے ہیں انہوں نے فرمایا: اس خدا کے دشمن نے غلط بیان کیا ہے اہم سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر حدیث بیان فرمائی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں وعظ کے لئے کھڑے ہوئے تو کسی نے ان سے سوال کیا لوگوں میں سے سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا میں تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی کیونکہ انہوں نے علم کو خدا کی جانب نہیں پھیرا تھا ان سے فرمایا: کیوں نہیں دو دریاؤں کے سنگھم میں ہمارا ایک بندہ رہتا ہے جو تم سے زیادہ علم والا ہے انہوں نے عرض کی: اے پروردگار! مجھے اس بندے تک کون پہنچائے گا اور شائد سفیان یوں روایت کرتے ہیں میں اس تک کیسے پہنچوں گا ؟ فرمایا تم ایک مچھلی لے کر زنبیل میں ڈال لو جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے میرا وہ بندہ وہیں ہوگا کبھی

یہ "ثم" کی جگہ "ثمۃ" روایت کرتے ہیں پھر انہوں نے مچھلی لے کر زنبیل میں ڈال لی اور وہ نوجوان یوشع بن نون کو ساتھ لے کر چل پڑے یہاں تک کہ ایک پتھر راستے میں آیا دونوں اس پر سر رکھ کر لیٹ گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نیند آ گئی اور مچھلی تڑپی، باہر نکلی اور (کود کر) دریا میں جا گری تو اس نے سرنگ کی طرح سمندر میں اپنا راستہ بنا لیا پس اللہ تعالیٰ نے پانی کے بہاؤں کو مچھلی کے لئے روک دیا اور طاق کی طرح اس کے لئے راستہ بنا دیا راوی نے اشارے سے بتایا کہ ایسا طاق بہر حال وہ دونوں باقی دن اگلی رات اگلا دن برابر چلتے رہے یہاں تک کہ جب اس سے اگلا دن آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نوجوان سے کہنے لگے کھانا لاؤ ہمیں تو اس سفر میں بڑی تھکاوٹ ہوئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھکاوٹ اس وقت ہوئی جب اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی جگہ سے آگے نکل گئے تھے نوجوان نے ان سے کہا: (اے کلیم!) آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا جب ہم (ستانے کے لئے) اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں بھول گیا مچھلی کو اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ مچھلی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں اور اس نے بنا لیا تھا اپنا راستا دریا میں بڑے تعجب کی بات ہے (الکہف: ۶۳) مچھلی کے لئے سمندر میں سرنگ بن جانا واقعی ان کے لئے تعجب کی بات تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے کہنے لگے: یہی تو ہم چاہتے تھے تو پیچھے پلٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے (الکہف: ۶۴) یعنی دونوں اپنے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے واپس لوٹے یہاں تک کہ اسی پتھر کے پاس آ پہنچے وہاں دیکھا کہ ایک آدمی کپڑوں میں لپٹا ہوا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا آپ کے ملک میں سلام کہاں سے آیا؟ جواب دیا میں موسیٰ ہوں دریافت کیا بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ فرمایا: ہاں آپ کے پاس اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے اس عمدہ ہدایت میں سے کچھ سکھائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم فرمائی ہے" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں؟" اس بندے نے کہا (اے موسیٰ) آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں اس بات پر جس کی آپ کو پوری طرح خبر نہیں، آپ نے کہا آپ مجھے پائیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو صبر کرنے والا اور میں نافرمانی نہیں کروں گا آپ کے کسی

حکم کی اس بندے نے کہا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھیے نہیں یہاں تک کہ میں آپ سے اس کا خود ذکر کروں پس دونوں چل پڑے ۔(الکہف:۶۸ تا ۷۱)وہ ساحل سمندر کے ساتھ چل پڑے ان کے پاس سے ایک کشتی گزری تو سوار ہونے کے لئے گفتگو کی کشتی والوں نے حضرت خضرت علیہ السلام کو پہچان کر سب کو سوار کرلیا اور بغیر کرائے جب وہ کشتی میں سوار ہو گئے تو ایک چڑیا آ کر کشتی کے ایک جانب بیٹھ گئی اور سمندر میں ایک یا دو چونچیں ماریں حضرت خضرت علیہ السلام نے ان سے کہا: اے موسیٰ! میرے اور آپ کے علم نے علم الٰہی کو اتنا بھی نہیں کم کیا جتنا اس چڑیا نے سمندر کے پانی کو کم کیا ہے پھر اچانک حضرت خضرت علیہ السلام نے کلہاڑی لے کر کشتی کا ایک تختہ نکال دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر پڑی تو کہنے لگے یہ آپ نے کیا کیا؟ ان لوگوں نے تو بغیر اجرت لئے ہمیں کشتی میں بٹھالیا ہے لیکن آپ نے تختہ توڑ دیا بلکہ کشتی کو ناکارہ کر دیا تاکہ سواریاں غرق ہو جائیں یہ کوئی اچھا کام نہیں کیا حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: کیا میں نے پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میری بھول پر مواخذہ نہ کرو اور میرے کام میں مجھ پر تنگی نہ ڈالو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلی بھول ہوئی جب یہ دریا سے نکلے تو ایک لڑکے کے پاس سے گزرے جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا تو حضرت خضرت علیہ السلام نے اسے سر سے پکڑ لیا اور اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اس طرح مروڑ دی سفیان راوی نے اپنے انگلیوں سے اس طرح اشارہ کیا جیسے وہ کسی چیز کو توڑ رہے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کیا تم نے ایک ستھری جان بغیر کسی جان کے بدلے میں قتل کر دی بیشک یہ تم نے بہت بری بات کی کہا میں نے آپ سے نہ کہا تھا کہ آپ ہرگز میرے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے کہا اس کے بعد میں تم سے کچھ پوچھوں تو میرے ساتھ نہ رہنا بیشک میری طرف سے تمہارا عذر پورا ہو چکا پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں کے پاس آئے ان دہقانوں سے کھانا مانگا انہوں نے انہیں دعوت دینی قبول نہ کی پھر دونوں نے گاؤں میں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی (الکہف: ۷۴ تا ۷۷) یعنی جھک گئی ہے۔سفیان نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ ایسے گویا وہ کسی چیز کے اوپر ہاتھ پھیر

رہے ہیں لیکن جھکنے کا ذکر میں نے سفیان سے صرف ایک مرتبہ سنا ہے۔(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) کہا یہ تو ایسے لوگ ہیں ہم ان کے پاس آئے تو انہوں نے ہمیں کھانا نہیں دیا اور ہمیں دعوت دینا منظور نہیں کی لیکن تم نے ان کی دیوار درست کر دی۔"اگر تم چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے حضرت خضر علیہ السلام نے کہا یہ میری اور آپ کی جدائی ہے اب میں آپ کو ان باتوں کا بھید بتاؤں گا جن پر آپ صبر نہ کر سکے (الکہف: ۷۷،۷۸) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کاش! حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تو ان دونوں کے اور واقعات بھی اللہ تعالیٰ ہمیں بتا دیتا۔ حضرت سفیان کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے اگر وہ صبر کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کا اور بھی قصہ ہمیں بتا دیتا اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں یوں ہے "أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَالِحَةٍ غَصْباً وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِراً وَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ "(ان کے سامنے ایک بادشاہ تھا جو صحیح کشتی ضبط کر لیتا اور وہ بچہ تو وہ کافر تھا اور اس کے والدین مومن تھے)۔ سفیان نے مجھ سے کہا میں نے یہ حدیث عمرو بن دینار سے دو مرتبہ سنی اور حفظ کر لی۔ سفیان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اس حدیث کو عمرو بن دینار سے سن لینے سے پہلے ہی یاد کر لیا تھا یا اسے کسی اور آدمی سے یاد کیا تھا؟ جواب دیا کیا اس حدیث کو عمرو سے میرے سوا کسی اور نے دریافت کیا ہے جس سے سن کر میں اسے یاد کرتا؟ میں نے یہ حدیث ان سے دو تین مرتبہ سن کر یاد کی ہے۔(بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے سینے سے لگایا اور فرمایا:"اے اللہ! اسے حکمت سکھا دے اور کتاب (قرآن مجید) کا مطلب سکھا دے۔"(ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ سخاوت رمضان شریف میں کرتے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبریل امین سے ملاقات فرماتے۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام رمضان کی ہر رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرتے تھے پس وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن پاک کا دور

کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جبریل کو دیکھتے تو فائدہ پہنچانے میں تیز چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخی ہوجاتے ۔عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے معمر سے اسی سند کے ساتھ ایسا ہی روایت کیا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روایتوں میں ''اِنَّ جِبْرِیْلَ کَانَ یُعَارِضُهُ الْقُرْآنَ '' کے الفاظ ہیں (بخاری)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی (حضرت سارہ علیہ السلام) کے درمیان جو کچھ جھگڑا ہونا تھا جب وہ ہوا تو آپ اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ (حضرت ہاجرہ علیہ السلام) کو لے کر نکلے ،ان کے ساتھ ایک مشکیزہ تھا۔جس میں پانی تھا ،اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اسی مشکیزہ کا پانی پیتی رہیں اور اپنا دودھ اپنے بچے کو پلاتی رہیں ۔جب ابراہیم مکہ پہنچے تو انہیں ایک بڑے درخت کے پاس ٹھہرا کر اپنے گھر واپس جانے لگے ۔اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ان کے پیچھے پیچھے آئیں ۔جب مقام کداء پر پہنچے تو انہوں نے پیچھے سے آواز دی کہ اے ابراہیم ! ہمیں کس پر چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ پر! ہاجرہ علیہ السلام نے کہا کہ پھر میں اللہ پر خوش ہوں ۔ بیان کیا کہ پھر حضرت ہاجرہ اپنی جگہ پر واپس چلی آئیں اور اسی مشکیزے سے پانی پیتی رہیں اور اپنا دودھ اپنے بچے کو پلاتی رہیں جب پانی ختم ہوگیا تو انہوں نے سوچا کہ ادھر ادھر دیکھنا چاہیے ،ممکن ہے کہ کوئی آدمی نظر آجائے ۔راوی نے بیان کیا کہ یہی سوچ کر وہ صفا (پہاڑی) پر چڑھ گئیں اور چاروں طرف دیکھا کہ شاید کوئی نظر آجائے لیکن کوئی نظر نہ آیا۔پھر جب وادی میں اتریں تو دوڑ کر مروہ تک آئیں ۔اسی طرح کئی چکر لگائے ،پھر سوچا کہ چلوں ذرا بچے کو تو دیکھوں کس حالت میں ہے ۔چنانچہ آئیں اور دیکھا تو بچہ اسی حالت میں تھا (جیسے تکلیف کے مارے) موت کے لیے تڑپ رہا ہو ۔یہ حال دیکھ کر ان سے صبر نہ ہوسکا ،سوچا چلوں دوبارہ دیکھوں ممکن ہے کہ کوئی آدمی نظر آجائے ،آئیں اور صفا پہاڑ پر چڑھ گئیں اور چاروں طرف نظر پھیر پھیر کر دیکھتی رہیں لیکن کوئی نظر نہ آیا۔اس طرح حضرت ہاجرہ علیہ السلام نے سات چکر لگائے پھر سوچا ،چلوں دیکھوں بچہ کس حالت میں ہے؟ اسی وقت انہیں ایک آواز سنائی دی۔انہوں نے (آواز سے مخاطب ہوکر) کہا کہ اگر تمہارے پاس کوئی بھلائی ہے

تو میری مدد کرو۔ وہاں جبریل علیہ السلام موجود تھے۔ انہوں نے اپنی ایڑی سے یوں کیا (اشارہ کر کے بتایا) اور زمین ایڑی سے کھودی۔ راوی نے بیان کیا کہ اس عمل کے نتیجے میں وہاں سے پانی پھوٹ پڑا۔ ام اسماعیل ڈریں۔ (کہیں یہ پانی غائب نہ ہوجائے) پھر وہ زمین کھودنے لگیں۔ راوی نے بیان کیا کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر وہ پانی کو یوں ہی رہنے دیتیں تو پانی زمین پر بہتا رہتا۔ غرض ہاجرہ علیہ السلام زمزم کا پانی پیتی رہیں اور اپنا دودھ اپنے بچے کو پلاتی رہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس کے بعد قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ وادی کے نشیب سے گزرے۔ انہیں وہاں پرند نظر آئے۔ انہیں یہ کچھ خلاف عادت معلوم ہوا۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ پرندہ تو صرف پانی ہی پر (اس طرح) منڈلا سکتا ہے۔ ان لوگوں نے اپنا آدمی وہاں بھیجا۔ اس نے جا کر دیکھا تو واقعی وہاں پانی موجود تھا۔ اس نے آ کر اپنے قبیلے والوں کو خبر دی تو یہ سب لوگ یہاں آگئے اور کہا کہ اے ام اسماعیل! کیا ہمیں اپنے ساتھ رہنے کی یا (یہ کہا کہ) اپنے ساتھ قیام کرنے کی اجازت دیں گی؟ پھر ان کے بیٹے (اسماعیل علیہ السلام) بالغ ہوئے اور قبیلہ جرہم ہی کی ایک لڑکی سے ان کا نکاح ہوگیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ پھر ابراہیم علیہ السلام کو خیال آیا اور انہوں نے اپنی اہلیہ (حضرت سارہ علیہ السلام) سے فرمایا کہ میں جن لوگوں کو (مکہ میں) چھوڑ آیا تھا ان کی خبر لینے جاوں گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ پھر ابراہیم علیہ السلام مکہ تشریف لائے اور سلام کر کے دریافت فرمایا کہ اسماعیل کہاں ہیں؟ ان کی بیوی نے بتایا کہ شکار کے لیے گئے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب وہ آئیں تو ان سے کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں۔ جب اسماعیل علیہ السلام آئے تو ان کی بیوی نے واقعہ کی اطلاع دی۔ اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں ہو (جسے بدلنے کے لیے ابراہیم علیہ السلام کہہ گئے ہیں) اب تم اپنے گھر جا سکتی ہو۔ بیان کیا کہ پھر ایک مدت کے بعد دوبارہ ابراہیم علیہ السلام کو خیال ہوا اور انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ میں جن لوگوں کو چھوڑ آیا ہوں انہیں دیکھنے جاوں گا۔ راوی نے بیان کیا کہ ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ اسماعیل کہاں ہیں؟ ان کی بیوی نے بتایا کہ شکار کے لیے گئے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ آپ ٹھہرئیے اور کھانا تناول فرمالیجئے۔

ابراہیم علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کھاتے پیتے کیا ہو؟ انہوں نے بتایا کہ گوشت کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں۔ آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! ان کے کھانے اوران کے پانی میں برکت نازل فرما۔ بیان کیا کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابراہیم علیہ السلام کی اس دعاء کی برکت اب تک چلی آرہی ہے۔ راوی نے بیان کیا کہ پھر (تیسری بار) ابراہیم علیہ السلام کوایک مدت کے بعد خیال ہوااوراپنی اہلیہ سے انہوں نے کہا کہ جن کو میں چھوڑ آیا ہوں ان کی خبر لینے مکہ جاوں گا۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور اس مرتبہ اسماعیل علیہاالسلام سے ملاقات ہوئی، جوزمزم کے پیچھے اپنے تیر ٹھیک کر رہے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، اے اسماعیل! تمہارے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہاں اس کا ایک گھر بناوں، بیٹے نے عرض کیا کہ پھر آپ اپنے رب کا حکم بجالائیے۔ انہوں نے فرمایااور مجھے یہ بھی حکم دیا ہے کہ تم اس کام میں میری مدد کرو۔ عرض کیا کہ میں اس کے لیے تیار ہوں۔ یا اسی قسم کے اور الفاظ ادا کئے۔ راوی نے بیان کیا کہ پھر دونوں باپ بیٹے اٹھے۔ ابراہیم علیہ السلام دیواریں اٹھاتے تھے اور اسماعیل علیہ السلام انہیں پتھر لالا کر دیتے تھے اور دونوں یہ دعا کرتے جاتے تھے۔ اے ہمارے رب! ہماری طرف سے یہ خدمت قبول کر۔ بے شک تو بڑا سننے والا، بہت جاننے والا ہے۔ راوی نے بیان کیا کہ آخر جب دیوار بلند ہوگئی اور بزرگ (ابراہیم علیہ السلام) کوپتھر (دیوار پر) رکھنے میں دشواری ہوئی تو وہ مقام (ابراہیم) کے پتھر پر کھڑے ہوئے اور اسماعیل علیہ السلام ان کو پتھر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے اور ان حضرات کی زبان پر یہ دعا جاری تھی۔ "اے ہمارے رب! ہماری طرف سے اسے قبول فرمالے۔ بے شک تو بڑا سننے والا بہت جاننے والا ہے"۔ (بخاری)

حضرت ابن ابوملیکہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی میت کو چارپائی پرلٹایا گیا تو جنازہ اٹھانے سے پیشتر لوگ اردگرد جمع ہوکران کے لئے دعائیں کرنے لگے۔ یا فرمایا: جنازہ اٹھانے سے پہلے ان کی تعریف کرنے لگے اوران کے لئے دعائیں کرنے لگے۔ میں بھی ان میں شامل تھا۔ میں (اپنے خیالات سے) اس وقت چونکا، جب مجھے ایک شخص کا دھکا لگا، اور اس نے میرے

کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے رحمت فرمائی۔ پھر بولے: آپ سے بڑھ کر کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس کے عملوں جیسے اعمال لے کر میں اللہ کے پاس جانے کی خواہش رکھتا ہو۔ اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے ساتھ رکھے گا۔ کیوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اکثر اس قسم کے الفاظ سنا کرتا تھا، آپ فرماتے تھے: ''میں اور ابو بکر اور عمر، (فلاں جگہ) گئے، میں اور ابو بکر اور عمر داخل ہوئے، میں اور ابو بکر اور عمر باہر نکلے۔'' اس لئے مجھے (پہلے ہی) یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور آپ کے دونوں ساتھیوں سے ملا دے گا۔ (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ان کا اور حضرت حر بن قیس فزاری کے مابین حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کے بارے میں اختلاف ہو گیا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ وہ حضرت خضر ہیں تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں بلایا اور کہا کہ ہم دونوں دوستوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کے بارے میں اختلاف ہے جن کو ملنے کے لئے انہوں نے رستہ پوچھا تھا کیا آپ نے اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ سنا ہے؟ جواب دیا ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں تھے کہ کسی شخص نے آکر ان سے سوال کیا آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو آپ سے زیادہ علم والا ہو؟ فرمایا نہیں پس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: کیوں نہیں ہمارا بندہ خضر ایسا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی طرف جانے کا راستہ پوچھا تو مچھلی کو ان کے لئے نشانی بنا دیا گیا اور کہا گیا کہ جب مچھلی گم ہو جائے تو اس جگہ کی طرف واپس لوٹ آنا تمہیں وہ مل جائیں گے تو یہ دریا میں مچھلی کا نشان دیکھتے رہے آخر ساتھی نوجوان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: (اے کلیم!) آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا جب ہم (سستانے کے لئے) اس چٹان کے پاس

ٹھہرے تھے تو میں بھول گیا مچھلی کو اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ مچھلی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں اور اس نے بنالیا تھا اپنا راستا دریا میں بڑے تعجب کی بات ہے آپ نے فرمایا یہی تو وہ ہے جس کی ہم جستجو کر رہے تھے پس وہ دونوں لوٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے (الکہف: ٦٣ تا ٦٤) پس ان دونوں حضرات نے حضرت خضر علیہ السلام کو پالیا پھر ان کے درمیان وہی کچھ ہوا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! عمر کے اسلام لانے سے آسمان والے (فرشتے) بھی خوش ہو گئے ہیں۔ (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ان لوگوں کو عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے پایا یہودی کہنے لگے یہ بڑی عظمت والا دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچایا اور آل فرعون کو غرق کیا تو شکر گزاری کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم یہودیوں کی نسبت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما پر یہ کلمات پڑھ کر پھونکا کرتے اور فرمایا کرتے کہ تمہارے جد امجد بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام یہ کلمات پر پڑھ کر دم کرتے تھے میں تم کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات کے ساتھ ہر شیطان سے، ہر زہریلے جانور سے اور ہر نظر بد سے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: عورتوں میں کمر پٹہ باندھنے کا رواج اسماعیل علیہ السلام کی والدہ (ہاجرہ علیہ السلام) سے چلا ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے کمر پٹہ اس لیے باندھا تھا تا کہ سارہ علیہ السلام ان کا سراغ نہ پائیں (وہ جلد بھاگ جائیں) پھر انہیں اور ان کے بیٹے اسماعیل کو ابراہیم (علیہما السلام) ساتھ لے کر مکہ میں آئے، اس وقت

ابھی وہ اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی تھیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے دونوں کو ایک بڑے درخت کے پاس بٹھادیا جو اس جگہ تھا جہاں اب زمزم ہے۔ مسجد کی بلند جانب میں۔ ان دنوں مکہ میں کوئی انسان نہیں تھا۔ اس لیے وہاں پانی نہیں تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں کو وہیں چھوڑ دیا اور ان کے لیے ایک چمڑے کے تھیلے میں کھجور اور ایک مشک میں پانی رکھ دیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام (اپنے گھر کے لیے) روانہ ہوئے۔ اس وقت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ان کے پیچھے پیچھے آئیں اور کہا کہ اے ابراہیم! اس خشک جنگل میں جہاں کوئی بھی آدمی اور کوئی بھی چیز موجود نہیں، آپ ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے کئی دفعہ اس بات کو دہرایا لیکن ابراہیم علیہ السلام ان کی طرف دیکھتے نہیں تھے۔ آخر ہاجرہ علیہا السلام نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں، اس پر ہاجرہ علیہ السلام بول اٹھیں کہ پھر اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت کرے گا، وہ ہم کو ہلاک نہیں کرے گا۔ چنانچہ وہ واپس آگئیں اور ابراہیم علیہ السلام روانہ ہو گئے۔ جب وہ ثنیہ پہاڑی پر پہنچے جہاں سے وہ دکھائی نہیں دیتے تھے تو ادھر رخ کیا، جہاں اب کعبہ ہے (جہاں پر ہاجرہ اور اسماعیل علیہما السلام کو چھوڑ کر آئے تھے) پھر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی کہ اے میرے رب! میں نے اپنی اولاد کو اس بے آب ودانہ میدان میں ٹھہرایا ہے (سورۃ ابراہیم) یشکرون تک۔ ادھر اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ان کو دودھ پلانے لگیں اور خود پانی پینے لگیں۔ آخر جب مشک کا سارا پانی ختم ہو گیا تو وہ پیاسی رہنے لگیں اور ان کے لخت جگر بھی پیاسے رہنے لگے۔ وہ اب دیکھ رہی تھیں کہ سامنے ان کا بیٹا (پیاس کی شدت سے) پیچ وتاب کھا رہا ہے یا (کہا کہ) زمین پر لوٹ رہا ہے۔ وہ وہاں سے ہٹ گئیں کیوں کہ اس حالت میں بچے کو دیکھنے سے ان کا دل بے چین ہوتا تھا۔ صفا پہاڑی وہاں سے نزدیک تر تھی۔ وہ (پانی کی تلاش میں) اس پر چڑھ گئیں اور وادی کی طرف رخ کر کے دیکھنے لگیں کہ کہیں کوئی انسان نظر آئے لیکن کوئی انسان نظر نہیں آیا، وہ صفا سے اتر گئیں اور جب وادی میں پہنچیں تو اپنا دامن اٹھالیا (تا کہ دوڑتے وقت نہ الجھیں) اور کسی پریشان حال کی طرح دوڑنے لگیں پھر وادی سے نکل کر مروہ پہاڑی پر آئیں اور اس پر کھڑی ہو کر دیکھنے لگیں کہ کہیں کوئی انسان نظر آئے لیکن کوئی نظر نہیں آیا۔ اس

طرح انہوں نے سات چکر لگائے ۔ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (صفااور مروہ کے درمیان) لوگوں کے لیے دوڑنا اسی وجہ سے مشروع ہوا۔ (ساتویں مرتبہ) جب وہ مروہ پر چڑھیں تو انہیں ایک آواز سنائی دی، انہوں نے کہا، خاموش! یہ خود اپنے ہی سے وہ کہہ رہی تھیں اور پھر آواز کی طرف انہوں نے کان لگا دیئے ۔آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی پھر انہوں نے کہا کہ تمہاری آواز میں نے سنی ۔اگر تم میری کوئی مدد کر سکتے ہو تو کرو۔ کیا دیکھتی ہیں کہ جہاں اب زمزم (کا کنواں) ہے، وہیں ایک فرشتہ موجود ہے۔ فرشتے نے اپنی ایڑی سے زمین میں گڑھا کر دیا، یا یہ کہا کہ اپنے بازو سے، جس سے وہاں پانی ابل آیا۔حضرت ہاجرہ نے اسے حوض کی شکل میں بنا دیا اور اپنے ہاتھ سے اس طرح کر دیا (تا کہ پانی بہنے نہ پائے) اور چلو سے پانی اپنے مشکیزہ میں ڈالنے لگیں ۔ جب وہ بھر چکیں تو وہاں سے چشمہ پھر ابل پڑا۔ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ! ام اسماعیل پر رحم کرے، اگر زمزم کو انہوں نے یوں ہی چھوڑ دیا ہوتا یا آپ نے فرمایا کہ چلو سے مشکیزہ نہ بھرا ہوتا تو زمزم ایک بہتے ہوئے چشمے کی صورت میں ہوتا ۔ بیان کیا کہ پھر ہاجرہ علیہ السلام نے خود بھی وہ پانی پیا اور اپنے بیٹے کو بھی پلایا۔ اس کے بعد ان سے فرشتے نے کہا کہ اپنے برباد ہونے کا خوف ہرگز نہ کرنا کیوں کہ یہیں خدا کا گھر ہوگا ، جسے یہ بچہ اور اس کا باپ تعمیر کریں گے اور اللہ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا، اب جہاں بیت اللہ ہے، اس وقت وہاں ٹیلے کی طرح زمین اٹھی ہوئی تھی ۔سیلاب کا دھارا آتا اور اس کے دائیں بائیں سے زمین کاٹ کر لے جاتا۔ اس طرح وہاں کے دن ورات گزرتے رہے اور آخر ایک دن قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ وہاں سے گزرے یا (آپ نے یہ فرمایا کہ) قبیلہ جرہم کے چند گھرانے مقام کداء (مکہ کا بالائی حصہ) کے راستے سے گزر کر مکہ کے نشیبی علاقے میں انہوں نے پڑاو کیا (قریب ہی) انہوں نے منڈلاتے ہوئے کچھ پرندے دیکھے، ان لوگوں نے کہا کہ یہ پرندہ پانی پر منڈلا رہا ہے ۔ حالانکہ اس سے پہلے جب بھی ہم اس میدان سے گزرے ہیں یہاں پانی کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ آخر انہوں نے اپنا ایک آدمی یا دو آدمی بھیجے۔ وہاں انہوں نے واقعی پانی پایا چنانچہ انہوں نے واپس آکر پانی اطلاع دی۔ اب یہ سب لوگ

یہاں آئے۔ راوی نے بیان کیا کہ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اس وقت پانی پر ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ کیا آپ ہمیں اپنے پڑوس میں پڑاوڈالنے کی اجازت دیں گی۔ ہاجرہ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ پانی پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔ انہوں نے اسے تسلیم کرلیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اب ام اسماعیل کو پڑوسی مل گئے۔ انسانوں کی موجودگی ان کے لیے دلجمعی کا باعث ہوئی۔ ان لوگوں نے خود بھی یہاں قیام کیا اور اپنے قبیلے کے دوسرے لوگوں کو بھی بلوالیا اور وہ سب لوگ بھی یہیں آکر ٹھہر گئے۔ اس طرح یہاں ان کے کئی گھرانے آکر آباد ہوگئے اور بچہ (اسماعیل علیہ السلام جرہم کے بچوں میں) جوان ہوا اور ان سے عربی سیکھ لی۔ جوانی میں اسماعیل علیہ السلام ایسے خوبصورت تھے کہ آپ پر سب کی نظریں اٹھتی تھیں اور سب سے زیادہ آپ بھلے لگتے تھے۔ چنانچہ جرہم والوں نے آپ کی اپنے قبیلے کی ایک لڑکی سے شادی کردی۔ پھر اسماعیل علیہ السلام کی والدہ (ہاجرہ علیہ السلام) کا انتقال ہوگیا)۔ اسماعیل علیہ السلام کی شادی کے بعد ابراہیم علیہ السلام یہاں اپنے چھوڑے ہوئے خاندان کو دیکھنے آئے۔ اسماعیل علیہ السلام گھر پر نہیں تھے۔ اس لیے آپ نے ان کی بیوی سے اسماعیل علیہ السلام کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ روزی کی تلاش میں کہیں گئے ہیں۔ پھر آپ نے ان سے ان کی معاش وغیرہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ حالت اچھی نہیں ہے، بڑی تنگی سے گزراوقات ہوتی ہے۔ اس طرح انہوں نے شکایت کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ جب تمہارا شوہر آئے تو ان سے میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں۔ پھر جب اسماعیل علیہ السلام واپس تشریف لائے تو جیسے انہوں نے کچھ انسیت سی محسوس کی اور دریافت فرمایا، کیا کوئی صاحب یہاں آئے تھے؟ ان کی بیوی نے بتایا کہ ہاں ایک بزرگ اس اس شکل کے یہاں آئے تھے اور آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے، میں نے انہیں بتایا (کہ آپ باہر گئے ہوئے ہیں) پھر انہوں نے پوچھا کہ تمہاری گزراوقات کا کیا حال ہے؟ تو میں نے ان سے کہا کہ ہماری گزراوقات بڑی تنگی سے ہوتی ہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ انہوں نے تمہیں کچھ نصیحت بھی کی تھی؟ ان کی بیوی نے بتایا کہ ہاں مجھ سے

انہوں نے کہا تھا کہ آپ کو سلام کہہ دوں اور وہ یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ آپ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں۔ اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ بزرگ میرے والد تھے اور مجھے یہ حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں جدا کردوں، اب تم اپنے گھر جاسکتی ہو۔ چنانچہ اسماعیل علیہ السلام نے انہیں طلاق دے دی اور بنی جرہم ہی میں ایک دوسری عورت سے شادی کرلی۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور رہا، ابراہیم علیہ السلام ان کے یہاں نہیں آئے۔ پھر جب کچھ دنوں کے بعد وہ تشریف لائے تو اس مرتبہ بھی اسماعیل علیہ السلام اپنے گھر پر موجود نہیں تھے۔ آپ ان کی بیوی کے یہاں گئے اور ان سے اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ ہمارے لیے روزی تلاش کرنے گئے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا تم لوگوں کا حال کیسا ہے ؟ آپ نے ان کی گزربسر اور دوسرے حالات کے متعلق پوچھا، انہوں نے بتایا کہ ہمارا حال بہت اچھا ہے، بڑی فراخی ہے، انہوں نے اس کے لیے اللہ کی تعریف وثنا کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کھاتے کیا ہو؟ انہوں نے بتایا کہ گوشت ! آپ نے دریافت کیا فرمایا کہ پیتے کیا ہو؟ بتایا کہ پانی ! ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے دعاء کی، اے اللہ ان کے گوشت اور پانی میں برکت نازل فرما۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دنوں انہیں اناج میسر نہیں تھا۔ اگر اناج بھی ان کے کھانے میں شامل ہوتا تو ضرور آپ اس میں بھی برکت کی دعا کرتے۔ صرف گوشت اور پانی کی خوراک میں ہمیشہ گزارہ کرنا مکہ کے سوا اور کسی زمین پر بھی موافق نہیں پڑتا۔ ابراہیم علیہ السلام نے (جاتے ہوئے) اس سے فرمایا کہ جب تمہارے شوہر واپس آجائیں تو ان سے میرا سلام کہنا اور ان سے کہہ دینا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ باقی رکھیں۔ جب اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو پوچھا کہ کیا یہاں کوئی آیا تھا؟ انہوں نے بتایا کہ جی ہاں ایک بزرگ، بڑی اچھی شکل وصورت کے آئے تھے۔ بیوی نے آنے والے بزرگ کی تعریف کی پھر انہوں نے مجھ سے آپ کے متعلق پوچھا (کہ کہاں ہیں؟) اور میں نے بتادیا، پھر انہوں نے پوچھا کہ تمہاری گزربسر کا کیا حال ہے۔ تو میں نے بتایا کہ ہم اچھی حالت میں ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کیا انہوں نے تمہیں کوئی وصیت بھی کی تھی؟ انہوں نے کہا جی ہاں، انہوں نے آپ کو سلام کہا تھا اور حکم دیا تھا

کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو باقی رکھیں ۔ اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بزرگ میرے والد تھے، چوکھٹ تم ہو اور آپ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں ۔ پھر جتنے دنوں اللہ تعالیٰ کو منظور رہا، کے بعد ابراہیم علیہ السلام ان کے یہاں تشریف لائے تو دیکھا کہ اسماعیل زمزم کے قریب ایک بڑے درخت کے سائے میں (جہاں ابراہیم انہیں چھوڑ گئے تھے) اپنے تیر بنا رہے ہیں ۔ جب اسماعیل علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو ان کی طرف کھڑے ہو گے اور جس طرح ایک باپ اپنے بیٹے کے ساتھ اور بیٹا اپنے باپ کے ساتھ محبت کرتا ہے وہی طرز عمل ان دونوں نے بھی ایک دوسرے کے ساتھ اختیار کیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، اسماعیل اللہ نے مجھے ایک حکم دیا ہے ۔ اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا، آپ کے رب نے جو حکم آپ کو دیا ہے آپ اسے ضرور پورا کریں ۔ انہوں نے فرمایا اور تم بھی میری مدد کر سکو گے؟ عرض کیا کہ میں آپ کی مدد کروں گا۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسی مقام پر اللہ کا ایک گھر بناؤں اور آپ نے ایک اور اونچے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا کہ اس کے چاروں طرف! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت ان دونوں نے بیت اللہ کی بنیاد پر عمارت کی تعمیر شروع کی ۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے جاتے تھے ۔ جب دیواریں بلند ہو گئیں تو اسماعیل یہ پتھر لائے اور ابراہیم علیہ السلام کے لیے اسے رکھ دیا۔ اب ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کرنے لگے، اسماعیل علیہ السلام پتھر دیتے جاتے تھے اور یہ دونوں یہ دعا پڑھتے جاتے تھے ۔ ہمارے رب! ہماری یہ خدمت تو قبول کر بے شک تو بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے ۔ فرمایا کہ یہ دونوں تعمیر کرتے رہے اور بیت اللہ کے چاروں طرف گھوم گھوم کر یہ دعا پڑھتے رہے ۔ ”اے ہمارے رب! ہماری طرف سے یہ خدمت قبول فرما۔ بے شک تو بڑا سننے والا بہت جاننے والا ہے“۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں: لوگوں نے ان کے سامنے دجال کا ذکر کیا جس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر ک ف ر لکھا ہو گا آپ نے فرمایا میں نے یہ الفاظ نہیں سنے (البتہ) آپ نے فرمایا: ارے ابراہیم علیہ السلام تو اپنے صاحب (یعنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھ لے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قد درمیانہ اور رنگ گندمیہ تھا اور آپ سرخ رنگ کے اونٹ پر سوار تھے جس کو کھجور کی چھال کی نکیل ڈالی ہوئی ہے گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ وادی کی جانب تکبیر کہتے ہوئے اتر رہے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک زمانہ جاہلیت میں پہلی قسامت کا واقعہ بنی ہاشم میں ہوا تھا یوں کہ بنی ہاشم کے کسی فرد کو ایک شخص نے مزدور رکھا جو قریش کی دوسری شاخ سے تھا تو یہ اس کے اونٹ پر اس کے ساتھ جا رہا تھا تو اس کے پاس سے بنی ہاشم کا کوئی دوسرا فرد گزرا جس کے غلہ کی بوری کا بندھن ٹوٹ گیا تھا اس نے مزدور سے کہا کہ ایک بندھن دے کر میری مدد کرو تاکہ میں اپنی بوری باندھ لوں اور اونٹ نہ بھاگ سکے اس نے بندھن دے دیا اور اس نے اپنی بوری باندھ لی، جب انہوں نے پڑاؤ کیا تو ایک کے سوا سب اونٹوں کے گھٹنے باندھ دیئے۔ قریشی نے ہاشمی سے کہا کہ دوسرے اونٹوں کی طرف اس اونٹ کو کیوں نہیں باندھا گیا؟ اس نے جواب دیا کہ رسی نہیں ہے اس نے پوچھا کہ اس کی رسی کہاں گئی؟ اس نے واقعہ بیان کر دیا تو غصے میں اس نے ایسی لاٹھی ماری کی ہاشمی مرنے لگا پھر اس کے پاس سے ایک یمن کا رہنے والا گزرا تو ہاشمی نے پوچھا: کیا تم ہر سال حج کے لئے جاتے ہو؟ اس نے جواب دیا ہر سال تو نہیں ہاں کبھی کبھی ضرور جاتا ہوں کہا جب بھی تم سے ہو سکے تو کیا میرا ایک پیغام پہنچا دو گے؟ اس نے جواب دیا: ضرور کہا کہ جب تمہیں موسم حج میں بیت اللہ کی حاضری نصیب ہو تو پکارنا اے قریش! جب وہ تم سے مخاطب ہوں تو کہنا، اے بنی ہاشم! جب وہ تم سے مخاطب ہوں تو ان سے ابو طالب کے متعلق پوچھنا اور انہیں بتانا کہ فلاں ہاشمی کو ایک رسی کی وجہ سے قتل کر دیا گیا ہے (یہ پیغام دے کر) وہ مزدور مر گیا۔ جب وہ قریشی واپس پہنچا تو ابو طالب کے پاس آیا انہوں نے پوچھا ہمارے آدمی کو کیا ہوا؟ جواب دیا کہ وہ بیمار ہو گیا تھا لیکن میں علاج معالجے میں کوئی کسر نہ چھوڑی (لیکن وہ مر گیا) پس اسے دفن کر کے واپس لوٹا ہوں۔ انہوں نے کہا تم سے اس کے متعلق یہی امید تھی۔ آخر کار اس واقعہ کو مدت گزر گئی اور ایک دفعہ حج کے موسم میں جب وہ آدمی مکہ مکرمہ آیا جس کو وصیت کی گئی تھی تو اس نے آواز دی؛ اے آل قریش! لوگوں نے جواب دیا کہ قریش یہ ہیں۔ اس نے پھر کہا:

اے آل بنی ہاشم! لوگوں نے کہا بنی ہاشم یہ ہیں اس نے پوچھا ابو طالب کون ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ ابو طالب ہیں کہا کہ مجھے آپ کے فلاں آدمی نے آپ تک پہنچانے کے لئے ایک پیغام دیا تھا جس کو ایک رسی کے بدلے قتل کر دیا گیا تھا پس ابو طالب اس قاتل کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ تین میں سے ایک بات اختیار کر لو کیونکہ تم نے ہمارے آدمی کو قتل کیا ہے اس لئے چاہو تو دیت کے سو اونٹ ادا کر دو بصورت دیگر تمہاری قوم کے پچاس آدمی قسم دے دیں کہ تم نے اسے قتل نہیں کیا۔ اگر تمہیں اس سے بھی انکار ہو تو اس کے بدلے ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ وہ اپنی قوم کے پاس گیا تو انہوں نے کہا ہم قسم دیں گے پھر جناب ابو طالب کے پاس ایک ہاشمی عورت (مقتول کی بہن آئی) جو قاتل کی قوم میں بیاہی تھی اور ان سے اس کا ایک لڑکا بھی تھا۔ اس نے کہا اے ابو طالب! میں یہ چاہتی ہوں کہ اآپ نے جو پچاس آدمیوں کی قسمیں لینی ہیں تو میرے لڑکے سے قسم نہ لینا جہاں کھڑا کر کے قسم لی جاتی ہے انہوں نے یہ بات منظور کر لی پھر قاتل کی قوم سے ایک آدمی آ کر کہنے لگا اے ابو طالب! آپ نے سو اونٹوں کے بدلے میں پچاس آدمیوں کی قسم چاہی ہے تو ایک آدمی کی قسم کے بدلے دو اونٹ ہوئے پس میری قسم کے بدلے میں یہ دو اونٹ وصول کر لیجئے آپ نے یہ بھی منظور کر لئے اور اس سے قسم نہ لی اس کے بعد اڑتالیس آدمی آئے اور قسم کھا گئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے پورا ایک، سال بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ اڑتالیس آدمی سارے کے سارے لقمہ اجل بن گئے

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری باد صبا سے مدد فرمائی گئی اور قوم عاد کو پچھوا گرم ہوا کے ذریعے ہلاک کیا گیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ مجھے اپنی مجلس میں اس وقت بھی بلا لیتے جب وہاں بدر کی جنگ میں شریک ہونے والے بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوتے۔ اس پر بعض لوگ کہنے لگے اس جوان کو آپ ہماری مجلس میں کیوں بلاتے ہیں؟ اس جیسے تو ہمارے بچے ہیں۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ تو ان لوگوں میں سے ہے جن کا علم و فضل تم جانتے ہو۔ انہوں نے بیان کیا کہ پھر ان بزرگ صحابیوں کو ایک دن عمر رضی

اللہ عنہ نے بلایا اور مجھے بھیلایا۔ بیان کیا کہ میں سمجھتا تھا کہ مجھے اس دن آپ نے اس لیے بلایا تھا تا کہ آپ میرا علم بتا سکیں۔ پھر آپ نے دریافت کیا اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون' ختم سورت تک' کے متعلق تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟ کسی نے کہا کہ ہمیں اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ کی حمد بیان کریں اور اس سے استغفار کریں کہ اس نے ہماری مدد کی اور ہمیں فتح عنایت فرمائی۔ بعض نے کہا کہ ہمیں اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے اور بعض نے کوئی جواب نہیں دیا پھر انہوں نے مجھ سے دریافت کیا' ابن عباس! کیا تمہارا بھی یہی خیال ہے؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں' پوچھا' پھر تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح حاصل ہو گئی۔ یعنی فتح مکہ تو یہ آپ کی وفات کی نشانی ہے۔ اس لیے آپ اپنے رب کی حمد اور تسبیح اور اس کی مغفرت طلب کریں کہ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو کچھ تم نے کہا وہی میں بھی سمجھتا ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مسئلہ پوچھا، فضل بن عباس رضی اللہ عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اللہ کا جو فریضہ اس کے بندوں پر ہے (یعنی حج) میرے والد پر بھی فرض ہو چکا ہے لیکن بڑھاپے کی وجہ سے ان کی حالت یہ ہے کہ وہ سواری پر نہیں بیٹھ سکتے۔ تو کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! کر سکتی ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ بعض لوگ حج کرتے تھے مگر سفر خرچ ساتھ نہ رکھتے تھے ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یمن کے لوگ حج کرتے تھے اور سامان سفر ساتھ نہ رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو توکل کرنے والے ہیں تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی سامان سفر ساتھ لو اور سب سے بہتر سامان سفر پرہیزگاری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور خوارج

خوارج کا فتنہ کوئی نیا نہیں کہ اسکی پہچان مشکل ہو یا اس سے تنبیہ کرنے والے کم ہوں۔ یہ

فتنہ صحابہ کرام کے دور سے اٹھا اور قیامت تک کسی نہ کسی شکل میں اپنا وجود برقرار رکھے گا، جیسا کہ صحیح احادیث میں مذکور ہے۔ اسلام کے اس اولین دور میں خوارج پر شیطان نے جو تلبیسات کر کے انکو گمراہ کیا تھا، اس کے توڑ کے لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہ جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مفسر قرآن کا خطاب دیا تھا، یعنی ان سے بہتر قرآن کی تفسیر وتشریح کوئی نہیں جانتا تھا، میدان مناظرہ میں کودے تھے۔ انہوں نے خوارج کے پیش کردہ قرآنی استدلالات کا موعظ حسنہ سے درست معنی وتفسیر پیش کر کے ان گمراہ فکر لوگوں کو لاجواب کر دیا تھا۔

خوارج اور مفسر قرآن کے مابین گفتگو

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''جب حروری علیحدہ ہوئے اور انہوں نے ایک خاص نظریہ اپنایا، تب ان کی تعداد چھ ہزار (6000) تھی۔ یہ لوگ سیدنا علی بن ابی طالب اور ان کے ساتھی صحابہ کرام کے خلاف بغاوت پر متفق تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آتے اور انہیں کہتے: ''امیر المؤمنین! خارجی آپ کے خلاف بغاوت کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ جواب دیتے: ''انہیں خروج کرنے تک کچھ نہ کہو کیونکہ میں ان سے اس وقت تک جہاد نہیں کروں گا جب تک وہ لڑائی کا آغاز نہ کریں اور عنقریب وہ ضرور ایسا کریں گے۔''

اس وقت خوارج مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر ایک گھر میں جمع تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ظہر کے وقت گیا اور انہیں کہا: ''امیر المؤمنین! نماز کو تھوڑا تاخیر سے پڑھایئے گا تاکہ میری جماعت چھوٹ نہ جائے۔ میں ان لوگوں سے بات چیت کرنے کے لیے جا رہا ہوں۔''

علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''مجھے خطرہ ہے کہ کہیں وہ آپ کو نقصان نہ پہنچائیں۔''

میں نے کہا: ''ان شاء اللہ، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔''

میں اچھے اخلاق کا مالک تھا، کسی کو تکلیف نہ دیتا تھا۔

چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مجھے جانے کی اجازت دے دی۔ میں نے بقدر استطاعت سب سے اچھا یمنی سوٹ پہنا اور بال سنوارے۔

ابوزمیل راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بہت خوب رو اور وجیہہ انسان تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں ان کے پاس پہنچا تو کچھ لوگ کھانا کھا رہے تھے اور کچھ قیلولہ کر رہے تھے۔ یہ عین دوپہر کا وقت تھا۔ میں نے عبادت الٰہی میں ان سے زیادہ محنتی کوئی قوم کبھی نہیں دیکھی۔ ان کے ہاتھوں اور گھٹنوں پر اونٹ کے زمین پر لگنے والے اعضاء کی طرح گٹھے پڑے ہوئے تھے اور ماتھے پر سجدوں کی کثرت کی وجہ سے محرابیں بنی ہوئی تھیں۔ ان کی قمیضیں پسینہ سے تر بتر، شلواریں ٹخنوں سے اوپر اور چہرے سے شب بیداری کے آثار نمایاں تھے۔

میں نے پہنچ کر سلام کیا۔

انہوں نے کہا: ''ابن عباس، خوش آمدید! کس لیے تشریف لائے ہیں اور یہ خوبصورت سوٹ کیوں پہن رکھا ہے؟''

میں نے کہا: ''اس سوٹ کی وجہ سے مجھ پر اعتراض کر رہے ہو؟ حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو اس سے بھی اچھے سوٹ پہنے دیکھا ہے۔ اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِىٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے پوچھیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت اور کھانے کی پاکیزہ چیزیں پیدا کی ہیں، انہیں کس نے حرام کر دیا؟ (الاعراف: ۳۲)

کہنے لگے: ''اچھا، یہ فرمایئے کہ کیونکر تشریف آوری ہوئی؟''

میں نے کہا: ''میں مہاجرین و انصار اور دامادِ رسول کی طرف سے آیا ہوں اور تمہیں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بتانے آیا ہوں کہ وہ کیسی عظیم ہستیاں ہیں کہ ان کی

موجودگی میں وحی نازل ہوئی، انہی کے بارے میں ہوئی اور وہ اس کی تفسیر کو تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ تمہارے اندر ان میں سے کوئی نہیں ہے۔ میں تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں تاکہ ان کا پیغام تم تک پہنچاؤں اور تمہارا پیغام ان تک پہنچاؤں۔"

یہ سن کر بعض حاضرین مجلس وہاں سے چل دیے۔ کچھ کہنے لگے: "قریشیوں سے نہ جھگڑو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ "بلکہ یہ تو ہیں ہی جھگڑالو قوم۔" (الزخرف: ۵۸) لہٰذا ان سے بات ہی نہ کرو۔"

لیکن ان میں سے ایک گروہ میرے پاس آیا اور ان میں سے دو تین آدمی کہنے لگے: "اللہ کی قسم! ہم ضرور اس سے بات کریں گے اور اس کی کہی ہوئی باتوں پر غور وفکر کریں گے۔"

میں نے پوچھا: "بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد، داماد اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے اسلام لانے والے پر تمہیں کیا اعتراض ہے؟ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام مہاجرین وانصار صحابہ انہی کے ساتھ ہیں۔"

کہنے لگے: "ہم ان پر تین اعتراض ہیں۔"

میں نے کہا: "بتاؤ کون کون سے ہیں؟"

کہنے لگے:

(۱) انہوں نے دین کے معاملہ میں انسانوں کو ثالث مانا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: " اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ " حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے۔ (الانعام: ۵۷)

اللہ کے اس فرمان کے بعد لوگوں کا فیصلہ سے کیا تعلق؟!

(۲) انہوں نے لڑائی کی اور قتل کیا لیکن نہ کسی کو قیدی بنایا، نہ مال غنیمت حاصل کیا۔ اگر مخالفین کفار تھے تو انہیں قید کرنا اور ان کا مال لوٹنا حلال تھا۔ اور اگر وہ مؤمن تھے تو ان سے لڑنا ہی حرام تھا۔" ایک روایت کے مطابق انہوں نے کہا: "اگر وہ مؤمن تھے تو پھر ہمارے لیے ان سے لڑنا اور مارنا حلال اور قیدی بنانا حرام کیوں کیا؟"

(۳) اپنے آپ کو امیر المؤمنین کہلوانے سے روک دیا۔ اگر وہ مؤمنوں کے امیر نہیں

ہیں تو پھر لامحالہ کافروں کے امیر ہیں۔''

میں نے پوچھا: ''اور بھی کوئی اعتراض ہے؟''

کہنے لگے: ''اتنے ہی کافی ہیں۔''

میں نے کہا: ''اچھا، یہ بتاؤ کہ اگر میں تمہارے سامنے قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھوں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تمہیں بتاؤں، جو تمہارے ان اعتراضات کو باطل کر دے، تو تسلیم کرلو گے اور اپنے موقف سے رجوع کرلو گے؟''

کہنے لگے: ''کیوں نہیں! رجوع کیوں نہیں کریں گے بھلا؟!''

میں نے کہا: ''جہاں تک تمہارے پہلے اعتراض کا تعلق ہے کہ ''دین کے معاملہ میں لوگوں کو ثالث مانا'' تو اللہ تعالیٰ نے ایک خرگوش کی قیمت یعنی چوتھائی درہم کے معاملہ میں بھی لوگوں کو ثالث مقرر فرمایا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۝ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

اے ایمان والو! تم حالت احرام میں شکار نہ مارو۔ اور جس نے جان بوجھ کر شکار مارا تو اس کا بدلہ مویشیوں میں سے اسی شکار کے ہم پلہ جانور ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں۔ (المائدہ:۹۵)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے بارے میں فرمایا:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا

اور اگر تمہیں زوجین کے باہمی تعلقات بگڑ جانے کا خدشہ ہو تو ایک ثالث مرد کے خاندان سے اور ایک عورت کے خاندان سے مقرر کرلو۔ (النساء:۳۵)

مذکورہ بالا آیات بینات میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے فیصلہ کو جائز قرار دیا ہے اور اسے محفوظ اور جاری وساری طریقہ بنایا ہے۔

میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں: بتاؤ! لوگوں کی جانیں بچانے اور ان کی آپس میں صلح کے وقت لوگوں کے فیصلے کی زیادہ ضرورت ہے یا چوتھائی درہم کی قیمت رکھنے

والے خرگوش اور عورت کے شادی بیاہ اور طلاق کے معاملات میں؟ کس کو افضل سمجھتے ہو؟

کہنے لگے: ''یقیناً لوگوں کی جانوں کو بچانا اور آپس میں صلح کروانا ہی افضل ہے۔''

میں نے پوچھا: ''پہلے اعتراض کا تسلی بخش جواب مل گیا؟''

کہنے لگے: ''بے شک۔''

میں نے کہا: ''جہاں تک تمہارے دوسرے اعتراض کا تعلق ہے کہ ''مخالفین سے لڑائی تو کی لیکن نہ قیدی بنایا، نہ مال غنیمت حاصل کیا۔''

تو بتاؤ! کیا اپنی والدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو قیدی بنانا پسند کرتے ہو؟ کیا اسے بھی ایسے ہی لونڈی بنا کر رکھنا جائز سمجھتے ہو جیسے دوسری لونڈیوں کو؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو تم کافر ہو۔ اگر یہ سمجھتے ہو کہ وہ مومنوں کی ماں نہیں ہے تو تب بھی تم کافر ہو اور دائرہ اسلام سے خارج ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ

بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کے لئے ان کی اپنی ذات سے بھی مقدم ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ (الاحزاب: ٦)

اب تم دو گمراہیوں کے درمیان لٹکے ہوئے ہو۔ جس کو چاہو، اختیار کرلو۔ تم لوگ گمراہی کے گہرے غار میں دھنس چکے ہو۔ جاؤ نکلنے کا کوئی راستہ تلاش کرو۔

تمہارا یہ اعتراض بھی ختم ہوا؟''

وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کر کہنے لگے: ''جی ہاں!''

میں نے کہا: ''جہاں تک تمہارے اس اعتراض کا تعلق ہے کہ ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے نام کے ساتھ امیر المؤمنین نہیں لکھوایا'' تو آؤ! میں تمہیں تمہاری پسندیدہ شخصیت کا حوالہ دیتا ہوں۔

دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر قریش سے اس بات پر صلح کی کہ ان کے درمیان ایک معاہدہ ہو جائے۔ سہیل بن عمرو اور ابوسفیان نے یہ معاہدہ لکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لکھو: ''یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے۔''

وہ کہنے لگے: "اگر ہم یہ مانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو کبھی بھی آپ کو بیت اللہ سے روکتے، نہ آپ سے لڑائی کرتے۔ لہٰذا محمد بن عبد اللہ لکھوائیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی قسم! یقیناً میں اللہ کا سچا رسول ہوں، اگر چہ تم مجھے جھٹلاتے ہو، لیکن خیر!

اے علی! محمد بن عبد اللہ لکھو۔"

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو علی رضی اللہ عنہ سے کئی درجے بہتر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب "رسول اللہ" کا لفظ نہ لکھوایا تو ایسا ہرگز نہیں ہوا کہ نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی نہ رہے ہوں۔

یہ اعتراض بھی ختم ہوا؟"

کہنے لگے: "جی ہاں۔"

یہ گفتگو سن کر بیس ہزار خارجیوں نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور مسلمانوں کی صفوں میں آ گئے۔ باقی چار ہزار رہ گئے جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف خروج کیا اور سبھی اسی گمراہی میں مارے گئے۔ مہاجرین وانصار نے انہیں جہنم واصل کیا۔

رؤیت باری تعالیٰ اور مذاہب اربعہ

رؤیت باری تعالی کے متعلق حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نظریہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے ذیل میں مذاہب اربعہ کا رویت باری تعالیٰ میں نظریہ پیش خدمت ہے

مالکیہ کا نظریہ:

قاضی عیاض لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے حضرت عائشہ اس کا انکار کرتی ہیں۔ مسروق بیان کرتے ہیں کہ جب عائشہ رضی اللہ سے پوچھا گیا تو فرمایا تمہاری اس بات سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور فرمایا جس نے کہا کہ آقا نے اللہ کو دیکھا تو اس نے جھوٹ بولا پھر یہ آیت پڑھی "لاتدركه الابصار" (انعام:۱۰۳)

پھر حضرت عباس فرماتے ہیں کہ اللہ نے ابراہیم علیہ سلام کو اپنا خلیل، موسیٰ کو کلام اور اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدرا عطا فرمایا، ان کی دلیل یہ آیت ہے" ماکذب۔۔۔۔۔۔اخریٰ"

ان کے دل نے اس کے خلاف نہیں جانا جو ان کی آنکھ نے دیکھا کیا تم اس پر جھگڑتے ہو؟ بے شک انہوں نے اسے دوسری بار دیکھا (نجم: ۱۱، ۱۳)

امام ماوردی فرماتے ہیں اللہ نے اپنی رویت اور کلام کو موسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین تقسیم کر دیا موسیٰ کو ۲ بار کلام عطا کی اور آقا کو دو بار دیدار۔۔

نقاش نے روایت کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا قائل ہوں۔آپ نے اللہ کو اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھا۔امام احمد ان کو اتنی بار دہراتی کہ انکی سانس منقطع ہو جاتی۔

ابن عطا نے" الم نشرح لك صدرك" کی تفسیر میں کہا ہے کہ آپکا سینہ رویت کے لئے کھول دیا اور موسیٰ کو سینہ کلام کے لئے کھول دیا۔ابوالحسن علی بن اسمٰعیل اشعری رضی اللہ اور ان کے اصحاب کی جماعت نے کہا کہ آپ علیہ سلام نے اللہ کو اپنی سر کی آنکھ سے دیکھا اور فرمایا جس نبی کو جو بھی معجزہ دیا گیا اس کی مثل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی اور رویت سے آپکو تمام انبیاء پر فضیلت دی گئی (قاضی عیاض: الشفاء: ص: ۱۱۹، ۱۲۰)

اس مسئلہ میں چار اقوال ہیں حضرت مسعود اور حضرت عائشہ رویت کی نفی جبکہ ابن عباس اور انس بن مالک اس کا اثبات کرتے ہیں۔کہ آپ نے اللہ کو سر کی آنکھ سے دیکھا۔امام ابوالحسن اشعری کا بھی یہی مذہب ہے۔تابعین میں سے سعید بن جبیر کی یہی رائے ہے۔ان میں زیادہ قول صحیح یہ ہے کہ آپ نے اللہ کو سر کی آنکھ سے دیکھا۔۔اور دنا فتدلیٰ کا معاملہ اللہ اور اس کے رسول کے مابین ہوا۔اور اس سے قرب مجازی مراد ہے۔(مکمل اکمال المعلم)

نقاش نے حدیث معراج میں ثم دنا کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جبرائیل مجھ سے علیحدہ ہوگئے اور آوازیں منقطع ہوگئیں۔اس وقت میں نے اپنے رب کا کلام سنا:اے محمد!تمھارے دل کو مبارک ہو قریب آؤ قریب آؤ (اکمال اکمال المعلم)

ابن خزیمہ روایت کرتے ہیں حضرت انس بن مالک نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سر کی آنکھوں سے اللہ کو دیکھا،امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ حضرت عائشہ اس کا انکار کرتی ہیں تو تو آپ ان کے اس انکار کو کس دلیل سے رد کرتے ہیں۔امام احمد نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حضرت عائشہ کے اقوال پر مقدم ہے،نقاش نے امام احمد حنبل سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت ابن عباس کی اس حدیث کا قائل ہوں کہ آپ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔امام احمد بار بار کہتے رہے آپنے اپنے رب کو دیکھا حتیٰ کہ آپ کی سانس ٹوٹ گئی (المواہب الدنیہ)

حنابلہ کا نظریہ

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں : امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔عکرمہ نے کہا کیا اللہ یہ نہیں فرماتا لاتدرکہ الابصار وھو یدرک (انعام:۱۰۳)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم پر افسوس ہے یہ اس وقت ہے جب وہ اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور ہے وہ غیر متناہی نور ہے۔اور بے شک آپ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔نیز امام ترمزی نے روایت کیا ہے کہ کعب کی ابن عباس سے میدان عرفات میں ملاقات ہوئی انہون نے کسی چیز کے متعلق ابن عباس سے سوال کیا پھر اتنے زور سے اللہ اکبر کہا کہ پہاڑ گونج اٹھے۔اور پھر ابن عباس نے فرمایا۔ہم بنو ہاشم ہیں۔تو کعب نے فرمایا کہ اللہ نے اپنی رویت اور اپنے کلام کو موسیٰ اور آقا کے مابین تقسیم کر دیا۔موسیٰ کو کلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رویت عطا کی۔

حضرت عباس فرماتے ہیں کہ اللہ نے ابراہیم علیہ سلام کو اپنا خلیل، موسیٰ کو کلام اور اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدار عطا فرمایا۔ صحیح مسلم میں ابوزر رضی اللہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کیا آپنے اللہ کو دیکھا ہے تو فرمایا" وہ نور ہے میں نے اس کو جہاں سے بھی دیکھا نور ہی نور ہے"۔ مسلم کی ایک اور روایت ہے میں نے نور کو دیکھا۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپنے اللہ کو دیکھا تو فرمایا میں نے اللہ کو دل سے دیکھا۔ پھر آپنے ثم دنا فتدلیٰ آیت پڑھی (تفسیر ابن کثیر)۔

حنابلہ میں امام احمد بن حنبل بھی رویت کے قائل ہیں اور انہوں نے بھی حضرت عائشہ کے اجتہاد کو رد کیا ہے۔ وہ بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قائل ہیں کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت لی ہے جبکہ حضرت عائشہ سے کوئی روایت نہیں موجود جو انہوں نے نبی کریم سے روایت کی ہو

امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ حضرت عائشہ اس کا انکار کرتی ہیں تو آپ ان کے اس انکار کو کس دلیل سے رد کرتے ہیں۔ امام احمد نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد حضرت عائشہ کے اقوال پر مقدم ہے

نقاش نے امام احمد حنبل سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کا قائل ہوں کہ آپ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔

امام احمد بار بار کہتے رہے آپنے اپنے رب کو دیکھا حتیٰ کہ آپکی سانس ٹوٹ گئی

(المواہب الدنیہ)

احناف کا نظریہ

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت عائشہ رویت کی نفی کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس رویت کا

اثبات کرتے ہیں ان میں کیسے موافقت ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رویت بصری کا انکار کرتی ہیں اور حضرت عباس قلبی کا اثبات کرتے ہیں۔امام ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں بہت تفصیل سے اس موضوع پر بحث کی ہے۔اور رویت کو ثابت کیا ہے اور فرمایا ابن عباس فرماتے ہیں آقا نے ایک مرتبہ دل کی آنکھ سے اور ایک مرتبہ سر کی آنکھ سے دیکھا۔

(عمدۃ القاری)

علامہ شہاب الدین فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس کی مشہور روایت یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا یہ حدیث ان سے کئی اسانید کے ساتھ مروی ہے اور یہ اس کے بھی منافی نہیں کہ آپ نے اپنے رب کو دل سے دیکھا جیسا کہ قرآن میں ہے: **ما کذب الفواد ما رای، ما زاغ البصر وما طغیٰ** (نجم:۱۱،۱۷)

آپکی آنکھ نے جو جلوہ دیکھا دل نے اس کی تکذیب نہیں کی، آپکی نظر ایک طرف مائل ہوئی نہ حد سے بڑھی۔

امام حاکم، امام نسائی اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ نے موسیٰ کو کلام، ابراھیم کو خلیل اور اپنے حبیب کو دیدار عطا کیا۔اس سے مراد رویت بصری ہے نہ کہ رویت قلبی کیونکہ، کیونکہ رویت قلبی آقا علیہ سلام کے ساتھ خاص نہیں۔قلبی ہر نبی کو عطا ہوئی اور ہمارے نبی ان سے ہر لحاظ میں اعلیٰ ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ اللہ موسیٰ علیہ سلام کے ساتھ زمیں پر ہم کلام ہوا اور آقا علیہ سلام کے ساتھ عرش پر ہوا۔(نسیم الریاض)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

صحابہ کا اس میں اختلاف تھا کہ آیا شب معراج آپ نے اللہ کو دیکھا کہ نہیں؟ حضرت عائشہ اس کی نفی کرتی ہیں جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اسکا اثبات کرتے ہیں ان میں سے ہر

ایک کے ساتھ صحابہ کرام کی جماعتیں متفق ہوگئیں۔اسی طرح تابعین سے بھی بعض حضرت عائشہ کے نظریے کے قائل تھے۔اور بعض نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے لیکن جمہور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نظریے کے قائل تھے۔اور علامہ محی الدین نووی نے لکھا کہ اکثر علماء کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رویت سر کی آنکھوں سے کی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت خود آقا سے سماع پر محمول ہے۔اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے محض اپنے اجتہاد سے انکار کیا۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول متعین ہے کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سماع کے بغیر نہیں کہہ سکتے اور نہ یہ ان کے لیے جائز ہے۔کیونکہ اجتہاد سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ کو دیکھا ہے۔حضرت ابن عمیر نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کو دیکھا تو تو ابن عباس نے فرمایا! ہاں دیکھا ہے۔

اکثر مشائخ صوفیہ کو بھی قول ہے کہ اللہ کو دیکھا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ کمال عطا ہوا جو عقلوں سے ماوراء ہے۔اور جو آپکو معراج کی رات کمال ملا وہ سب سے بڑھ کر تھا۔(اشعۃ اللمعات)

اسماعیل حقی لکھتے ہیں:

علماء نے کہا کہ آپ نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا اور مجھے دیدار عطا کیا۔اور بعض نے کہا آپ نے اپنے رب کو دل سے دیکھا۔یہ قول سنت کے خلاف ہے اور مزہب صحیح یہ ہے کہ آپ نے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔(روح البیان)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

امام جعفر صادق بیان کرتے ہیں جب محبوب اپنے رب سے انتہائی قریب ہوئے تو آپ پر ہیبت طاری ہوگئی تب اللہ آپ کے ساتھ نہایت لطف سے پیش آیا پھر اللہ نے اپنے حبیب سے وہی کہا جو حبیب حبیب سے کہتا ہے اور ان کے مابین وہی راز و نیاز ہوئے جو

حبیب اور حبیب کے مابین ہوتے ہیں۔

صوفیا کرام کہتے ہیں اللہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے قریب ہوئے جیسے ان کی شان کے لائق ہے اور ما زاغ البصر کی تفسیر میں یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اللہ کے جلوے سے نہیں ہٹی۔ آپ جنت اور اس کی زینت کی طرف ملتفت ہوئے نہ کہ جہنم اور اس کے شعلوں کی طرف۔ بلکہ زات باری تعالیٰ کو محویت سے دیکھتے رہے۔ ماطغیٰ کی تفسیر میں کہا آپ صراط مستقیم سے نہیں ہٹے۔ ابو حفص سہروردی نے کہا آپکی بصیرت میں کمی نہیں ہوئی۔ اور بصر نے بصیرت سے تجاوز نہیں کیا۔ اور سہل بن عبد اللہ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اپنی زات کو دیکھا نہ کسی اور شے کو وہ صرف زات جمال کو ہی دیکھتے رہے۔ اور صفات الٰہی کو مطالعہ کرتے رہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ نبی علیہ سلام نے اللہ کو دیکھا اور ایسے قریب ہوئے جیسے ان کی شان کے لائق ہے۔ (روح المعانی)

شافیعہ کا نظریہ

علامہ شرف نووی فرماتے ہیں:

اس بحث میں اصل چیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں بھیجا اور پوچھا کیا آقا علیہ سلام نے اللہ کو دیکھا تو آپ نے فرمایا ہاں دیکھا ہے۔ حضرت عائشہ کے انکار سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ حضرت عائشہ نے یہ نہیں کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا" کہ میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا" حضرت عائشہ نے اپنے طور پر قرآن سے استدلال کر کہ یہ نتیجہ نکالا ہے۔ اور جب صحابی کوئی قول بیان کرے اور دوسرا اس کی مخالفت کرے تو اس کا قول حجت نہیں ہوتا اور جب صحیح روایت کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ آقا نے اللہ کو دیکھا تو ان کی بات ماننا واجب ہے۔ کیونکہ اللہ کو دیکھنے کا واقعہ ان مسائل میں سے نہیں ہے جن کو

عقل سے مستنبط کیا جا سکے یا ان کو ظن سے بیان کیا جا سکے یہ صرف اسی صورت پر بیان کیا جا سکتا ہے کہ کسی نے خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہو۔ اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی حجت سے کہا کہ نبی کریم نے اللہ تعالیٰ دیکھا۔

علامہ معمر بن راشد نے کہا کہ اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اختلاف ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ عالم نہیں۔ حضرت عباس کی روایات رویت کا اثبات کرتی ہیں جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات رویت کی نفی کرتی ہیں۔ جب منفی اور مثبت روایات میں متعارض ہو تو مثبت کو منفی پر ترجیح دی جاتی ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ اکثر کے نزدیک یہ ہے کہ آپ نے اپنی سر کی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا انکار کرتی ہیں اور اگر ان کے پاس اس پر کوئی حدیث ہوتی تو وہ اس کو بیان کرتیں۔